دروس القرآن

پارہ عم (پ: ۳۰)

مع لغات و ترکیب

- ترجمہ
- ربط
- شانِ نزول
- تفسیر
- صرف

تالیف

مفتی مزمّل حسین مظفّرنگری

اُستاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

رفیق بکڈپو دیوبند

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

دروس القرآن

مع لغات وترکیب

پارہ: عم (پ: ۳۰)

ترجمہ، ربط، شانِ نزول، تفسیر، کلماتِ قرآن کی مستند مآخذ سے ماخوذ لغوی وصرفی تحقیق
اور ترکیب نحوی پر مشتمل عام فہم، صلاحیت ساز اور منفرد تفسیر

تالیف

مفتی مزمل حسین مظفرنگری قاسمی

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

ناشر

رفیق بک ڈپو دیوبند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : دروس القرآن
تالیف : مفتی عزل حسین قاسمی استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند
سن اشاعت : ماہ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق مارچ ۲۰۱۱ء
سیٹنگ : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 08057938505
ناشر : رفیق بک ڈپو دیوبند

ملنے کا پتا

رفیق بک ڈپو دیوبند
Rafiq Book Dipo
Near Masjide Rashid Darul Uloom Deoband
247554 (U.P.) India Mo.09528187792-09368173429

دارالکتاب دیوبند
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
مکتبہ حجاز دیوبند
دیگر دیوبند کے کتب خانے

پیش لفظ	۴	"کہا" کے ابتدا آنے والا حرف ترکیب		سورہ تین	۲۰۱
تقریظات و تاثرات	۶	میں کیا واقع ہوتا ہے	۹۳	سورہ علق	۲۰۵
مقدمہ: لفظ سورہ کی تحقیق و تعریف	۹	دخلت اذا کے اسم معنی فعل سکت		لام موکدہ و موطئہ	۲۱۳
مکی اور مدنی آیات و سور کی حقیقت	۱۰	وغیرہ کا مفعول فیہ یا مفعول ہے؟	۹۶	سورہ قدر	۲۱۳
شان نزول کی تعریف	۱۱	سورہ مطففین	۹۷	سورہ بینہ	۲۱۷
محل اعراب و غیر محل اعراب والے		تطفیف کی تعریف	۹۹	حال مقدرہ	۲۲۳
جملے کا مطلب اور اس طرح کے		لفظ اوّل کی صرفی تحقیق	۱۰۳	سورہ زلزال	۲۲۵
جملوں کا بیان	۱۱	لام امر سے پہلے "فا" وغیرہ حرف		سورہ عادیات	۲۲۹
لام ابتداء اور لام مزحلقہ	۱۲	عطف آنے کی صورت میں لام کا		سورہ قارعہ	۲۳۳
"ضربتُ" اور "ضربۃ" جیسے صیغوں		سکون جائز ہے واجب نہیں	۱۰۷	اسم جنس جمعی	۲۳۶
میں ضمیر بارز کی تعبیر کا طریقہ	۱۷	استفہام تقریری	۱۱۰	قرائن صحیح ہے تو "مبعوث" مفع	
اسم مصدر	۱۷	سورہ انشقاق	۱۱۱	مفرد ذکر کیوں؟	۲۳۶
مصدر میمی	۱۸	نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں مؤمن کو		آخرت میں وزن (تولنا) دو مرتبہ ہوگا	۲۳۵
سورہ نبا	۱۹	ملے گا خواہ گناہگار کیوں نہ ہو	۱۱۲	سورہ تکاثر	۲۳۸
استفہام انکاری	۲۳	سورہ بروج	۱۲۰	سورہ عصر	۲۳۹
"فا" فصیحہ اور اس کی شکلیں	۳۱	سورہ طارق	۱۳۰	سورہ ہمزہ	۲۴۰
"مَن" شرطیہ کی خبر صرف شرط، یا		فاعل کبھی اسم مفعول کے معنی میں		سورہ فیل	۲۴۸
جزاء یا دونوں کا مجموعہ	۴۱	ہوتا ہے	۱۳۱	سورہ قریش	۲۵۰
سورہ نازعات	۴۲	سورہ اعلیٰ	۱۳۶	مشاکلہ ترکیب میں کیا واقع ہوتا ہے؟	۲۵۲
متعدد معطوفات کی صورت میں		جملۂ شرط کیلئے محل اعراب نہیں ہوتا	۱۴۲	سورہ ماعون	۲۵۳
اقرب پر عطف یا ابعد پر؟	۴۵	سورہ غاشیہ	۱۴۶	سورہ کوثر	۲۵۶
نکرہ کے مبتدا بننے کا مدار تخصیص		صلہ کا اطلاق تین معنی پر ہوتا ہے	۱۴۹	سورہ کافرون	۲۵۹
پر نہیں بلکہ افادہ پر ہے	۴۶	سورہ فجر	۱۵۴	اسم فاعل وغیرہ ماضی کے معنی میں ہوتو	
اسماء غالبہ	۶۲	سورہ بلد	۱۶۹	غائب کی ضمیر پوشیدہ ہوتا ہے	۲۶۱
سورہ عبس	۶۴	سورہ شمس	۱۷۸	سورہ نصر	۲۶۱
صیغۂ فصل کیلئے محل اعراب ہے یا نہیں	۷۷	"ناقۃ اللہ وسقیاہا" کو تحذیر		سورہ لہب	۲۶۳
سورہ تکویر	۷۸	کے باب سے قرار دینے پر ایک		سورہ اخلاص	۲۶۷
حرف جر زائد کسی کے متعلق نہیں ہوتا		اشکال اور اس کا جواب	۱۸۵	سورہ فلق	۲۶۹
"واللیل اذا عسعس" جیسی آیات		سورہ لیل	۱۸۵	سورہ ناس	۲۷۳
میں "اذا" کے عامل کی تحقیق	۸۶	سورہ ضحیٰ	۱۹۲	کیا نبی پر سحر ہو سکتا ہے؟	۲۷۰
سورہ انفطار	۹۱	سورہ الم نشرح	۱۹۷	قرآن کے فاتحہ اور خاتمہ میں مناسبت	۲۷۴

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم:

آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے جب اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تقرر کی نعمت سے نوازا تو پہلے ہی سال سے ترجمہ قرآن از ق تا آخر کی تدریس کی سعادت حصہ میں آئی۔ چند سال یہ حصہ پڑھانے کے بعد دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ایسی کتاب تیار ہو جائے، جو "ق" تا آخر کے ترجمہ، آسان انداز میں تفسیر اور ان باتوں پر مشتمل ہو، جن کی ترجمہ میں ضرورت پڑتی ہے تو اس سے نہ صرف یہ کہ طلبہ کے لئے ایک بڑی سہولت ہوگی، بلکہ ان میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوگی۔

پھر بعض احباب کے اس طرف توجہ دلانے سے یہ داعیہ مزید قوی ہوا تو احقر نے اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا اور اس کا آغاز پارہ عم سے کیا، اور اس کو مکمل کر کے کاتب کے حوالہ کیا، لیکن ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس میں کئی سال کی تاخیر ہوگئی، بلکہ ایسا لگنے لگا کہ شاید یہ کام منظر عام پر نہیں آسکے گا، لیکن اللہ کے کرم سے حالات سازگار ہوئے، اور اب یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ "دروس القرآن: پارۂ عم" کے نام سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس کتاب کے مشمولات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) انطباق میں آسانی کے لئے ہر آیت کے بعد اس کا ترجمہ ہے۔ (۲) ربط آیات بیان کر کے سہل اور مختصر انداز میں تفسیر بیان کی گئی ہے، اور آیات کا کوئی شان نزول ہے تو اس کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ (۳) کلمات کی ضروری لغوی اور صرفی تحقیق اس انداز پر بیان کی گئی ہے کہ ترجمہ پر انطباق آسانی سے ہوسکتا ہے، اور اس ضمن میں مفردات کی جمع اور جموع کے مفردات کو بیان کیا گیا ہے، نیز افعال کے صیغے، بحث اور ابواب کو بیان کیا گیا ہے، اور اگر کسی موقعہ پر خاصیت باب کا ترجمہ میں دخل ہے تو اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۴) ترجمہ کے مطابق جو ترکیب نحوی ہے، اس کو لکھا گیا ہے، اس لئے کہ ترکیب کی مدد سے نہ صرف یہ کہ بچے سمجھ کر ترجمہ کرتے ہیں بلکہ ان میں ترجمہ کرنے کی استعداد کے ساتھ فن نحو سے مناسبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں چند باتوں کی وضاحت احقر مناسب سمجھتا ہے:

(۱) ترجمہ و تفسیر کا کام چونکہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا ہونے کے ساتھ جس مطلوبہ صلاحیت کا متقاضی ہے، بندہ اس سے عاری ہے، اس لئے ترجمہ و تفسیر دونوں میں سے کوئی بھی میرا کام نہیں ہے، بلکہ ترجمہ تقریباً تمام کا تمام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اسی طرح تفسیر کا اکثر حصہ بھی حضرت ہی کا ہے، اور کچھ اکابر کی دیگر تفاسیر معارف القرآن، تفسیر عثمانی وغیرہ سے ماخوذ ہے، البتہ تسہیل و ترتیب کی کوشش اپنی ہے۔

(۲) تفسیر میں نہ تو تفصیل زائد سے کام لیا گیا ہے اور نہ ایسا ہی ایجاز و اختصار ہے کہ آیات کی مراد واضح نہ ہو، بلکہ ضروری تفسیر کو میانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۳) جو ترکیب محل اشکال ہے، اس سے گریز کیا گیا ہے، اور ترجمہ کے مطابق جو ترکیب ہے اسی کو بالعموم لیا گیا ہے۔

(۴) حوالہ دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۵) محل اعراب اور غیر محل اعراب والے جملوں کی نشاندہی اس لئے کردی گئی ہے، کیونکہ جملے کی حیثیت بدلنے سے مفہوم بدل جاتا ہے، چنانچہ ظاہر ہے جملہ حالیہ کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے، اور جملہ مستانفہ اور معللہ وغیرہ کا کچھ اور۔

لیکن چونکہ ہمارے نحو کے نصاب میں یہ سب باتیں نہیں ہیں، اس لئے مقدمہ میں احقر نے ان جملوں کی اچھی طرح وضاحت کردی ہے، لیکن یہ حصہ اساتذہ اور باصلاحیت طلبہ کے لئے ہے، لہذا درس میں طلبہ کے سامنے یہ بحث نہ کی جائے، احقر کا یہی معمول رہا ہے۔

اس وضاحت کے بعد میں اپنے اکابر محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند زید مجدہم، اسی طرح رفیق محترم حضرت مولانا محمد علی صاحب بجنوری استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا بیحد ممنون ومشکور ہوں، جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر مسودہ پر نظر ڈالی اور وقیع، گراں قدر اور حوصلہ افزا تقریظات تحریر فرمائیں (فجزاهم الله خير الجزاء) اسی طرح عزیزم مولوی محمد اکرم آندھروی متعلم شعبہ افتاء اور محمد ناظر بجنوری متعلم ششم عربی دارالعلوم دیوبند کے لئے دعا گو ہوں، جنھوں نے پروف ریڈنگ اور تصحیح اغلاط میں احقر کا بھرپور تعاون کیا ہے، اور آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ کہیں فروگذاشت یا قابل اصلاح کوئی بات محسوس کریں، تو برائے کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے۔ رب کریم سے دعا ہے کہ احقر کی اس حقیر سی کاوش کو قبول فرما کر طلبہ کے لئے نافع ومفید بنائے۔ آمین

مزمل حسین غفرلہ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۶ر صفر ۱۴۲۳ھ

تقریظ

محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

الحمدلله وکفی، وسلام علی عباده الذین اصطفی، أما بعد:

مدارس اسلامیہ عربیہ کی غرض وغایت چھ علوم کی تعلیم ہے، قرآن، حدیث اور فقہ، اور تینوں کے اصول: اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ، باقی علوم: علوم آلیہ ہیں۔ مذکورہ چھ علوم ہی علوم عالیہ ہیں۔ پھر ان میں سب سے اہم قرآن کریم کی تعلیم ہے، اور اس کا آغاز ترجمۂ قرآن سے ہوتا ہے۔ عرب بچوں کو اس کی حاجت نہیں ہوتی، مگر غیر عرب بچوں کو لمبی راہ نوردی کرنی پڑتی ہے، خاص طور پر صرف ونحو کی وادیوں میں چکر لگانا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر منزل ہاتھ آتی ہے۔

جناب مولانا مزمل حسین صاحب مظفر نگری (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے لمبے تجربہ کے بعد پارۂ عم کی تفسیر لکھی ہے، میں نے مختلف جگہ سے اس کو دیکھا ہے، ماشاءاللہ طلباء کی تمام ضروریات اس "دروس القرآن" میں موجود ہیں۔ موصوف نے:
۱- ترجمہ اور تفسیر کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے لیا ہے، اور دیگر اکابر کی تفسیروں سے بھی استفادہ کیا ہے، اس لئے یہ دروس القرآن قابل اعتماد ہے۔ ۲- صرفی اور نحوی تحلیل وترکیب بھی کی ہے، جو طلبہ کے لئے خاصہ کی چیز ہے، بلکہ طلبہ کے لئے سب سے ضروری یہی چیز ہے۔ ۳- محل اعراب اور غیر محل اعراب جملوں کی وضاحت کی ہے، اور یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ جملے کی حیثیت بدلنے سے مفہوم بدل جاتا ہے۔ ۴- تفسیر میں میانہ روی سے کام لیا ہے، نہ تطویل ممل ہے نہ ایجاز مخل، بہت ہی صاف اور واضح انداز میں کلام پاک کا مدعیٰ سمجھایا ہے، جو طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے۔

اور مختصر یہ کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، جب قاری یہ دروس القرآن ملاحظہ کرے گا تو خود ہی اس کی خوبیاں واضح ہونگی، اس لئے دعا گوں کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیری خدمت کو قبول فرمائیں، اور امت کو اس سے بیش از بیش فیض یاب فرمائیں، اور مصنف زید مجدہم کو ایسی خدمات کی مزید توفیق عطا فرمائیں (آمین)

حررہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند ۵/صفر ۱۴۳۲ھ

رائے عالی

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری زید مجدہ

استاذ حدیث و سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین. اما بعد:

برادر محترم جناب مولانا عزل حسین مظفرگری زید مجدہم مدرس دارالعلوم دیوبند نے دروس القرآن کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر کا شاندار کام شروع کیا ہے۔

موصوف نے طلبہ کی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پارۂ عم کی جو تفسیر لکھی ہے اس میں متدرجہ ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے: ۱- کلمات کی لغوی تحقیق، جس کی ابتدائی طلبہ کو بہت ضرورت ہوتی ہے۔ ۲- کلمات کی صرفی تحقیق، جس سے طلبہ کی استعداد میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ ۳- جملوں کی ترکیب نحوی، اور اسی ترکیب کے مطابق ترجمہ، ظاہر ہے کہ یہ بھی طلبہ کی استعداد سازی کے لئے بے حد مفید ہے۔ ۴- پھر اس کے بعد معتبر تفاسیر کو سامنے رکھ کر آسان زبان میں تفسیر قلم بند کی ہے اور اس میں شان نزول اور دیگر فوائد کی پوری رعایت کی گئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح موصوف کی محنت اس درجہ کے طلبہ کے لئے ان شاء اللہ نہایت فائدہ مند ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا کرے، اور علماء اور طلبہ کے حلقوں میں اسے قبول عام کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

ریاست علی بجنوری غفرلہ، خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۱۷ر صفر ۱۴۳۲ھ

تاثرات

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی مدظلہ، نائب مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد:

قرآن مقدس کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **لا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہٗ** (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) کلام الٰہی کی شان یہ ہے کہ اس سے اکتاہٹ اور بے رغبتی نہیں ہو سکتی بلکہ اہل علم کی پیاس بڑھتی رہے گی۔ نیز بار بار پڑھے جانے سے اس میں پرانے پن کا اثر نہیں ہوگا اور نہ اس کے عجیب علوم کبھی ختم ہوں گے، حدیث شریف میں قرآن پاک کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا کہ اس میں اولین وآخرین کے علوم ہیں۔

الغرض ہزار ہا ہزار حقائق ودقائق قرآن مجید کی تہوں میں پوشیدہ ہیں، مگر ان اسرار کا جاننا قرآن فہمی پر موقوف ہے جس کے لئے بقول محققین بنیادی طور پر نحو وصرف ایسے چندہ علوم کی ضروریات ہوتی ہے، ان تفسیری علوم پر دسترس کے بعد ہی قرآن پاک کو صحیح معنی میں سمجھا جاسکتا ہے پھر یہ کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور قرآن وسنت کی تعلیم کا یہی بنیادی مقصد ہے۔ ہمارے اکابر نے اپنی

دورس نظاموں سے تاڑ کر نہایت مناسب نصاب تیار کیا اور سال سوم عربی ہی سے قرآن پاک کے کچھ حصے کا ترجمہ (از سورۂ ق تا آخر) نصاب میں رکھا۔ قرآن پاک کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کے تعلق سے علمائے کرام نے بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں، درس نظامی کے حوالے سے بھی اس پر بہت کام ہوا ہے مگر درسیات کے تعلق سے طلبہ کے لئے قرآن پاک کی تشریح وتفسیر قدرے نازک، مشکل اور تحقیق طلب ہے کیونکہ اس میں مختلف الاذہان طلبہ کی رعایت مدنظر ہوتی ہے، جس کے لئے مفسر میں کمال استعداد اور مہارت علم کے ساتھ تجربہ بھی درکار ہے۔ چنانچہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق علمائے اسلام نے درسی تفسیریں لکھیں، اسی سلسلہ کی سنہری کڑی جناب مولانا مزمل حسین صاحب حفظہ اللہ استاذ دارالعلوم دیوبند کی دروس القرآن (پارہ عم) منظر عام پر آرہی ہے، نہایت سلیقہ اور پوری کاوش کے ساتھ یہ کتاب تیار کی جس میں قرآنی کلمات کی ضروری لغوی وصرفی تحقیق، ترکیب نحوی، ربط آیات اور مختصر انداز میں اس کی تفسیر کی گئی ہے، نیز آیات کا شان نزول بھی درج ہے جو ہر مبتدی طالب علم کے لئے نہایت ہی مناسب ہے، ساتھ ساتھ ایک اہم مقدمہ بھی ہم رشتۂ کتاب ہے جس میں وقیع تحقیقات اور بعض اہم جملوں کی وضاحت پیش کی گئی ہے جو معلمین اور باصلاحیت متعلمین کے لئے خاصے فائدے کی چیز ہے۔

فاضل مؤلف ایک کامیاب مدرس اور طلبہ میں مقبول ہیں، تقریباً دس سال سے ترجمہ کلام پاک ان سے متعلق ہے، اسی تدریسی تجربے کی روشنی میں یہ کتاب تحقیق کے ساتھ ترتیب دی۔ تشریحات کے ضمن میں جو قیمتی باتیں مذکور ہیں وہ بھی باحوالہ ہیں۔ انشاء اللہ یہ کتاب طلبہ کی استعداد سازی میں نہایت مفید ثابت ہوگی اور ان کے ذوقِ تحقیق کو مہمیز دے گی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس علمی خدمت کو قبول فرمائے اور مزید اس طرح کی خدمات کی توفیق بخشے، نیز طالبانِ علوم نبوت کو اس سے خوب خوب فیضیاب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

خیر خواہ: عبدالخالق سنبھلی

خادم دارالعلوم دیوبند ۸؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

رائے گرامی

حضرت مولانا محمد علی صاحب بجنوری زیدت عنایتہم، استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

حامداً ومصلیاً: اما بعد:

دروس القرآن: رفیق محترم حضرت مولانا مزمل حسین صاحب مدظلہ مدرس دارالعلوم دیوبند کی قابلِ قدر کاوش ہے، ترجمہ، تفسیر، کلمات کی لغوی، صرفی تحقیق، نحوی تراکیب اور گراں قدر علمی تحقیقات پر مشتمل، حوالجات سے آراستہ اور مزین اردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے، کتاب کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے اس کی تالیف وترتیب میں انتھک محنت اور والہانہ مخلصانہ سعی فرمائی ہے اس لئے کتاب لائقِ توجہ ہے بلاشبہ کتاب دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اساتذہ وطلبہ سب کے لئے مفید، ایک مستند اور تحقیقی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو نافع بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز کر اس کی افادیت کو عام وتام فرمائے۔

آمین یارب العالمین

محمد علی قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند

۲۲؍صفر ۱۴۳۲ھ

مقدمہ

قرآن کریم کے نام: قرآن کریم کے کل پانچ نام ہیں:- القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب اور التنزیل۔ اور ان ناموں میں زیادہ مشہور نام ''قرآن'' ہے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم اکسٹھ (۶۱) مقامات پر اپنے کلام کو اس نام سے یاد کیا ہے۔ (۱)

اور یہ لفظ اصلاً مصدر ہے قَرَءَ یَقْرَءُ کا غُفْرَانٌ کی طرح بمعنی پڑھنا، اور یہاں اسم مفعول (مَقْرُوْءٌ) یعنی پڑھے جانے والی کے معنی میں ہے۔ یہ کتاب چونکہ بہت بلکہ سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کو قرآن کہا جاتا ہے۔ (۲)

قرآن کی اصلاحی تعریف: اَلْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُوْلِ الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلُ اِلَيْنَا نَقْلاً مُتَوَاتِراً بِلَا شُبْهَةٍ. (۳) اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ یعنی محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ مصاحف میں لکھا گیا اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔

لفظ سورہ کی تحقیق: اس لفظ کو ہمزہ کے ساتھ (سؤرۃ) اور بغیر ہمزہ کے (سورۃ) دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، ہمزہ کی صورت میں یہ اَسْأَرْتُ (میں نے بچایا) سے ماخوذ ہوگا۔ اور اَسْأَرْتُ ''سُؤْرٌ'' (بمعنی پینے کے بعد برتن میں بچی ہوئی پینے کی چیز) سے ماخوذ ہے۔ جیسے بچائی ہوئی چیز اس کا حصہ ہوتا ہے جس سے اس کو بچایا گیا ہے۔ اسی طرح سورت بھی قرآن کریم کا حصہ ہے، اس لئے اس کو سورت کہا جاتا ہے۔ غیر مہموز کی صورت میں بعض حضرات تو پہلے ہی معنی سے ماخوذ مانتے ہیں اور اس کو تسہیل کے باب سے مانتے ہیں، یعنی ہمزۂ ساکنہ کو ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔ مُؤمِنٌ وغیرہ کی طرح۔ اور بعض حضرات سور المدینۃ (شہر کی چہار دیواری یعنی شہر پناہ) سے ماخوذ مانتے ہیں۔ اور مناسبت یہ ہے کہ جیسے یہ دیوار شہر کے گھروں کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے، اسی طرح سورت آیات کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔

سورہ کی اصطلاحی تعریف: قُرْآنٌ يَشْتَمِلُ عَلَى آيٍ ذِيْ فَاتِحَةٍ وَخَاتِمَةٍ وَأَقَلُّهَا ثَلَاثٌ. قرآن کریم کا وہ حصہ جو کم از کم ایسی تین آیات پر مشتمل ہو جن کی ابتدا اور انتہاء ہو۔ (۴)

لفظ آیت کی تحقیق وتعریف: احقر کی کتاب ''لغات القرآن وصرفہ'' میں سورۂ نبأ آیت ''وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) از علوم القرآن (مولانا تقی عثمانی) ص:۳۳۔ (۲) الاتقان للسیوطی ص:۶۷ وروح المعانی ۱/۱۹ (خطبة المفسر) اس سلسلہ میں مزید چار قول اور ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے الاتقان للسیوطی ۱/۶۷ (۳) نور الانوار ص:۹۔ (۴) من الاتقان مختصراً ۱/۷۹۔

مکی اور مدنی آیت: مشہور اور اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ مکی آیت وہ آیت ہے، جو سفرِ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہو، اور مدنی آیت: وہ آیت ہے جو سفرِ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہو، خواہ مدینہ میں نازل ہوئی ہو یا کسی سفر میں، یا فتح مکہ کے سال مکہ میں نازل ہوئی ہو۔ (۱) چنانچہ آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ مدنی ہے، حالانکہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں نازل ہوئی۔ (۲)

وحی کے لغوی و اصطلاحی معنی: قرآنِ کریم کا نزول چونکہ بذریعہ وحی ہوا ہے، اس لئے وحی کا مفہوم معلوم ہونا ضروری ہے۔ وحی اور ایحاء کے لغوی معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کرنا قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ (مریم) پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انھیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو۔ اور چونکہ اس اشارے سے مقصود مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے یہ لفظ دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا﴾ (اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں اپنا گھر بنالے)

اصطلاحی تعریف: "كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلَىٰ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ" اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل کیا گیا ہو۔ (علوم القرآن ص: ۴۸)

نسخ کی حقیقت: "نسخ" کے لغوی معنی ہیں: مٹانا، زائل کرنا، کہا جاتا ہے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ سورج نے سایہ کو زائل کر دیا، اور اصطلاحی معنی ہیں: "رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ" کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مرتبہ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتے ہیں، پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرماتے ہیں، اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے (مذکورہ ص: ۱۵۹)

سببِ نزول یا شانِ نزول: قرآنِ کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا، دوسری آیات وہ ہیں، کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا ہے، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے۔ پس یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں "سببِ نزول" یا "شانِ نزول" کہلاتا ہے۔ (علوم القرآن ص: ۷۲)

بعض ضروری نحوی باتیں

محلِ اعراب اور غیر محلِ اعراب والے جملوں کا بیان۔ جملہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ جملہ جس کے لئے کوئی محلِ اعراب نہیں ہے (۲) وہ جملہ جس کے لئے کوئی محلِ اعراب ہے "محلِ اعراب" میں

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن ۱/ ۱۱و۱۲۔ (۲) علوم القرآن ص: ۶۰۔

"اعراب" سے پہلے "ذی" مضاف پوشیدہ ہے، تقدیری عبارت "محل ذی اعراب ہے" جس کا ترجمہ ہے اعراب والے کا محل اور اعراب والا چونکہ مفرد پر ہوتا ہے۔ لہذا محل اعراب والے جملہ سے مراد ایسا جملہ ہے کہ اس کی جگہ اگر کوئی مفرد رکھ دیا جائے تو وہ مرفوع، یا منصوب، یا مجرور ہو جائے اور مضارع رکھ دیا جائے تو مجزوم ہو جائے، مثلاً "جاء زيدٌ وهو راكبٌ" میں جملہ "هو راكبٌ" حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس لئے کہ اس کی جگہ اگر "راكبٌ" اسم مفرد کو رکھ دیا جائے تو منصوب ہوگا، چنانچہ کہا جائے گا جاء زيد راكبا۔ اور جیسے ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾ یہاں جملہ "هُمْ يقنطون" محل جزم میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی جگہ اگر فعل مضارع ہوتا اور عبارت اس طرح ہوتی "إِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ يَقْنَطُوا" تو فعل مضارع مجزوم ہوتا۔ (۱)

وہ جملے جن کے لئے محل اعراب نہیں ہے سات ہیں:-

(۱) جملہ مستانفہ: اور اس کا اطلاق نحویوں کے یہاں دو جملوں پر ہوتا ہے (الف) وہ جملہ جس سے کلام کا آغاز ہو، مثلاً ابتداءً کہا جائے "زيدٌ قائمٌ" اس کو جملہ ابتدائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن مستانفہ کہنا زیادہ واضح تعبیر ہے، اس لئے کہ جملہ ابتدائیہ کا اطلاق کبھی اس جملہ پر بھی ہوتا ہے جس کے شروع میں مبتدا ہو گرچہ اس کے لئے محل اعراب بھی ہو۔ (۲)

(ب) وہ جملہ جس کا ماقبل سے انقطاع ہو (یعنی ترکیبی تعلق نہ ہو) جیسے "مَاتَ فُلَانٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ" میں جملہ "رحمه الله" اور ارشاد باری ﴿قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ﴾ (۳) میں جملہ "إنا مكّنا......" مستانفہ ہے۔ یہ تعریف وتفصیل جملہ مستانفہ کی نحویوں کے یہاں ہے۔ اور اہل بیان جملہ مستانفہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: "ما كان جواباً لسؤال مقدر" یعنی جو سوال مقدر کا جواب ہو، مثلاً قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ . إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ﴾ (۴) اس آیت میں "قال سلام" جملہ مستانفہ ہے جو اس سوال مقدر کے جواب میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے معزز مہمانوں سے کیا کہا؟

اور نحاۃ کے یہاں استیناف کے لئے سوال مقدر کے جواب میں ہونا ضروری نہیں ہے، لہذا ان کے یہاں استیناف اہل بیان کے استیناف سے عام ہے۔ (۵)

دوسرا جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے جملہ معترضہ ہے، اور جملہ معترضہ وہ جملہ ہے جس کو ایک کلام کے

---

(۱) از حاشیہ مختصر المعانی ص: ۳۲۴۔ (۲) مغنی اللبیب ۲/۳۸۳۔ (۳) ترجمہ: آپ کہئے میں ابھی تمہارے سامنے ان کا کچھ تذکرہ کرتا ہوں، بلاشبہ ہم نے ان کو زمین میں قوت (حکومت) دی تھی۔ (۴) ترجمہ: کیا آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کے قصہ کی اطلاع پہونچی ہے جبکہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا سلام، ابراہیم نے کہا سلام، انجانے لوگ ہیں۔ (۵) الاستئناف قسمان: بیاني ونحوي: أما البياني فهو ما كان جواباً لسؤال مقدر. وأما النحاة فقالوا: هي المقتطعة عما قبلها سواء كان جوابا لسؤالٍ مقدر أم لا، فالاستئناف عندهم أعم. (اعراب القرآن ۶/۳۷۱ (صافات) ومغنی اللبیب ۲/۳۸۳)

اجزاء یا معنی متصل (۱) دو کلام کے درمیان کسی نکتہ (غرض) کے لئے لایا گیا ہو (۲)۔

اس تعریف کی رو سے جملہ معترضہ کی دو شکلیں ہوئیں:

۱- کلام کے اجزاء کے درمیان ہو۔ ۲- ایسے دو کلموں کے درمیان ہو جو معنی متصل ہوں۔ پہلی شکل کی متعدد صورتیں ہیں:-

(۱) "إِنَّ" کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان ہو، جیسے:

إِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَبُلِّغْتَهَا ● قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِيْ إِلَى تَرْجُمَانٍ (۳)

میں "بُلِّغْتَهَا" جملہ معترضہ ہے جو دعا کی غرض سے لایا گیا ہے۔

(۲) مبتدا اور خبر کے درمیان ہو، جیسے "زَيْدٌ وَاللّٰهِ قَائِمٌ" اس میں جملہ قسمیہ (واللہ) معترضہ ہے، مبتدا اور خبر کے درمیان۔

(۳) مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ہو، جیسے "هٰذَا غُلَامُ وَاللّٰهِ زَيْدٍ" (یعنی یہ زید کا غلام ہے) میں جملہ قسمیہ (واللہ) مضاف (غلام) اور مضاف الیہ (زید) کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

(۴) شرط اور اس کے جواب کے درمیان ہو، جیسے "وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ" (۴) جملہ "اللہ اعلم" جملہ معترضہ ہے، جو شرط (بدلنا ......) اور جواب (قالوا ......) کے درمیان لایا گیا ہے، اس کی اور بھی متعدد شکلیں ہیں جن کی تفصیل "مغنی اللبیب" میں ہے۔ دوسری شکل کہ جملہ معترضہ معنی متصل دو کلاموں کے درمیان ہو۔ اس کی مثال یہ ہے: "فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ، نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" (۵) اس آیت میں ایک کلام تو "فاتوھن ......" ہے اور دوسرا کلام "نساء کم ......" ہے اور یہ دونوں کلام معنی متصل ہے۔ اس لئے کہ ثانی اول کا بیان ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان جملہ "إِنَّ اللّٰهَ یحب التوابین الخ" معترضہ ہے جو مامور بہ کی ترغیب اور منہی عنہ سے نفرت دلانے کے لئے لایا گیا ہے۔

تیسرا جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے جملہ مفسرہ ہے جس کو جملہ مبینہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ ایسا جملہ ہے جو فضلہ ہو (۶) اور اپنے سے پہلے مجمل کلام کی حقیقت (مراد) کی تفسیر و وضاحت کر رہا ہو، جیسے ارشاد باری ہے: ﴿وَأَسَرُّوا

---

(۱) معنی متصل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا کلام اول کی تاکید یا اس کا بدل، یا اس کا بیان ہو یا اس پر معطوف ہو (مختصر المعانی مع الحاشیہ ص: ۲۹۸)

(۲) دروس البلاغہ ص: ۷۳ و مختصر المعانی ص: ۲۹۸۔ (۳) ترجمہ: بلاشبہ اسی سال کی عمر نے اور اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اس عمر تک پہونچائے، میرے کانوں کو ترجمان کا محتاج بنا دیا ہے۔ (۴) ترجمہ: اور جب ہم کسی آیت کی جگہ بدلہ میں دوسری آیت کو لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے جو نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ بلاشبہ آپ تو گھڑنے والے ہیں۔ (۵) ترجمہ: تو تم ان کے (اپنی بیویوں کے) پاس اس جگہ سے آؤ جس جگہ سے آنے کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے والوں سے تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں۔ (۶) اس قید سے اس جملہ کو نکالنا مقصود ہے جو ضمیر شان کی تفسیر کر رہا ہو، جیسے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" میں جملہ "اللہ احد" "ھو" ضمیر شان کی تفسیر کر رہا ہے اس لئے کہ "ھو" کی مراد اس کے بغیر واضح نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ جملہ مفسرہ فضلہ نہیں ہے، اس جملہ کے لئے بالاجماع محل اعراب ہے، چنانچہ مذکورہ آیت میں "ھو" ضمیر کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے (مغنی اللبیب ۲/۲۰ و فیہ تفصیل زائد)

النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اس آیت میں جملہ "هل هذا الخ" "النجوى" کی تفسیر کررہا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

جملہ مفسرہ کی تین قسمیں:- (۱) حرف تفسیر سے خالی ہو جیسے مذکورہ بالا مثال۔ (۲) "أی" حرف تفسیر سے ملا ہوا ہو، جیسے شاعر کا قول:

وَتَرْمِيْنَنِيْ بِالطَّرْفِ أَيْ أَنْتَ مُذْنِبٌ ۞ وَتَقْلِيْنَنِيْ لٰكِنَّ إِيَّاكَ لَا أَقْلِيْ (۱)

(۳) "أَنْ" حرف تفسیر سے ملا ہوا ہو۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ (۲)

چوتھا جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے وہ جملہ ہے جو قسم کا جواب ہو۔ جیسے: ﴿وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ میں جملہ: "إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ"۔

پانچواں جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے وہ جملہ ہے جو ادات شرط غیر جازم کا جواب ہو، جیسے لولا، لمّا اور کیف کہ جواب یا ادات جازم کا جواب ہو اور جواب پر "فا" اور "إذا" مفاجاتیہ نہ ہو جیسے: "إِنْ تَقُمْ أَقُمْ" اور "إِنْ قُمْتَ قُمْتُ" پہلی مثال میں "اقم" اور دوسری مثال میں "قُمْتُ" گرچہ مجزوم ہیں اولاً لفظاً اور دوسرا محلاً لیکن جملہ (یعنی فعل وفاعل کے مجموعہ) کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

چھٹا جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے وہ جملہ ہے جو "موصول اسمی" یعنی اسم موصول یا موصول حرفی کا جواب ہو (۳)۔ پہلے کی مثال "جَاءَ الَّذِيْ أَبُوْهُ عَالِمٌ" میں "أبوه عالم" ہے اور دوسرے کی مثال "أَعْجَبَنِيْ أَنْ قُمْتَ" یا "اعجبنی ما قُمْتَ" میں "قُمْتَ" ہے جو "أَنْ" یا "ما" موصول حرفی کا صلہ ہے۔

ساتواں جملہ جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے وہ جملہ ہے جو ایسے جملہ کا تابع ہو جس کے لئے محل اعراب نہیں ہے، جیسے "قَامَ زَيْدٌ وَلَمْ يَقُمْ عَمْرٌو" میں جملہ "لم يقم عمرو" اس لئے کہ اس کا قام زید پر عطف ہے جس کے لئے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے، لیکن واؤ کو اگر عاطفہ مانا جائے بلکہ حالیہ مانا جائے تو پھر یہ جملہ محل نصب میں ہوگا اور اس کی مثال نہیں ہوگا۔ (۴)

محل اعراب والے جملے: ایسے جملے دس ہیں (۵):-

(۱) وہ جملہ جو مبتدا یا حرف مشبہ بالفعل میں سے کسی کی یا لائے نفی جنس کی خبر ہو، تو محل رفع میں ہوگا۔ جیسے زَيْدٌ أَبُوْهُ

---

(۱) تم آنکھوں سے میرے اوپر الزام لگاتی ہو کہ تم گناہ گار ہو اور مجھ سے نفرت کرتی ہو، لیکن میں تم سے نفرت نہیں کرتا ہوں۔ (۲) ہم نے ان کو وحی بھیجی یہ کہ تم کشتی بناؤ۔ (۳) موصول حرفی: وہ حرف جو اپنے مدخول کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، جیسے ان، ما وغیرہ۔ (۴) ماخوذ از مغنی اللبیب ۲/۳۸۲ تا ۴۱۰ و تنقیح ابوسعید خانی ص: ۳۰ و ۳۱۔ (۵) مغنی اللبیب میں نمبر وار گرچہ نو بیان کئے ہیں، لیکن عبارت کا تجزیہ کرنے کے بعد دس جملے نکلتے ہیں۔ اس لئے کہ نمبر ۳ والی شکل "ابن ہشام" نے استثناء کی شکل میں بیان کی ہے مستقل نمبر اس کو نہیں دیا ہے۔

قائمٌ میں جملہ "ابوہ قائم" زید، مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اور "لَارَجُلَ اَبُوْهُ عَالِمٌ" میں جملہ "ابوہ عالم" لائے نفی جنس کی خبر کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اور افعال ناقصہ "ما، و لا" مشابہ بلیس یا باب "کَادَ" میں سے کسی کی خبر ہو تو محل نصب میں ہوگا۔ جیسے "ما کادوا یفعلون" میں جملہ "یفعلون" "کاد" کی خبر کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

مذکورہ مثالوں کی روشنی میں باقی کی مثالیں آسانی سے بنائی جاسکتی ہیں۔

(۲) وہ جملہ حال ہو، یہ محل نصب میں ہوگا۔ جیسے: ﴿لَاتَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ میں جملہ "انتم سکارٰی" "لاتقربوا" کی ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

(۳) وہ جملہ "قول" مادہ سے مشتق فعل مجہول کا نائب فاعل ہو یہ محل رفع میں ہوگا۔ جیسے ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ میں جملہ "ھذا الذی کنتم" یقال "فعل مجہول کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

(۴) وہ جملہ مفعول بہ ہو، یہ محل نصب میں ہوگا، اس کی تین شکلیں ہیں:- (۱) قول یا اس کے ہم معنی فعل کے ذریعہ اس جملے کی حکایت ہو۔ اول کی مثال "قال انی عبد اللہ" ہے، اس میں جملہ "انی عبد اللہ" "قال کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور دوسرے کی دو قسمیں ہیں:

(الف) اس کے ساتھ حرف تفسیر ہو، ایسے جملے کے لئے بالاجماع محل اعراب نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نفس فعل کی تفسیر کرتا ہے، مفعول بہ کی نہیں۔ جیسے: "وَتَرْمِيْنَنِىْ بِالطَّرْفِ اَىْ اَنْتَ مُذْنِبٌ"[1] میں جملہ: "انت مذنب" اور "کتبتُ الیہ ان افعَلْ" میں جملہ "اِفْعَلْ"[2] قول کے ہم معنی فعل کا مفعول بہ ہے، اور حرف تفسیر سے ملا ہوا ہے، لہٰذا ان دونوں کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

(ب) حرف تفسیر سے خالی ہو اس کے لئے محل اعراب ہوگا۔[3] جیسے ارشاد باری ﴿وَوَصّٰى بِهَا اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ﴾[4] میں جملہ "یابنی ان اللہ" قول کے ہم معنی فعل "وصّٰی" کا مفعول بہ ہے۔ اور حرف تفسیر سے خالی ہے لہٰذا یہ مذکورہ فعل کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

دوسری شکل جس میں جملہ مفعول بہ واقع ہوتا ہے: وہ یہ ہے کہ جملہ باب عَلِمْتُ کا مفعول بہ ثانی یا باب اَعلمتُ[5] کا مفعول ثالث واقع ہو اول کی مثال جیسے "عَلِمْتُ زَيْدًا انه قائمٌ" اور دوسرے کی مثال جیسے: "اَعْلَمْتُ زَيْدًا بَكْرًا اَنَّهٗ فاضلٌ"۔

---

(۱) ماقبل میں پورا شعر مع ترجمہ کے آچکا ہے (۲) مثال اس وقت ہوگی جب کہ "اَنْ" سے پہلے "با" حرف جر مقدر نہ ہو۔ (۳) ماقبل میں جن جملوں کے لئے محل اعراب نہیں ہے ان میں بھی جملہ مفسرہ کا بیان آیا ہے، اور یہاں بھی۔ لہٰذا ماقبل میں جملہ مفسرہ سے وہ جملہ مراد ہے جو مفعول بہ نہ ہو۔ (۴) ترجمہ: اور ابراہیم اور یعقوبؑ نے اس کلمہ کی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو منتخب کیا ہے۔ (۵) باب علمتُ سے مراد وہ فعل متعدی بدو مفعول ہے جس کے ایک مفعول پر اکتفاء جائز نہ ہو اور باب اعلمتُ سے فعل متعدی بسہ مفعول مراد ہے۔

تیسری شکل جس میں جملہ مفعول بہ واقع ہوتا ہے۔ باب ''تعلیق'' ہے(۱) جیسے ''عَرَفْتُ مَنْ اَبُوْكَ'' ''يَسْأَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ'' اور ''وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى'' پہلی مثال میں جملہ من ابوك ''عرفت'' کا اور دوسری مثال میں جملہ ایان یوم الدین ''یسالون'' کا مفعول بہ اور تیسری مثال میں جملہ ''ایّنا اشد الخ'' لتعلمن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

پانچواں جملہ جس کے لئے محل اعراب ہے وہ جملہ ہے جو مضاف الیہ ہو، یہ محلاً مجرور ہوگا۔ جیسے: ''وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ'' میں جملہ ''ولدت'' یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔

چھٹا وہ جملہ ہے جو کسی مفرد کی صفت یا اس سے بدل ہو، یا اس کا معطوف بحرف ہو۔ متبوع کا جو اعراب ہوگا یہ جملہ اسی محل میں ہوگا، مثلاً ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ'' میں جملہ ''ترجعون'' یوما کی صفت کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اور ''مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ'' میں جملہ ''ان ربك لذو مغفرة ...... ''ما قد قیل الخ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے(۲)۔ اس لئے کہ ''ما قد قیل'' موصول صلہ سے مل کر ''یقال'' کا نائب فاعل ہے، اور جیسے: ''زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ وَّاَبُوْهُ ذَاهِبٌ'' میں جملہ ''ابوه ذاهبٌ'' کا ''منطلق'' مفرد پر عطف ہے۔ اور اگر جملہ کا جملے پر عطف کیا جائے تو اس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ اسی طرح واؤ کو حالیہ مانا جائے تب بھی اس کی مثال نہیں ہوگا۔

ساتواں جملہ جس کے لئے محل اعراب ہے وہ جملہ ہے جس کا عطف ایسے جملے پر ہو جس کے لئے محل اعراب ہے، یا اس سے بدل ہو اور بدل مبدل منہ کے مقابلے میں معنیٰ کو زیادہ اچھی طرح ادا کر دیتا ہو۔ پہلے کی مثال ''زَيْدٌ اَبُوْهُ قَائِمٌ وَّقَعَدَ اَخُوْهُ'' ہے۔ اس میں جملہ ''قَعَدَ اخوه'' کا جملہ ''قام ابوه'' پر عطف ہے، جو زید کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اور دوسرے کی مثال یہ شعر ہے:

اَقُوْلُ لَهٗ اِرْحَلْ لَا تُقِيْمَنَّ عِنْدَنَا ۞ وَاِلَّا فَكُنْ فِي السِّرِّ وَالْجَهْرِ مُسْلِمًا(۳)

اس شعر میں ''لا تقیمن'' جملہ ''ارحل'' سے بدل ہے جو ''اقول'' کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اور ''ارحل'' کے مقابلے میں اس کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

آٹھواں جملہ جس کے لئے محل اعراب ہے وہ جملہ ہے جو ادات شرط جازم کا جواب ہو اور جواب پر ''فا'' یا ''إذا'' مفاجاتیہ داخل ہو یہ جملہ محل جزم میں ہوگا۔ جیسے ''مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ'' اور ''اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

---

(۱) باب تعلیق سے مراد یہ ہے کہ استفہام وغیرہ کی وجہ سے افعال قلوب کا لفظاً عمل باطل ہو جائے۔ جس کی تفصیل ہدایۃ النحو، کافیہ وغیرہ میں ہے۔ (۲) حضرت تھانوی نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس کی روشنی میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا، اور اس کی مثال نہیں ہوگا۔ (۳) میں اس سے کہوں گا روانہ ہو جاؤ (لمبے پڑو) تم ہمارے پاس ہرگز قیام نہیں کر سکتے ورنہ تو ظاہر و باطن (دونوں حالتوں میں) مطیع و فرمانبردار ہو جاؤ۔

اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ" پہلی آیت میں جملہ "لاهادي له" اور دوسری آیت میں جملہ "هم يقنطون" محل جزم میں ہے۔

نواں جملہ جس کے لئے محل اعراب ہے وہ جملہ ہے جو مستثنیٰ ہو، جیسے: "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ، فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ" اس آیت میں "من تولی" موصول صلہ سے مل کر مبتدا اور جملہ "يعذبه" خبر ہے اور جملہ "من تَوَلّٰى" مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

دسواں جملہ جس کے لئے محل اعراب ہے وہ جملہ ہے جو مسند الیہ ہو، یہ محل رفع میں ہوگا۔ جیسے: "سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ" اس آیت میں "سواء عليهم" خبر مقدم اور جملہ "ءأنذرتهم، أم لم تنذرهم" "إنذارك وعدم إنذارك" کی تاویل میں ہو کر مبتدا مؤخر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔(۱)

فائدہ:- (۱) عام طور پر محل اعراب والے جملوں میں آخری دو کا نحویوں نے تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن ابن ہشام نے ان دو کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) جملہ فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ ہو سکتا ہے، جیسے "تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ" میں جملہ "كيف فعلنا"...... (تبين) کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اس وقت مذکورہ جملوں کی تعداد گیارہ ہو جائے گی۔ لیکن اکثر حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، اور صرف قول سے مشتق فعل مجہول کا نائب فاعل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں(۲)۔ جیسا کہ ماقبل میں آچکا ہے۔

لام ابتدا اور لام مزحلقہ

لام ابتداء وہ لام غیر عاملہ ہے، جو جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی صورت میں مضمون جملہ کی تاکید کرتا ہے اور فعل مضارع پر داخل ہونے کی صورت میں اس کو حال کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اس کے دخول کی شکلیں:-

(۱) مبتدا خبر کی صورت میں جملہ اسمیہ ہے تو مبتدا پر داخل ہوتا ہے، جیسے: "لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً"۔

(۲) إنّ کے بعد دوسرے جزء پر داخل ہوتا ہے اس لیے کہ پہلے جزء پر داخل ہونے کی صورت میں دو مؤکدوں سے کلام کی ابتداء لازم آتی ہے جو کہ ناپسندیدہ ہے۔ جیسے: "إِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاءِ" "إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"(۳) اور "إِنَّ فِي الدَّارِ لَزَيْدًا" ایسی صورت میں اس کا نام "لام مزحلقہ" بھی ہوتا ہے۔ زَحْلَقَ زَحْلَقَةً (رباعی مجرد) کے معنی ہے: پھسلانا، لڑھکانا، اس سے "مُزَحْلَقَةٌ" اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ بمعنی لڑھکایا ہوا، کیوں کہ اس لام کو شروع سے لڑھکا کر آخر میں پہونچا دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو لام مزحلقہ کہا جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) ماخوذ از مغنی اللبیب وابن ہشام ۲/ ۴۱۰ تا ۴۲۷۔ وتحقیق ابو سعید خانی ص: ۳۰ و ۳۱۔ (۲) مغنی اللبیب ۲/ ۴۲۳ (۳) مغنی اللبیب ۱/ ۲۲۸۔

(۴) مغنی اللبیب ۱/ ۲۲۸۔

ضَرَبْتُ اور ضَرَبْتُہٗ جیسے صیغوں میں ضمیر بارز کی تعبیر کا طریقہ:

ضربتُ میں فاعل کی ضمیر مرفوع متصل اور "ضَرَبْتُہٗ" جیسے صیغوں میں ضمیر کی تعبیر کے دو طریقے ہیں:-

۱- ان ضمیروں کی تعبیر اسم عام سے کی جائے، مثلاً "ضَرَبْتُ" کی ترکیب کے وقت کہا جائے "تا" فاعل، یا ضمیر فاعل اور "غلامُہٗ" میں "ہا" مضاف الیہ، یا ضمیر مضاف الیہ۔

۲- اسم مخصوص سے تعبیر کیا جائے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ان ضمیروں پر جو حرکت ہے، اس کے مناسب حرف مضاعف اس کے آخر میں لگا دیا جائے، مثلاً کہیں گے ضربتُ میں تُوْ فاعل، اور ضَرَبْتِ میں تِیْ فاعل اور غلامُہٗ میں ہُوْ مضاف الیہ اور "بِہٖ" میں ہِیْ ضمیر مجرور۔

لہٰذا ضربتُ کی فاعل ضمیر کو تُ سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صاحب فوائد شافیہ لحل اعراب الکافیہ، اور ابن ہشام نے اس کو خطأً فاحش اور جاہلوں کی تعبیر بتلایا ہے، کیونکہ قاعدہ ہے حرف واحد جب کسی کا اسم ہو، اور وہ کلمہ کا جزء نہ ہو تو اس کی حرکت کے مناسب مضاعف (ڈبل) حرف شامل کر کے اس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ (از فوائد شافیہ لزینی زادہ: ۲۳۰، و مغنی اللبیب ۲/۲۶۴)

بعض ضروری صرفی باتیں

۱- اسم مصدر: هُوَ مَا سَوَى الْمَصْدَرَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنَاهُ وَخَالَفَهُ بِخُلُوِّهِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا مِنْ بَعْضِ مَا فِي فِعْلِهِ دُوْنَ تَعْوِيْضٍ۔ (۱)

اسم مصدر: وہ اسم ہے، جو مصدر کی طرح معنی مصدری پر دلالت کرتا ہو، اور اس میں جو فعل عامل ہے (۲)، اس کے کچھ حروف سے لفظاً اور تقدیراً اس طرح خالی ہو کہ اس حرف کے عوض میں اس میں کوئی حرف نہ ہو۔ مثلاً: "أَعْطَيْتُهُ عَطَاءً" میں "عطاء" کے معنی "إعطاءً" کی طرح دینا ہے۔ اور یہ فعل "اعطی" کے شروع میں جو ہمزہ ہے، اس سے اس طرح خالی ہے کہ اس کا کوئی عوض بھی اس میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ "إعطاء" مصدر کا اسم ہوا۔ اسی طرح "عَاوَنْتُهُ عَوْنَ الشَّفِيْقِ" (میں نے مشفق آدمی کی طرح اس کی مدد کی) میں عون، اور "تَوَضَّأَ وُضُوْءً" میں وضوءً اور "سَلَّمَ سَلَامًا" میں سلامًا اسم مصدر ہیں۔ واضح ہو کہ اسم مصدر کو اسم بمعنی المصدر، اسم للمصدر اور اسم للمعنی الحاصل بالمصدر بھی کہا جاتا ہے۔ (۳)

اس تعریف کی رو سے معلوم ہوا کہ مصدر کے لئے معنی مصدری پر دلالت کرنے کے ساتھ اپنے فعل کے سارے حروف پر لفظاً یا تقدیراً مشتمل ہونا ضروری ہے، اور اسم مصدر کا دونوں طرح اپنے فعل کے کچھ حروف سے خالی ہونا ضروری ہے۔ اور لفظاً مشتمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے سارے حروف کا تلفظ کیا جائے۔ اور تقدیراً مشتمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی حرف کو کثرت استعمال کے سبب بغرض تخفیف حذف کر دیا گیا ہو، اور وہ حرف بعض استعمال میں ظاہر بھی ہوتا ہے، جیسے "قَاتَلَ قِتَالًا"

---

(۱) شرح ابن عقیل: ۱/۳۶۴ (بیروت) (۲) یعنی، وہ فعل جس کا یہ مفعول مطلق ہے۔ (۳) المعجم المفصل فی الصرف ۱/۱۳۰۔

میں فِعال، اور "جَادَلَ جِدَالًا" میں جدال، جو اصل میں فیعال اور جیدال تھے۔ (۱) کثرت استعمال کے سبب "یا" کو حذف کر دیا گیا، اور بعض لغات میں یہ "یا" ظاہر بھی ہوتی ہے لہٰذا ان مثالوں میں "یا" تقدیراً موجود ہے اس لئے یہ سب مصادر ہیں۔

فوائد قیود: "لفظاً خالی ہو" کی قید سے "ضَرَبَ ضَرْبًا" میں ضربًا، اور "اِجْتَنَبَ اِجْتِنَابًا" میں اجتنابًا وغیرہ وہ سب مصادر خارج ہو گئے، جو اپنے فعل کے سارے حروف پر مشتمل ہیں۔ اس لئے یہ سب مصدر ہیں۔ اور "تقدیراً خالی ہو" کی قید سے "فِعال" کے وزن پر "فَاعَلَ" کا مصدر خارج ہو گیا، جیسے قِتال، جِدال وغیرہ، جس کی تفصیل ماقبل میں آ چکی ہے۔ اور تیسری قید کہ "محذوف حرف کا کوئی عوض اس میں نہ ہو" اس سے "سَلَّمَ" کا مصدر تسلیم، اور "وَعَدَ" کا مصدر عِدَةٌ خارج ہو گیا۔ اس لئے کہ عدۃ کی "تا" واؤ محذوف کے عوض میں اور تسلیم کی "تا" "سَلَّم" کے لامِ ثانی کے عوض میں ہے۔

تنبیہ: ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک کلمہ ایک باب سے مصدر اور دوسرے سے اسم مصدر ہو، مثلاً عطاء باب افعال سے، عون باب مفاعلہ سے، اور سلام باب تفعیل سے اسم مصدر ہیں۔ اور اول وثانی باب "نصر" سے اور ثالث باب "سمع" سے مصدر ہیں۔ اس لئے کہ اس وقت یہ سب اپنے عامل فعل کے سارے حروف پر مشتمل ہیں۔

تنبیہ: بعض حضرات مصدر میمی کو اسم مصدر میں شمار کرتے ہیں (۲)۔ لیکن محققین مصدر میں شمار کرتے ہیں۔ (۳)

مصدر میمی:

المصدر الميمي: مَا يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى مُجَرَّدٍ، ولى أَوَّلِه ميمٌ زائدةٌ، وَلَيسَ في آخرهِ ياء مُشَدَّدةٌ بَعْدَهَا تاءُ التانيث مربوطة. (۴)

مصدر میمی: وہ مصدر ہے، جو صرف معنی حدثی پر دلالت کرتا ہو، اور اس کے شروع میں (مفاعلہ کے علاوہ) "میم" زائد ہو، اور آخر میں ایسی "یاء" نہ ہو، جس کے بعد گول "تا" لگی ہوئی ہو۔

مثلاً "مَلْعَبٌ" بمعنی کھیلنا، مَسْقَطٌ بمعنی گرنا۔ مَضْيَعَةٌ بمعنی ضائع ہونا۔

فوائد قیود: "میم زائدہ" کی قید سے مَسْحٌ، مَدٌّ وغیرہ مصادر خارج ہو گئے، اس لئے کہ ان کے شروع میں میم اصلی ہے۔ "مفاعلہ کے علاوہ" کی قید سے مُقاتلہ، مُجادلة وغیرہ مصادر خارج ہو گئے، اور "لیس فی آخرہ یاءٌ الخ" کی قید سے مَنصوریة، مَضْرُوبِيّة، مَغْلُوبِيَّة جیسے "مصادر صناعیہ" خارج ہو گئے۔ (۵)

واضح ہو کہ "مصدر میمی" کی دلالت اپنے معنی پر قوت وتاکید کے ساتھ ہوتی ہے، جبکہ عام مصدر میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ صیغہ بیان سبب کے لئے بھی ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: "الولدُ مَبْخَلَةٌ، مَجْبَنَةٌ، مَحْزَنَةٌ" (اولاد بخل، بزدلی، اور رنج کا سبب ہوتی ہے)۔ (۶)

---

(۱) فائدہ: "فَاعَلَ" وغیرہ میں "فا" کلمہ کے بعد اصلاً تو "الف" تھا، لیکن مصدر میں چونکہ "فا" کلمہ مکسور ہے اس لئے "الف" کو "یا" سے بدل لیا گیا فیعال ہو گیا۔ (۲) کما فی اوضح المسالک۔ (۳) حاشیہ علی اوضح المسالک ۱/۱۷۹، والنحو الوافی ۳/۳۲۳۔ (۴) النحو الوافی ۳/۱۸۶۔ (۵) اسم جامد یا مشتق کے آخر میں یائے مشدد اور گول "تا" لگا کر جو مصدر بناتے ہیں، اس کو "مصدر صناعی" کہتے ہیں، جیسے فاعِلِيَّة مَفْعُولِيَّة، اِنْسانِيَّة، رَجُولِيَّة، اِشْتِرَاكِيَّة وغیرہ۔ النحو الوافی ۳/۱۸۶۔ (۶) النحو الوافی ۳:۲۳۱۔

(۷۸) سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (۸۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کررہے ہیں۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ اس بڑے واقعہ کا۔ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۗ جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں۔ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۙ ہرگز نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

ربط: سورہ "مرسلت" کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا امکان، وقوع اور جزا وسزا کے واقعات مذکور ہیں۔

تفسیر: یہ (قیامت کا انکار کرنے والے کفار مکہ) کس چیز کا حال دریافت کررہے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کررہے ہیں (اس طرح کہ اہل حق اس پر ایمان لاتے ہیں اور یہ انکار کرتے ہیں۔ مراد بڑے واقعہ سے قیامت ہے، کفار مکہ حضور ﷺ اور مومنین سے استہزا و انکار کے مقصد سے قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ مذکورہ آیات میں ان کا یہی حال بیان کیا گیا ہے۔ آگے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل حق کے ساتھ ان کا اختلاف باطل اور بے وجہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: (کہ جیسے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آئے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یعنی جب دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان پر عذاب واقع ہوگا، اس وقت قیامت کا حق ہونا اور اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آئے گی) ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آئیگی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

اللغة: (عَمَّ) کس چیز کے (حال کے) بارے میں، یہ لفظ "عن" حرف جر اور "ما" استفہامیہ سے مرکب ہے، اصل میں (عن ما) تھا، الف کو حذف کرکے نون کو میم سے بدل کر میم کا میم میں ادغام کردیا گیا عَمَّ ہوگیا(۱)۔ (يَتَسَآءلون): وہ دریافت کرتے ہیں، ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، پہلی صورت میں "يتساء لون" يسالون کے معنی میں ہوگا؛ اور دوسری صورت میں اس میں تشارک کے معنی ہوں گے(۲)۔

یہ صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف ہے، باب تفاعل سے، (تساؤل) مصدر ہے: پوچھنا، ایک دوسرے سے دریافت کرنا۔ پہلے ترجمہ کی صورت میں مفعول بہ "الرسول والمومنين" محذوف ہوگا، اور دوسری صورت میں

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب لغات القرآن وصرفہ۔

(۲) تشارک کے معنی اور باب تفاعل کی خاصیت "لغات القرآن وصرفہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کوئی مفعول بہ محذوف نہیں ہوگا، اور فاعل کی ضمیر بہر صورت کفار مکہ کی طرف راجع ہے، جن کا اگرچہ پہلے ذکر نہیں ہوا ہے تاہم حِسًّا و مشاہدۃً موجود ہیں، اس لیے پہلے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی(۱)۔ (النبا) بڑا واقعہ، بڑی خبر، اصلاً "فَعَل" کے وزن پر اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے خَبَر بمعنی مُخبَر ہے(۲) جمع انباء۔ نَبَأَ الرجلُ (ف) نَبَأً و أنْبَأَ إنْبَاءً (افعال): خبر دینا۔ (اَلْعَظِیْمُ) بڑا، بڑی، صفت مشبہ، ج: عُظَمَاءُ، عَظُمَ الرَّجُلُ (ك) عِظَمًا و عَظَمَةً و عَظَامَةً: بڑی (بڑائی والا) ہونا، اس کے بعد بطور استعارہ ہر کبیر کے لیے استعمال ہونے لگا۔ (مُخْتَلِفُوْنَ) اختلاف کرنے والے "مُخْتَلِفٌ" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی باب افتعال سے، اختلاف مصدر: اختلاف کرنا، (گفتگو یا معاملہ میں دوسرے کے خلاف طریقہ اختیار کرنا) جھگڑنا۔ (کلا) ہرگز نہیں۔ حرف ردع و زجر۔ اور ردع کے مفہوم میں تین صورتیں آتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی بات کی تاکید کے ساتھ تردید کرنا، یعنی یہ بیان کرنا کہ جس طرح تم کہتے ہو، ایسا نہیں ہے مثلاً: "فلانٌ یُبْغِضُكَ" (فلاں کو تم سے نفرت ہے) کے جواب میں کہنا: "کلا" ہرگز ایسا نہیں، یعنی تم غلط کہتے ہو، لہٰذا اس طرح کی بات کہنے سے باز آؤ! مذکورہ آیت میں اسی معنی میں "کلا" استعمال ہوا ہے۔ (مزید تفصیل احقر کی کتاب "لغات القرآن و صرفہ" میں دیکھیں)

(سیعلمون) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف۔ عَلِمَه وَبِه عِلماً (س): جاننا۔

ترکیب: (عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ) عَنْ حرف جر، "مَا" استفہامیہ مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق یَتَسَآءَلُوْنَ کے، یَتَسَآءَلُوْنَ، فعل، واؤ ضمیر مرفوع متصل محلاً مرفوع، فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ مستانفہ ابتدائیہ (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ) عن حرف جر، النَّبَاِ موصوف، الْعَظِیْمِ صیغہ صفت ضمیر "ھو" "راجع" "النبا" کی طرف فاعل، صیغہ صفت اپنے فاعل سے ملکر صفت اول، النَّبَاِ کی (اَلَّذِیْ) اسم موصول، (هُمْ) ضمیر مرفوع منفصل محلاً مرفوع مبتدا (فِیْهِ) متعلق مقدم مُخْتَلِفُوْنَ کا، مُخْتَلِفُوْنَ، صیغہ اسم فاعل هُمْ ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر خبر (هُمْ) مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا "اَلَّذِیْ" کا، موصول صلہ سے مل کر صفت ثانی النَّبَاِ کی، موصوف اپنی دونوں صفت سے مل کر مجرور عن کا، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا یَتَسَآءَلُوْنَ فعل محذوف کا(۳) فعل محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ مستانفہ۔ (کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ) کَلَّا حرف ردع، سین حرف استقبال(۴)، یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع مرفوع باثبات نون، واؤ ضمیر مرفوع متصل محلاً مرفوع فاعل، مفعول بہ "مَا یَحِلُّ بِهِمْ"(۵) یا "حَقِیْقَةَ السَّاعَةِ

---

(۱) "روح" ۱۵/۳۔ (۲) القصص: اما فَعَل بمعنی مفعول کالنبا والخبر الخ "روح" ۷/۱۷۵، تحت قولہ تعالیٰ: "نحن نقص علیك احسن القصص" (سورہ یوسف) (۳) اختارہ فی الروح: ۱۵/۵، اور فعل "عن النبا" کے بعد محذوف مانا جائے گا، تاکہ جواب کی ترتیب سوال کے مطابق رہے۔ (مذکورہ) (۴) مزید تفصیل "لغات القرآن و صرفہ" میں دیکھئے۔

(۵) تقدیری عبارت ہوگی: "سیعلمون ما یحل بھم (اس عذاب کو جان لیں گے جو ان پر واقع ہوگا)۔

وحقیتها" محذوف، (۱) فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ مستانفہ۔ "ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ" ثُمَّ حرف عطف كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ، پورا مجموعہ معطوف پہلے كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ کے مجموعہ پر۔

جملوں کی نوعیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

مذکورہ آیت میں تین جملے: (عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ) (يَتَسَاءَلُوْنَ،) مقدر اور (كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ) مستانفہ ہیں، اور جملہ: "ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ" مستانفہ پر معطوف ہے، اور جملہ: "هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ" صلہ ہے اور جملہ مستانفہ اور اسی طرح اس جملہ کے لیے جو صلہ واقع ہو محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی جملہ کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے (۲)۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا۔ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا۔ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنایا۔ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے غلہ، سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

ربط: سابق میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے، جو قیامت کے منکر ہیں اور مذکورہ آیات میں قیامت کو مشکل یا محال اور ناممکن سمجھنے والوں کے سامنے قیامت کے امکان کو بیان کیا گیا ہے

تفسیر: (اَلَمْ نَجْعَلِ...) کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا یعنی جیسے کسی چیز میں میخ لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی، ایسے ہی ابتداء میں زمین لرزتی اور کانپتی تھی، اس صورت میں لوگوں کے لیے نہ تو چلنا ممکن تھا اور نہ ہی مکان بنانا اور اس پر رہنا سہنا، اور اس میں کھیتی باڑی کرنا؛ لہٰذا اللہ تعالی نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اس کی کپکپاہٹ کو دور کر دیا، اور اس طرح زمین کو پہاڑوں سے سکون ملا۔ یہ جہاں خدا تعالی کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے وہیں اس پر بسنے والی مخلوق کے لیے بہت بڑی نعمتِ خداوندی بھی ہے۔ (وَخَلَقْنٰكُمْ...) اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد وعورت کو پیدا کیا۔

---

(۱) تقدیری عبارت ہوگی: "سيعلمون حقيقة الساعة وحقيتها (قیامت کی حقیقت اور اس کی حقانیت کو (جان لیں گے) حضرت تھانویؒ کی تفسیر سے اس مفعول مقدر کا پتہ چلتا ہے (بیان القرآن)

تنبیہ: علم کے یقین کے معنی میں ہونے کے باوجود بسا اوقات اس کے صرف ایک مفعول پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جیسے: علمت زیدًا. (رضی: ۱۵۲/۴)

(۲) ترکیب: "روح" ۵/۱۵، اور "اعراب القرآن وصرفہ" ۲۱۳/۱۵، سے لی گئی ہے۔

(وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ...) اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا، یعنی دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک کر جب آدمی نیند لیتا ہے تو سب تعب اور تکان دور ہو جاتی ہے، اور اس سے راحت و آرام کی وہ نعمت میسر ہوتی ہے جس سے وہ اپنی آئندہ کی جدو جہد کو جاری و باقی رکھنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ (وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ..) اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا۔ یعنی جیسے پردہ سے ایک چیز چھپ جاتی ہے، اسی طرح رات بھی لوگوں کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے، علاوہ ازیں جو کام چھپانے کے لائق ہوتے ہیں، وہ عموما رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ (از فوائد عثمانی)

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا...) اور ہم ہی نے دن کو معاش (کا وقت (۱)) بنایا یعنی غذا وغیرہ ضروریات زندگی کا انسان کے لیے مہیا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کی زندگی کی گاڑی چل سکے، لہٰذا ایسے وقت کی بھی انسان کے لیے ضرورت ہے، جس میں وہ اپنی زندگی کی ضرورت کا انتظام کر سکے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دن کا وقت عطا فرمایا، اگر یہ دن کی نعمت نہ ہوتی اور ہمہ وقت رات کا اندھیرا ہی عالم پر چھایا ہوا ہوتا، تو نہ صرف یہ کہ انسان کی زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی، بلکہ ضروریات زندگی کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے زندگی کی گاڑی آگے بھی نہ چل پاتی۔ آگے انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہے، اس میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے۔ (وَبَنَيْنَا......) اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (جن میں آج تک اتنی مدت گذرنے کے باوجود کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ (وَجَعَلْنَا سِرَاجًا...) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (آفتاب) بنایا (آسمان سے نیچے اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت کے لیے بہت سی چیزیں پیدا فرمائی ہیں، ان میں سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں، آگے اسی نعمت کا تذکرہ ہے) (وَأَنْزَلْنَا...) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس (پانی) کے ذریعہ سے غلہ، سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں (یعنی نہایت گھنے باغ۔ ان عظیم الشان نشانیوں کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت والا ہے اس کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا ناممکن یا مشکل ہوگا؟۔

اللغة: أَلَمْ نَجْعَلْ: کیا نہیں بنایا ہم نے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل مضارع معروف منفی بلم، باب "فتح" سے۔ واضح رہے کہ اس کے شروع میں جو ہمزہ ہے اس کے اصلی معنی تو استفہام کے ہیں، لیکن یہاں ہمزہ کا استعمال استفہام حقیقی کے لیے نہیں ہے (کہ واقعی اللہ تعالیٰ سوال کر رہے ہیں) بلکہ انکار کے لیے ہے (۲)۔ اور انکار کی دو قسمیں ہیں: انکار ابطالی اور انکار توبیخی۔

انکار ابطالی: یہ ہے کہ اس بات کو بتلایا جائے کہ جس چیز پر ہمزہ داخل ہے وہ واقع نہیں ہے، اور اس کا مدعی جھوٹا ہے، اور چونکہ یہ اپنے مدخول کے عدم وقوع یعنی نفی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے، کیوں کہ نفی کی نفی سے اثبات ہوتا ہے مثلا: کہا جائے زید غیر سخی نہیں ہے، غیر سخی نفی ہے اس پر نفی (نہیں) داخل ہوئی تو اثبات ہو گیا؛ یعنی زید سخی ہے۔

---

(۱) اس طرف اشارہ ہے کہ معاش سے پہلے وقت مضاف پوشیدہ ہے، اور وجہ مضاف کی تقدیر کی یہ ہے کہ معاش مصدر میمی ہے بمعنی عیش، اور عیش حیوان کی زندگی کو کہتے ہیں، جو نہار پر محمول نہیں ہو سکتی ہے۔ (حاشیہ بیان القرآن ۱۲؍۱)

(۲) روح: ۱۵؍۷۔

انکار توبیخی: یہ ہے کہ اس بات کو بتلایا جائے کہ جس پر ہمزہ داخل ہے وہ واقع تو ہے البتہ اس کا فاعل قابل ملامت ومذمت ہے۔ مثلاً: (أتعبدون ما تنحتون): کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ اس آیت میں خود تراشیدہ بتوں کی عبادت کرنے کی نفی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس پر توبیخ اور ڈانٹنا مقصود ہے۔

سورہ نبا کی مذکورہ آیت (الم نجعل الارض) میں ہمزہ انکار ابطالی کے لیے ہے، جو نفی پر داخل ہو رہا ہے لہٰذا اس کو مثبت بنادے گا اور معنی ہوں گے: جعلنا الارض (ہم نے زمین کو بنایا)(۱)۔ جَعَلَ اللہُ الشَّیْئَ جَعْلًا (ف): کسی شی کو کچھ بنا دینا، جَعَلَ اللہ الشَّیْئَ: پیدا کرنا، ایجاد کرنا۔ پہلے "جَعَلَ" کی تعبیر جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ سے کی جاتی ہے، اور یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، اور دوسرے "جَعَلَ" کی تعبیر "جَعَلَ" بمعنی خَلَقَ سے کی جاتی ہے، اور یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔(۲) یہاں کون سا "جَعَلَ" ہے، اس کی تفصیل ترکیب کے تحت آئے گی۔ (الْاَرْضَ) زمین، اسم جامد، ج: أَرُوْضٌ، أَرَاضٍ، أَرْضُوْنَ، وَأَرَضُوْنَ(۳)۔ (مِهَادًا) بچھونا، فرش، گہوارہ، اس میں ایک قراءت "مَهْدًا" بھی ہے اور یہ دونوں اصلاً مصدر ہیں، اس کے بعد دونوں کو مفعول کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا، تسمیۃً للمفعول باسم المصدر کے طور پر۔ یعنی مِهاد و مهد(۴) کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کو بچھایا جائے جس کو بچھونا اور گہوارہ (بچے کا بچھونا) کہا جاتا ہے۔ مَهَدَ (ف) مَهْدًا وَمِهَادًا (ن): بچھانا۔ (الْجِبَالَ) اسم جامد، جبل بمعنی پہاڑ کی جمع۔ (اَوْتَادًا) میخیں، اسم جامد، وَتِدٌ، (بفتح الواو وکسر التاء)۔ وَوَتَدٌ (بفتح الواو وفتح التاء) کی جمع ہے، دونوں لغتوں میں مشہور "تا" کا کسرہ ہے(۵)۔ (خَلَقْنَا) پیدا کیا ہم نے، صیغہ جمع متکلم بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، خَلَقَهٗ (ن) خَلْقًا: پیدا کرنا۔ (أَزْوَاجًا) اسم جامد زوج بمعنی جوڑا کی جمع۔ (نَوْمَكُمْ) تمہارا سونا، مصدر مضاف "کُمْ" ضمیر مجرور متصل کی طرف، نَامَ (ن، س) نَوْمًا وَنِيَامًا: سونا۔ (سُبَاتًا) راحت، موت، نیند، فُعَال کے وزن پر مصدر ہے (ن وض) سے(۶) اور "سَبْتٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہے کاٹنا، کہا جاتا ہے: سَبَتَ (ن، ض) شَعْرَهٗ سَبْتًا: بالوں کو مونڈنا و أَنْفَهٗ: جڑ سے ناک کو اکھاڑنا۔ سو جانے کی وجہ سے چوں کہ انسان اپنے اعمال اور سرگرمیوں سے الگ ہو جاتا اور کٹ جاتا ہے، اس مناسبت سے یہ لفظ نیند اور موت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور سونے سے چوں کہ راحت مل جاتی ہے، اس لیے یہ لازم (راحت) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔(۷) (اللَّيْلَ) رات، ج: لیال، (لِبَاسًا) اوڑھنا، پردہ، جمع: أَلْبِسَةٌ ولُبُسٌ، لَبِسَ الرجلُ (س) لُبْسًا: پہننا، اوڑھنا۔ (النَّهَارَ) دن، اسم جامد، ج: نُهُرٌ، أَنْهُرٌ، (مَعَاشًا): مصدر میمی، عَاشَ (ض) عَيْشَةً: عِيْشَةً، مَعَاشًا: زندہ ہونا، زندہ رہنا، لیکن عیش اور حیاۃ میں فرق ہے: عیش حیوان کی زندگی کو کہا جاتا ہے اور

---

(۱) مغنی اللبیب: ۱/۱۷ تا ۱۸، مزید تفصیل "لغات القرآن وصرفہ" میں دیکھیں۔ (۲) "المعجم الوسیط: ۱۲۵" و "الروح" ۱/۱۳۰ (زکریا پارہ: ۱، رکوع: ۳) (۳) المعجم: ۱۳۔ (۴) روح: ۱۵/۶ وحاشیہ بیان القرآن (پ: ۱۶، رکوع: ۱۱) (۵) وکسر التاء فیه اشهر من فتحها۔ روح: ۱۲/۱۷۰ (ملتان) ص: رکوع: ۱) (۶) سباتًا: مصدر سَبَتَ (ن، ض) وَزْنُهٗ فُعال "اعراب القرآن وصرفہ" ۱۰/۲۲۸، پارہ: ۱۹، ع: ۳ (۷) من الروح" ۱۵/۸، ملخصًا۔

حیاۃ عام ہے حیوان اور غیر حیوان دونوں کی زندگی کے لیے بولا جاتا ہے، چنانچہ "حییت الارض" کا استعمال درست ہے، اور عاشت الارض درست نہیں ہے[1]۔ (بنینا) بنایا ہم نے، صیغہ جمع متکلم بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، بنی (ض) بنیا، بناء، بنیانا، بنایۃ: بنانا، تعمیر کرنا۔ (شدادا) مضبوط، شدید اور شدیدۃ صفت مشبہ کی جمع مکسر، باب "ضرب" سے[2] لیکن یہاں شدیدۃ مؤنث کی جمع ہے، اس لیے کہ یہاں اس کا موصوف "سموات" محذوف ہے جو مؤنث ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "وبنینا فوقکم سموات سبعا شدادا"[3] شدّ الشیءُ (ض) شدۃ: قوی ہونا، مضبوط ہونا۔[4] (سراجا) چراغ، اسم جامد، ج: سُرُج۔ (وهاجا) بہت زیادہ روشن، بہت زیادہ چمکنے والا، صیغہ مبالغہ، باب ضرب سے وَهَجَ (ض) وَهَجًا و وَهَجَانًا، وَهِيجًا: روشن ہونا، چمکنا۔ (أنزلنا) اتارا ہم نے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے، مصدر "انزال": اتارنا۔ (المعصرات) نچڑنے کے قریب، "المعصرۃ" اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم بحالت جری، باب "افعال" سے، اس کا موصوف السحائب[5] مقدر ہے، ای: السحائبُ المُعْصِرات، (وہ بادل کہ جن میں اتنا پانی بھرا ہوا ہے کہ نچڑنے کے قریب ہوں) اور اس ترجمہ میں قریب کے مفہوم کے ملحوظ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ باب افعال سے ہے، اور باب افعال کی ایک خاصیت حینونت ہے[6] یہی خاصیت اس میں پائی جا رہی ہے[7] حضرت "شیخ الہند" کی تعبیر "نچڑنے والی بدلیاں" اور حضرت "تھانوی" کی تعبیر "پانی سے بھرے بادل" دونوں پہلے معنی (نچڑنے کے قریب بادل) کی تعبیر ہیں، اس لیے کہ نچڑنے کے قریب بادل وہی ہوں گے جو پانی سے بھرے ہوں۔ أعْصَرَ إعْصَارًا (افعال): نچڑنے کے وقت کو پہنچنا، اسی سے ہے "أعْصَرَتِ الجَارِيَةُ": باندی کا حیض کے وقت کو پہنچنا (بالغ ہونا)[8] وأعصَرَ إعصَارًا وكذا عَصَرَ (ض ن) عَصْرًا: نچڑنا۔[9] (ماءً): پانی، اسم جامد، (ج) میاہ، امواہ۔ (ثجاجا) کثرت اور زور و شور سے برسنے والا پانی، صیغہ مبالغہ بمعنی فاعل، کثرت کا مفہوم صیغہ مبالغہ اور زور و شور کا مفہوم مادہ کی وجہ سے ہے کیوں کہ "ثجّ" کے معنی ہے قوت کے ساتھ رسنا، بہنا، یقال ثَجَّ المَاءُ وَثَجَّهُ (ن) ثَجًّا وثُجُوجًا: زور سے پانی بہنا، بہانا، لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے[10]۔

---

(۱) من "الروح" ۱۵/۸ (ملتان) (۲) "اعراب القرآن وصرفہ" ۶/۴۳۶ (س) "یوسف" تحت قولہ تعالی: ثم یأتی من بعد ذلك سبع شداد"۔ (۳) اعراب القرآن وصرفہ ۱۵/۲۱۵۔ (۴) المعجم الوسیط۔ (۵) سحائب بمعنی بادل کی جمع ہے۔

(۶) فاعل کا ماخذ کے وقت کو پہنچنا ہے: أحصَدَ الزرعُ: کھیتی کٹنے کے وقت کو پہنچ گئی (یعنی کٹنے کے قریب ہوگئی ہے) نوادر الوصول: ص: ۹۵۔ (۷) من الروح ۱۵/۱۱ وجلالین: ص: ۴۸۷، اور بھی اقوال ہیں معصرات سے متعلق، ہم نے ضرورت کے بقدر لیا ہے تفصیل کے لیے "روح المعانی" دیکھیے۔ (۸) من الروح ۱۵/۱۱ وجلالین: ص: ۴۸۷،

(۹) واضح ہو کہ کتب لغت میں "إعصار" کے معنی نچڑنا نہیں ہے، اور جہاں تک حضرت شیخ الہند وغیرہ کے ترجمہ کی بات ہے، تو وہ مذکورہ خاصیت کی بنا پر ہے۔ (۱۰) اعراب القرآن ۸/۱۹۸ و الروح ۱۵/۱۲۔

(لنخرج) تاکہ ہم نکالیں (پیدا کریں) صیغہ جمع متکلم، بحث فعل مضارع منصوب بأن مقدرہ، بعد "لام کی" باب افعال سے "إِخْرَاجٌ" مصدر: نکالنا۔ (حَبًّا) اسم جامد، دانہ، غلہ، تفصیل سورۂ عبس میں دیکھیے۔ (نَبَاتًا) اصلاً مصدر ہے بمعنی اُگنا، کبھی زمین سے اگنے والی چیزوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ تنے دار ہو جیسے: درخت یا تنے دار نہ ہو جیسے بیلیں، لیکن عرف عام میں زمین سے اگنے والی ان چیزوں کے ساتھ خاص ہے جنھیں جانور کھاتے ہیں، ترجمہ میں اس کو سبزے سے تعبیر کیا گیا ہے (۱) اس وقت مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہوگا۔ (جَنّٰتٍ) باغات، جَنَّة کی جمع، جِنَان بھی جمع آتی ہے۔ (ألفافًا) ایک دوسرے میں لپٹے اور گھسے ہوئے، اسی کو محاورہ میں گھنے اور گنجان کہا جاتا ہے۔ اور جمہور لغویین کے نزدیک "لِفّ" کی جمع ہے جو صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول ہے۔ لَفَّ الثَّوْبَ لَفًّا: لپیٹنا، والْتَفَّتِ الأشجارُ (ن) لَفًّا: درختوں کا گھنا ہونا۔

ترکیب: (الم نجعل...) ہمزہ برائے استفہام انکاری، (لم) حرف نفی وجازم (الأرض) مفعول بہ (مهادًا) مفعول بہ ثانی، اگر جعل بمعنی "صَیَّرَ" ہو، (۲) اور اگر بمعنی "خلق" ہو تو "مِهَادًا" حال مقدرہ (۳) ہوگا۔ اَلْأَرْض سے (والجبال...) واو عاطفہ (الجبال) معطوف الارض پر، (أوتادًا) معطوف مهادا پر (۴) (وخلقناکم...) واو حرف عطف مبنی علی الفتح، "خلقنا" فعل ماضی مبنی علی السکون "نا" ضمیر مرفوع متصل محلا مرفوع، فاعل "کُمْ" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، مفعول بہ "ازواجا" حال "کم" ضمیر سے، اور خلقنا فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یا تو معطوف ہے فعل مضارع منفی بلم (نجعل) پر، اور معطوف چونکہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا "خلقنا" سے پہلے بھی استفہام اور نفی ملحوظ ہوں گے، اور معنی ہوں گے: "أما خلقنا" واضح ہو کہ خلقنا کا عطف منفی (جس کی نفی کی گئی ہے) پر ہے نہ کہ نفی پر، ورنہ معنی ہوں گے "أخلقنا..." (وهو ظاهر الفساد) یا معطوف ہے اس مثبت مفہوم پر جو نفی کی نفی سے حاصل ہوا ہے اور وہ ہے "جعلنا..." اس وقت خلقنا سے پہلے استفہام اور نفی ملحوظ نہیں ہوں گے۔ (وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ...) وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ...) (وَجَعَلْنَا النَّهَارَ...) ان سب کی ترکیب (وَجَعَلْنَا الْأَرْضَ مِهَادًا) کی طرح ہے، اور منصوب ثانی میں یہاں بھی حال اور مفعول ثانی ہونے کا احتمال ہے اور ان سب جملوں کا خلقنا کی طرح لم نجعل پر عطف ہے (مذکورہ تفصیل کے مطابق)۔ (وَبَنَيْنَا..) واو حرف عطف بَنَيْنَا فعل بافاعل "فَوْقَكُمْ" مرکب اضافی ہو کر مفعول فیہ ہوا بنینا کا (سبعًا) مفعول بہ (شدادًا) صفت سبعًا کی، (وجعلنا سراجًا) واو حرف عطف جعلنا فعل بافاعل سراجًا موصوف وهّاجًا صفت، موصوف صفت

---

(۱) روح ۲۲۳/۳ (آل عمران، ع:۴) وج ۳۴۵/۵ (پ:۷، ع:۱۸) (۲) جعل بمعنی صَیَّرَ و بمعنی خلق کی وضاحت لغات کے عنوان کے تحت آچکی ہے۔

(۳) حال مقدرہ کے لیے دیکھیے سورۂ "بینہ" میں "خالدین" کی ترکیب۔

(۴) یہاں ایک حرف عطف کے ذریعہ ایک عامل (لم نجعل) کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف کیا گیا ہے جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے (رضی: ۳۶۶/۲)

سے مل کر مفعول بہ جعلنا کا(۱)۔ (و انزلنا...) واو عاطفہ "انزلنا" فعل با فاعل، (من المعصرات) "من" حرف جر "ال" موصولہ "معصرات" صیغہ اسم فاعل ضمیر (ھنّ پوشیدہ) راجع "الْ" موصولہ کی طرف محلا مرفوع، فاعل(۲)، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق "انزلنا" فعل کے (مَاءً) مفعول بہ "ثجاجًا" صیغہ مبالغہ ضمیر فاعل، صیغہ مبالغہ اپنے فاعل سے مل کر صفت "ماءً" کی اور جملہ: "انزلنا......" معطوف ابعد یعنی جملہ: "نجعل......" پر یا اقرب یعنی (جعلنا اللیل......) پر۔ "لِنُخرِجَ" لام جارہ بمعنی "کی" اور "نخرج" فعل مضارع منصوب، "لام کی" کے بعد "ان" مقدرہ کی وجہ سے، ضمیر "نحن" پوشیدہ محلا مرفوع فاعل (۴) متعلق نخرج کے، "حبًّا" مفعول بہ "نباتا" معطوف حبًّا پر، "جنّٰت" معطوف "حبًّا" پر "الفافا" صفت جنّٰت کی، نخرج فعل اپنے فاعل، متعلق، اور مفعول بہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور اور جار مجرور سے مل کر "انزلنا" کے متعلق۔

محل اعراب وغیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: "اَلَمْ نَجْعَل..." مستانفہ ہے لہٰذا اس کے لیے اور اس پر جتنے جملے معطوف ہیں ان کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور جملہ: نخرج موصول حرفی (ان مقدرہ) کا صلہ ہے(۳)۔ لہٰذا اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے(۴)۔

> اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ بے شک فیصلے کا دن ایک معین وقت ہے۔ یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ﴿ۙ۱۸﴾ یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا، پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے۔ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا ﴿ۙ۱۹﴾ اور آسمان کھل جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہونگے۔ وَّ سُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا ﴿ؕ۲۰﴾ اور پہاڑ ہٹا دیے جائیں گے تو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ اِنَّ جَہَنَّمَ کَانَتۡ مِرۡصَادًا ﴿۪ۙ۲۱﴾ بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے۔ لِّلطّٰغِیۡنَ مَاٰبًا ﴿ۙ۲۲﴾ سرکشوں کا ٹھکانا۔ لّٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا ﴿ۚ۲۳﴾ جس میں وہ بے انتہا

---

(۱) یہاں جعلنا بمعنی "خلقنا" ہے، بمعنی "صیّرنا" نہیں ہے، جو دو مفعول کا مقتضی ہے، اس لیے کہ "وھّاجا" "سراجا" کی صفت ہے مفعول ثانی نہیں، ہاں اگر جعلنا السراج وَھّاجًا ہوتا تو مذکورہ احتمال ہوتا، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر منصوب ثانی منصوب اول کی صفت بن سکتا ہے، تو وہاں جعل بمعنی خلق ہوگا۔ از حاشیہ جلالین: ص: ۴۸۔

(۲) اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ تمام اسماء مشتقہ اپنے مرفوع سے مل کر ہی کسی کی صفت وغیرہ بنتے ہیں (زینی زادہ علی الکافیہ: ۶) اور یہ حکم ان اسماء مشتقہ کا ہے، جو فاعل یا نائب فاعل فعل کے محتاج ہوں، اسم ظرف وغیرہ کا یہ حکم نہیں ہے۔

(۳) یہاں دو چیزیں ہیں:- (۱) جملہ: "نخرج" اس کے لیے "ان" کا صلہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ (۲) ان نخرج، یعنی ان اور نخرج دونوں کا مجموعہ، اس کے لیے محل اعراب ہے، لہٰذا یہ بتاویل مصدر ہو کر محلا مجرور ہے۔ (۴) ترکیب روح المعانی: ۶/۱۵ تا ۱۳/۱۵ اور اعراب القرآن لمحی الدین ص ۱۹۶/ و اعراب القرآن و صرفہ: ۲۱۵/۱۵ سے ماخوذ ہے۔

زمانوں رہیں گے۔ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اس میں وہ نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا۔ إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا ۝ بجز گرم پانی اور پیپ کے۔ جَزَاءً وِّفَاقًا ۝ یہ پورا بدلہ ملے گا۔ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وہ لوگ حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے۔ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ سو مزہ چکھو ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے۔

ربط: ماقبل میں قیامت کا امکان (یعنی قیامت ممکن ہے، محال نہیں ہے) کو بیان کیا گیا ہے، اور مذکورہ بالا آیات میں قیامت کے وقوع کو بیان کیا گیا ہے، یعنی قیامت صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہوگی۔

تفسیر: (ان یوم الفصل...) بے شک (نیک اور بد کے درمیان) فیصلے کا دن ایک معین وقت ہے یعنی (۱) جس دن صور پھونکا جاوے گا، پہلی مرتبہ "صور" میں پھونک مارنے کی وجہ سے تمام عالم فنا ہو جائے گا، اس کو نفخۂ اولیٰ کہتے ہیں اور اس کے چالیس سال بعد (۲) دوسری مرتبہ حضرت "اسرافیل" علیہ السلام صور پھونکیں گے جس سے تمام انسان و جنات جو مر چکے تھے زندہ ہو جائیں گے اس کو نفخۂ ثانیہ کہتے ہیں، اور یہاں یہی مراد ہے۔ (۳) پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے (یعنی ہر امت جدا ہوگی، پھر مومن جدا، کافر جدا، پھر ابرار (نیک لوگ) اور اشرار (برے لوگ) جدا، سب ایک دوسرے سے ممتاز ہو کر گروہ و جماعت کی شکل میں میدان قیامت میں آئیں گے) اور آسمان کھل جائے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہوں گے یعنی اس قدر بہت سا کھل جاوے گا، جیسے بہت سے دروازے ملا کر بڑی جگہ کھلی ہوتی ہے، لہٰذا کلام حقیقت پر محمول نہیں ہے، بلکہ تشبیہ پر محمول ہے۔ اس لیے اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں، پھر اس دن دروازے ہونے کے کیا معنیٰ؟ اور آسمان اس لیے کھلے گا تا کہ بشکل سائبان ایک بدلی اترے، جس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے اردگرد ملائکہ ہونگے؛ اور یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا (۴)۔ اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا سو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ اس میں دو احتمال ہیں:- (۱) نفخۂ اولیٰ کے وقت ہو کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے ان کی جگہ سے ہٹا کر ختم کر دیا جاویگا۔ (۲) نفخۂ ثانیہ کے وقت ہو، اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ نفخہ ثانیہ سے سارا عالم اپنی ہیئت پر لوٹ آئے گا، لہٰذا زمین اس شکل میں ہوگی کہ اس پر سابق کی طرح پہاڑ بھی ہوں گے، پھر جب حساب کا وقت آئے گا تو پہاڑوں کو توڑ کر زمین کے برابر کر دیا جاویگا تا کہ زمین پر کوئی آڑ پہاڑ وغیرہ کی نہ رہے۔ بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی جہنم پر مامور و مقرر عذاب کے فرشتے انتظار و تاک میں ہیں کہ کافر آویں تو ان کو پکڑتے ہی عذاب دینے لگیں اور وہ) سرکشوں کا ٹھکانا (ہے، سرکشوں سے مراد کفار اور غیر مومن ہیں۔) جس میں وہ بے انتہا (زمانوں (پڑے) رہیں گے، احقاب کی تفسیر "بے انتہا زمانوں" سے کرنے کی صورت میں اب وہ اشکال وارد نہیں ہوگا

---

(۱) یہ ترجمہ اس لیے ہے کہ یہ "یوم الفصل" سے بدل ہے۔ (۲) فی حدیث اخرجہ "ابو داؤد" إنها اربعون عامًا الخ. (روح ۱۳/ ۲۸، پ:۳۰، ع:۲) (۳) روح: ۱۵/۱۳۔ (۴) از بیان القرآن: پارہ:۱۹، رکوع ۱، تحت قولہ تعالیٰ (ویوم تشقق السماء بالغمام...)

کہ کفار کے بارے میں "قرآن مجید" کی دوسری واضح نصوص میں "خالدین فیہا ابدا" کے الفاظ ہیں، اور مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ احقاب تک رہیں گے، وجہ اشکال نہ ہونے کی یہ ہے کہ احقاب سے مراد بے انتہا زمانے ہیں، حضرت "حسن" سے یہی تفسیر مروی ہے۔ (۱) (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے (ٹھنڈک سے مراد ایسی ٹھنڈک ہے، جس سے راحت ولطف میسر ہو، لہٰذا اس سے زمہریر (جہنم کا وہ حصہ جس میں ٹھنڈک کا عذاب ہے) کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ عذاب والی ٹھنڈک ہے) اور نہ پینے کی چیز کا (جس سے پیاس بجھے) بجز گرم پانی کے (ایسا گرم کہ منہ کے قریب کرنے سے شدت حرارت کی وجہ سے دماغ تک کی کھال اتر کر نیچے لٹک جاوے گی، منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنسے گا، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے کفار حلق سے نیچے اتاریں گے، پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آجائیں گی (۲)۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے!) اور پیپ کے۔ یہ (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں:) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو (جن میں حساب اور دیگر امور حقہ کی خبر تھی) خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے سو (ان اعمال پر ان کو مطلع کر کے کہا جاوے گا کہ اب ان اعمال کا) مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے۔

اللغۃ: (یوم): دن، اسم جامد، ج ایام، "عرف عام" میں یوم (دن) کا اطلاق اس زمانہ پر ہوتا ہے، جو طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ہو، اور شرعاً اس زمانہ کو کہتے ہیں جو صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہو؛ اور کبھی مطلق وقت کو بھی "یوم" کہا جاتا ہے (۳)۔ (الفصل): فیصلہ، مصدر، فَصَلَ (ض) فَصْلًا بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ: فیصلہ کرنا۔ (میقاتا): اسم آلہ باب "ضرب" سے اصل میں مِوْقات تھا، واو ساکن ماقبل مکسور لہٰذا واو کو یا سے بدل دیا گیا، میقات ہو گیا، اس کے دو معنی آتے ہیں: (الف) وقت پہچاننے کا آلہ جیسے: "قل ھی مواقیت للناس" (آپ کہئے کہ وہ (چاند) آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لیے (۴)۔ (ب) وہ جگہ یا زمانہ جن کے ذریعہ کسی چیز یا عمل کی حد بندی کی گئی ہو، یعنی مقررہ وقت یا متعین جگہ (۵) جیسے: مواقیت احرام یعنی وہ حدود اور مقامات جن سے حج یا عمرہ کرنے والے کا بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں ہے۔ اور سورہ "نباء" کی مذکورہ بالا آیت میں یہی معنی مراد ہے کہ قیامت کا دن ایک مقررہ وقت ہے۔ اور قیامت کے دن کو میقات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ "دنیا" کی تحدید کردی گئی ہے (۶)۔ وَقَّتَ (ض) تَوْقِيتًا: کسی چیز کا وقت بیان کرنا تحدید کرنا۔ (يُنْفَخُ) پھونک ماری جائے گی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول نَفَخَ فِيهِ (ن) نَفْخًا: پھونک مارنا، (الصور) اسم جامد ج: أَصْوَرٌ: نرسنگھا (سینگ کے مانند وہ چیز جس کو پھونک مار کر بجایا جائے) یہاں مراد بڑے سینگ کے مانند وہ چیز ہے جس میں حضرت "اسرافیل" (علیہ السلام) خلق کو مارنے اور جلانے کے لیے پھونک ماریں گے۔

---

(۱) من "الروح" الخ ۱۵/ ۱۷۔ (۲) از تفسیر عثمانی: ۳۴۱۔ پارہ ۳۰۔ رکوع: ۱۵۔ (۳) روح: ۱/ ۱۴۰ (زکریا) سورہ فاتحہ۔ (۴) روح ۲/ ۱۰۸، پارہ ۲، رکوع: ۸۔ (۵) روح ۱۴/ ۱۳۵ (واقعہ، رکوع: ۳) (۶) روح: ۱۴/ ۳۵ (واقعہ، رکوع: ۳)

(فَتَأْتُوْنَ): پھر تم آؤ گے، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث "فعل مضارع مثبت معروف باب "ضرب" سے، اتی (ض) إتيانا: آنا۔ (أَفْوَاجًا) اسم جامد فوج کی جمع، تیز چلنے والی جماعت، مطلق گروہ اور جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فُوُوج بھی جمع آتی ہے، ج ج افاوج اور افاویج ہے (۱)۔ (فُتِحَتْ) کھول دیے جائیں گے، کھولنے سے مراد شق (پھاڑنا) ہے۔ صیغہ واحد مؤنث غائب بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول باب "فتح" سے فتحه (ـَ ف) فتحا: کھولنا، پھاڑنا۔ (السَّمَاءُ) اسم جامد، بقول "فرّاء" مذکر ومؤنث دونوں ہے، لیکن علامہ "محمود آلوسی" کے بیان کے مطابق مشہور اس کا مؤنث ہونا ہے۔ ج: سمٰوٰت (۲)۔ (أَبْوَابٌ) اسم جامد، بَابٌ بمعنی دروازہ کی جمع ہے۔ (سُيِّرَتْ) چلائے جائیں گے، ہٹائے جائیں گے، واحد مؤنث غائب بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول باب "تفعیل" سے تسییر مصدر: چلانا، اور چونکہ کسی چیز کو کہیں سے چلانا اس کے وہاں سے زائل کرنے اور ہٹانے کا سبب ہوتا ہے اس لیے مجازاً ازالہ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں حقیقی اور مجازی دونوں معنی پر محمول کیا جاسکتا ہے (۳)۔ (سَرَابًا) اسم جامد، شدت گرما میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے چمکتی ہوئی نظر آنے والی ریت۔ لیکن آیت پاک میں (چمکتی ریت کو بول کر مجازاً مطلق ریت مراد ہے، اس لیے کہ مقید بول کر کبھی مطلق مراد ہوتا ہے (۴)۔ (جَهَنَّمَ) اسم جامد، آخرت میں عقاب یعنی سزا کے مقام کا علم ہے، اس کو دوزخ بھی کہتے ہیں۔ علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے (۵)۔ (مِرْصَادًا): گھات کی جگہ، گھات (یعنی تاک) لگانے والا، پہلی صورت میں "اسم ظرف" برائے مکان اور دوسری صورت میں صفت مشبہ برائے مبالغہ ہے، باب "نصر" سے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ "مِفْعَالٌ" کا وزن جیسے اسم آلہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، مثلاً مِسماع بمعنی سننے کا آلہ، اسی طرح یہ وزن اسم ظرف برائے مکان اور صفت مشبہ برائے مبالغہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "مِضمار" گھوڑے کو چھریرا (لاغر ودبلا) کرنے کی جگہ (۶) اور "مِکثار" زیادہ بولنے والا۔ پہلی مثال مفعال برائے اسم ظرف کی اور دوسری مثال برائے صفت مشبہ کی ہے (۷)۔ (الطَّاغِيْنَ) گناہ میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے، با محاورہ تعبیر سرکش، شریر، "الطاغين" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری، طَغَا يَطْغُوْ (ن) طُغُوًّا، طُغْوًا، طُغْوَانًا (ناقص واوی) وطغی (س، ف) طَغْيًا طُغْيَانًا، (ناقص یائی): گناہ اور معاصی میں حد سے بڑھ جانا، جس کی با محاورہ تعبیر سرکشی کرنا ہے۔ (مَآبًا) لوٹنا، لوٹنے کی جگہ (ٹھکانا) پہلی صورت میں "مصدر میمی" اور دوسری صورت میں "اسم ظرف" برائے مکان ہے۔ آبَ إِلَيْهِ (ن) أَوْبًا، مَآبًا، إِيَابًا، أَوْبَةً: لوٹنا۔ امام راغب کے بیان کے مطابق أَوْبٌ اور رجوع میں فرق یہ ہے کہ "أَوْبٌ" صاحب ارادہ حیوان کے لوٹنے کو اور "رُجُوْع" مطلق لوٹنے کو کہتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالی کی طرف اعمال لوٹنے کے لیے رجوع کا استعمال ہوا

---

(۱) روح المعانی: ۱۵/ ۲۹۵ (ملتان) سورہ "نصر" (۲) روح: ۱۵/ ۱۳۵۔ سورۂ مزمل (۳) "روح المعانی" ۸/ ۲۸۷ (ملتان) تحت قول تعالی: ویوم نسیر الجبال الخ (سورۂ کہف) (۴) حاشیہ بیان القرآن۔ (۵) روح ۲/ ۹۴۵، پارہ: ۲، رکوع ۹۔ (۶) ضمر (ک، ن) ضُمُوْرًا: لاغر ہونا، سے۔ (۷) روح ۱۵/ ۱۶۔

ہے، ارشاد باری ہے: ''إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ'' (سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے) اور ''اوبٌ'' کا استعمال نہیں ہوا ہے (۱)۔ (لابثین) رہنے والے، ٹھہرنے والے، لابث (اسم فاعل) کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی ''س'' سے، لَبِثَ المکانَ وَلَبِثَ (س) لَبْثًا، ولَبَثًا، ولِبَاثًا، ولَبَاثًا: ٹھہرنا۔ (اَحْقَابًا) قرنوں، بے انتہا زمانے، اسم جامد، حُقْبٌ (''حاء'' کا ضمہ اور ''قاف'' کا سکون) اور حُقُبٌ (''حاء'' اور ''قاف'' دونوں کا ضمہ) کی جمع ہے، ''حِقَابٌ'' اور ''اَحْقُبٌ'' بھی جمع آتی ہے۔ حُقْبٌ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں: اسی سال، ستر سال، اسی سال کے کچھ اوپر، چالیس سال، تین سو سال، تیس ہزار سال، ستر ہزار سال، بے انتہا زمانہ، بہت سے محققین نے آخری معنی (بے انتہا زمانہ) کو اختیار کیا ہے، حضرت ''تھانوی'' نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (لَا يَذُوْقُوْنَ): وہ نہیں چکھیں گے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث ''فعل مضارع مثبت معروف'' ذَاقَ الشَّيْءَ (ن) ذَوْقًا، ذَوَاقًا، مَذَاقًا: چکھنا۔ (بَرْدًا) ٹھنڈک، سردی، (شَرَابًا) پینے کی چیز، ج: أَشْرِبَةٌ، شَرِبَ الْمَاءَ (س) شُرْبًا: پینا۔ (حَمِيْمًا) نہایت گرم (کھولتا ہوا) پانی۔ صرفی اعتبار سے یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، باب ''سمع'' سے، ج: حَمَائِمُ، حَمَّ الْمَاءُ (س) حَمَمًا: گرم ہونا۔ (غَسَّاقًا) دوزخیوں کے زخم سے بہنے والی پیپ (۲)۔ (جَزَاءً) بدلہ دینا، مصدر، جَزَى الرَّجُلَ بِكَذَا، وعلى كذا (ض) جَزَاءً: بدلہ دینا۔ (وِفَاقًا) موافق ہونا، مصدر باب مفاعلت کا۔ وَافَقَهُ مُوَافَقَةً وَوِفَاقًا: موافق ہونا، ''وِفَاقًا'' جَزَاءً کی صفت ہے اور مصدر اسم فاعل (مُوَافِقًا) کے معنی میں ہے۔ اور جزاءً وفاقًا کے معنی ہے: ایسا بدلہ جو اعمال کے موافق ہو (۳)، یعنی جیسا عمل ویسا ہی بدلہ، اسی کی بامحاورہ تعبیر کی گئی ہے: ''پورا پورا بدلہ''۔ (لَا يَرْجُوْنَ) وہ اندیشہ نہیں رکھتے ہیں، وہ توقع نہیں رکھتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب بحث فعل مضارع منفی معروف يَرْجَاهُ (ن) رَجَاءً، رَجْوًا، رُجُوًّا، رَجَاوَةً، مَرْجَاةً: امید کرنا، اندیشہ کرنا۔ (حِسَابًا) مصدر باب مفاعلت کا، حَاسَبَهُ مُحَاسَبَةً وَحِسَابًا: بدلہ دینا، حساب لینا۔ (كَذَّبُوْا): جھٹلایا انہوں نے، صیغہ جمع مذکر غائب بحث ''فعل ماضی مطلق مثبت معروف'' باب تفعیل سے (كِذَّابًا) جھٹلانا، مصدر، باب تفعیل کا (۴) كَذَّبَ تَكْذِيْبًا وكِذَّابًا: جھٹلانا۔ كِذَّابًا کی تفسیر صاحب روح نے اس طرح کی ہے ای: تكذيبا مفرطا (خوب جھٹلانا) غالبًا اس طرف اشارہ ہے کہ ''كِذَّابًا'' کی تنوین تکثیر کے لیے ہے، حضرت تھانوی کا ترجمہ صاحب ''روح'' کی اس تفسیر کے مطابق ہے۔ (آيَاتِنَا) اسم جامد، ہماری آیتیں، ''آيَةٌ'' کی جمع ہے، ''آيٌ'' بھی جمع آتی ہے ''آيَةٌ'' کے اصلی معنی ہے: ظاہری علامت (۵) قرآنی آیت بھی چونکہ معجزہ ہونے کی وجہ سے اس ذات گرامی کے سچے ہونے کی علامت ہے؛ جس پر قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ اس

---

(۱) المفردات القرآن: ۲۹، واعراب القرآن: ۱/۴۰۴ (آل عمران، ع:۲) ولغات القرآن: ۵/۲۶۰۔ (۲) مزید تفصیل کے لیے لغات القرآن وصرفہ کو دیکھیے۔ (۳) روح: ۱۶/۲۶، زکریا۔

(۴) اس وزن پر بھی باب تفعیل کا مصدر آتا ہے جیسے: قِصَّارٌ، قَصَّرَ الشَّعْرَ تَقْصِيْرًا وقِصَّارًا: بالوں کو چھوٹا کرنا (روح ۱۵/۱۸)

(۵) قال تعالیٰ: إن آية ملكه الخ: اس کی سلطنت کی نشانی: پارہ: ۲، رکوع: ۱۶۔

لیے اس کو آیت کہا جاتا ہے (۱)۔ مزید لغات القرآن وسرلہ میں۔

(أَحْصَيْنَا) ہم نے ضبط کر رکھا ہے، گن رکھا ہے، صیغہ جمع متکلم بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب "افعال" سے، أحصى يُحصِي إحصَاءً: کنکریوں سے گننا، یہ اس کے اصلی معنی ہے، اس کے بعد مطلق گننے کے معنی میں استعمال ہونے لگا (۲)۔ (كِتَابًا): لکھنا، مصدر "نصر" سے، یہاں اسم مفعول (مکتوب) (لکھا ہوا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، بعض حضرات نے مصدری معنی پر محمول کیا ہے اور ترکیب میں "احصیناہ" کا "مفعول مطلق" قرار دیا ہے، لفظاً اگر چہ دونوں کے الگ الگ ہیں لیکن احصاء (گننا) اور کتاب (لکھنا) دونوں ضبط کے معنی میں شریک ہیں، اس لیے "کتابا" "احصیناہ" کا مفعول مطلق بن سکتا ہے، اس لیے کہ مفعول مطلق کے لیے پہلے فعل کے معنی میں ہونا ضروری ہے، اور لفظ (مادہ) میں اتحاد ضروری نہیں ہے اور جن حضرات نے اس کو اسم مفعول کے معنی میں لیا ہے، ان کے نزدیک یہ حال ہے (۳)۔ حضرت "تھانوی" کا ترجمہ: "لکھ کر ضبط کر رکھا ہے" اسی کے مطابق ہے۔ كَتَبَ (ن) كَتْبًا، كِتَابَةً، كِتَابًا: لکھنا۔ (لن نَزِيدَ) ہم ہرگز نہیں بڑھائیں گے صیغہ جمع متکلم، بحث "فعل مستقبل نفی تاکید بلن" باب "ضرب" سے، زَادَ الشيءُ وَزَادَهُ (ض) زِيَادَةً وزَيْدًا: زیادہ ہونا، زیادہ کرنا، (لازم ومتعدی) (عَذَابًا): اسم مصدر (۴) وزن اور معنی دونوں لحاظ سے نکال کی طرح ہے، یعنی: ایسی سزا دینا جو مجرم کو جرم سے روک دے، بعد میں اس کے مفہوم میں وسعت ہوئی اور ہر سخت سزا و تکلیف کے لیے استعمال ہونے لگا اگر چہ وہ "نکال" نہ ہو، نیز کسی جرم کی سزا بھی نہ ہو، بلکہ ابتداءً کسی کو سخت سزا دی گئی ہو، حتی کہ بطور استعارہ امور شاقہ (مشکل امور) کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا، چنانچہ کہا جاتا ہے: "السَّفَرُ قِطْعَةٌ من العذاب" (سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے) (۵)۔

ترکیب: (إنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا، يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا) إن اور اس کا اسم (کان) فعل ناقص ضمیر (ھو پوشیدہ) راجع (یوم الفصل) کی جانب، محلاً مرفوع اس کا اسم، میقاتاً خبر، اور جملہ "کان......" محلاً مرفوع خبر إن کی (يَوْمَ يُنْفَخُ) مرکب اضافی ہو کر بدل "یوم الفصل" سے (فی الصُّوْرِ) جار مجرور نائب فاعل (ینفخ) کا (۶) (فتاتون) "فا" فصیحہ (۷) جو جملہ محذوفہ پر عطف کے لیے لائی گئی ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: فَتُحْيَوْنَ فَتُبْعَثُوْنَ من قبوركم

---

(۱) روح: ۳۸۲/۱، پارہ: ۱، رکوع: ۴۔ (۲) روح ۳۴۸/۸ (پارہ: ۱۳، سورہ "ابراہیم") (۳) روح ۱۹/۱۵۔ (ملتان) (۴) اسم مصدر کی وضاحت مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۵) مفردات القرآن للامام راغب الاصفہانی: ۳۳۰، ولغات القرآن: ۲۶۳/۴ (۶) روح ۳۴/۳۱ تحت قولہ تعالیٰ: "فاذا نفخ فيه اخرى" (پارہ: ۲۴، رکوع ۴) واضح ہو کہ جار مجرور بھی نائب فاعل بنتا ہے۔ (شرح شذور الذہب: ۱۵۹)

(۷) فا فصیحہ: وہ "فا" ہے جو محذوف پر دلالت کرے۔ اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) وہ محذوف ایسا معطوف علیہ ہو جس پر فا عاطفہ داخل ہو اور "فا" سمیت اس کو حذف کر دیا گیا ہو، اس وقت یہ "فا" اس محذوف پر عطف کے لیے ہوگی۔ جیسے "قرآن" کریم میں ارشاد باری ہے: "وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ" "اور جب "موسیٰ" نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے، ہم نے حکم دیا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو! بس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے (بیان القرآن) اس آیت میں ←

فتأتون الخ فتحت کا ینفخ پر اور بعد والے جملوں کا اپنے سے پہلے والے جملہ پر عطف ہے۔ یعنی تَأْتُوْنَ کا يُنْفَخُ پر اور تَأْتُوْنَ کا يُنْفَخُ پر، (فتأتون) فعل بافاعل (افواجا) فاعل کی "و" ضمیر سے حال (فُتِحَتْ) معطوف "يُنْفَخُ" یا "فتأتون" پر(۱) (فكانت ابوابا) "فا" عاطفہ اور جملہ: (کان) معطوف (فُتِحَتْ) پر (ابوابا) (کانت) کی خبر(۲) (وَسُيِّرَتْ) معطوف "فتحت" یا "ینفخ" پر، (فكانت سرابا) "فا" عاطفہ اور کانت اپنے اسم ضمیر اور "سرابا" خبر سے مل کر جملہ معطوف (سُيِّرَتْ) پر۔ (ان جهنم) انّ اور اس کا اسم (كانَتْ) فعل ناقص "هِيَ" ضمیر پوشیدہ محلا مرفوع اسم، (مرصادا) خبر اور جملہ: "کانت......" محلا مرفوع خبر انّ کی (للطاغين) جار مجرور سے مل کر متعلق مقدم "مآبا" کا، اور مآبا خبر ثانی کانت کی(۳) (لابثين) حال "الطاغين" سے (فيها) لابثين کے متعلق، (احقابا) مفعول فیہ (لابثين) کا (لایذوقون) حال لابثين کی ضمیر سے، (فيها) (لایذوقون) کے متعلق، (بَرْدًا) مفعول بہ لایذوقون کا (وَلَا شَرَابًا) "واؤ" عاطفہ (لا) زائدہ نفی کے معنی کی تاکید کے لیے(۴) (شرابا) معطوف (بَرْدًا) پر (اِلَّا حَمِيْمًا) "الا" حرف استثناء (حَمِيْمًا) مستثنی منقطع، (وغساقا) معطوف (حَمِيْمًا) پر۔ (جَزَاءً وِّفَاقًا) موصوف صفت سے مل کر مفعول مطلق، فعل محذوف (جُوْزُوْا) کا(۵) (انهم) اِنّ اور

→ فانفجرت سے پہلے معطوف علیہ "فا" سمیت محذوف ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے: "فضرب فانفجرت" (انہوں نے اپنے عصا کو مارا تو اس سے بہہ پڑے۔)(۲) وہ محذوف شرط مقدر ہو اس وقت "فا" شرط مقدر کے جواب پر ہوگی، اور جزاء کے شرط سے ربط کے لیے ہوگی جیسے: "ولكنّ الله يَجْتَبِيْ من رُسُلِه مَنْ يَشَاءُ فآمنوا بالله وَرَسُوْلِه" (لیکن ہاں! جس کو اللہ تعالی خود چاہیں اور وہ "اللہ تعالی کے پیغمبر" ہیں ان کو منتخب فرماتے ہیں، پس اب اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) (بیان القرآن) اس آیت میں "فآمنوا" سے پہلے شرط مقدر ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: اذا كان كذلك فآمنوا یہ "فا" چونکہ محذوف کو ظاہر کرتی اور اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اس کو فصیحہ کہتے ہیں۔ من "النحو الوافي" مع الهامش: ۳/۲۳۶ و"المعجم المفصل في النحو" ۲/۷۴۹۔ یہاں "فا فصیحہ" کی پہلی شکل ہے۔

(۱) فتحت چونکہ مستقبل کے معنی میں ہے اور تحقق (وقوع) کے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ معطوف علیہ (يُنْفَخُ) مستقبل اور معطوف (فُتِحَتْ) ماضی ہے، اس لیے عطف درست نہ ہونا چاہیے۔ جواب ظاہر ہے کہ لفظ گرچہ معطوف علیہ اور معطوف کے مختلف ہیں، کہ ایک مضارع کا اور دوسرا ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن مراد دونوں سے مستقبل ہی ہے۔ اور "زمخشری" نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عطف کے لیے زمانہ میں توافق شرط نہیں ہے۔ (روح: ۱۵/۱۴)

(۲) اور یہ کلام "تشبیہ" پر مبنی ہے أي: صَارَتْ فُتُوْحُهَا كالأبوابِ: روح: ۱۵/۱۴۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ للطاغین محذوف (کائنا) کے متعلق ہو کر حال مقدم ہو "مآبا" کا، اور (مآبا) خبر ثانی کانت کی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ محذوف کے متعلق ہو کر مرصادا کی صفت ہو، اور مآبا خبر ثانی ہو۔ روح: ۱۵/۱۶۔ (ملتان)

(۴) "لا" عاطفہ نہیں ہے، اس لیے کہ عاطفہ کے لیے منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے نفی نہ ہو (مغنی اللبیب: ۱/ ۲۴۳) اور یہاں لا یذوقون میں نفی آچکی ہے۔ (۵) یہ باب "مفاعلت" سے ہے۔ "نصر" سے نہیں۔

اس کا اسم "کانوا ......" محلاً مرفوع خبر "إنّ" کی (لا یرجون) فعل مضارع منفی معروف، واو ضمیر مرفوع متصل محلاً مرفوع فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ خبر کانوا کی (حِسَابًا) مفعول ہے لا یرجون کا (وَ کَذَّبُوْا) معطوف جملہ: کانوا پر (بآیٰتنا) متعلق (کذّبوا) کا (کِذَّابًا) مفعول مطلق (کذّبوا) کا (وَ کُلَّ شَیْءٍ) واؤ اعتراضیہ "کل شیء" مفعول ہے فعل محذوف (احصینا) کا فعل محذوف اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ معترضہ⁽¹⁾ (احصیناہ) فعل با فاعل، "ہا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول ہے، (کِتٰبًا) مفعول مطلق، یا حال "ہا" ضمیر سے⁽²⁾ (فذوقوا، "فا" سببیہ (ذوقوا) فعل با فاعل (فلن نزیدکم) "فا" تعلیلیہ "نزید" فعل با فاعل "کم" ضمیر منصوب متصل، محلاً منصوب مفعول ہے، الا حرف استثناء "عذابًا" مفعول ہے ثانی⁽³⁾ "نزید" کا۔

محل اعراب و غیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: (إنّ یوم الفصل...) اور جملہ: (إنّ جهنم ...) اور جملہ مقدرہ: (جوزوا) جزاء وفاقا" مستانفہ ہیں⁽⁴⁾۔ اور جملہ: "إنهم کانوا......" معلّلہ ہے اور جملہ: "ذوقوا..." مستانفہ۔⁽⁵⁾ اور جملہ: (لن نزید......) تعلیلیہ اور جملہ: (احصینا ......) کل شیء" معترضہ اور جملہ: (احصیناہ......) مفسرہ ہے، اور ان جملوں میں سے کسی کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے⁽⁶⁾۔ اور جملہ: "ینفخ......" مضاف الیہ ہے لہٰذا یہ اور جو جملے اس پر معطوف ہیں سب محلاً مجرور ہیں۔ اور جملہ: (کانوا...) "إنّ" کی خبر ہے اور جملہ: (کذبوا...) معطوف ہے (کانوا) پر لہٰذا یہ دونوں محلاً مرفوع ہیں، ایک انّ کی خبر ہونے کی وجہ سے اور دوسرا خبر پر معطوف ہونے کی وجہ سے۔ اور جملہ: (لا یرجون......) کانوا کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور

---

(۱) الجملة اعتراض الخ روح ۱۹/۱۵ (ملتان) (۲) اللغة کے تحت تفصیل آچکی ہے۔ (۳) "زاد" یستعمل لازما ومتعدیا إلی اثنین ثانیهما غیر الأول الخ (اعراب القرآن: ۳۶/۱، پارہ: ۱، رکوع: ۲) (۴) روح المعانی، میں جملہ: (جوزوا) جزاء وفاقا" کو مستانفہ قرار دیا ہے۔ ۱۸/۱۵۔

(۵) یہاں "فا" مسبب پر داخل ہے، اس لئے کہ حساب کا اندیشہ نہ کرنا، اور آیات کی تکذیب سبب اور عذاب کا مزہ چکھنا مسبب ہے۔ کما فی الروح ۱۹/۱۶، واعراب القرآن ۲۰۱/۸: "مسبب عن کفرهم بالحساب وتکذیبهم بالآیات" اور اس "فا" کا دخول جملہ مستانفہ پر ہوتا ہے۔ ماخوذ از "زینی زادہ علی الکافیہ" ص: ۱۹۵، تحت اعراب قول صاحب "الکافیة" الذی یطیر فیغضب زید الذباب" وفی الرضی: ۲۶/۴: إن فاء السببیة لا تعطف وجوبا، بل أن یستانف بعدها. اور اعراب القرآن صرفہ میں اس "فا" کو فصیحہ مانا ہے، اور اس سے پہلے شرط مقدر مانی ہے۔ ای: إن کذبتم فی الدنیا اور جملہ: ذوقوا، کو محل جزم میں مانا ہے، اور جملہ شرط مقدر کو قول محذوف کا مقولہ مانا ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: یقال لهم إن کذبتم الخ (اعراب القرآن وصرفہ ۲۲۶/۱۵)

(۶) کن جملوں کے لیے محل اعراب ہوتا ہے اور کن کے لیے نہیں، اس کی تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جملہ "لا یملکون..." حال ہونیکی وجہ سے محلاً منصوب ہیں(۱)۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝۳۱ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے بے شک کامیابی ہے۔ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝۳۲ یعنی باغ اور انگور۔ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝۳۳ اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں۔ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝۳۴ اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝۳۵ وہاں وہ نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝۳۶ یہ بدلہ ملے گا، جو کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝۳۷ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا، اور ان چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان ہیں، رحمٰن ہے، کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا کہ بات کر سکے۔

ربط: اوپر کافروں کے لیے جو فیصلہ ہوگا اسکا ذکر تھا، مذکورہ بالا آیات میں اہل ایمان کے لیے جو فیصلہ ہوگا، اسکا بیان ہے۔

تفسیر: إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا... " خدا سے ڈرنے والوں کے لیے بے شک کامیابی ہے (یعنی کھانے اور سیر کرنے کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور (اس کا تذکرہ اگرچہ باغ کے ضمن میں آچکا ہے لیکن یہاں اس خاص کا تذکرہ عام کے بعد اہتمام شان کے لیے ہے) اور (دل بہلانے کو) نوخاستہ (نوجوان) ہم عمر عورتیں ہیں عورتوں سے مراد جنت کی حوریں ہیں، اور ہم عمر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:- (۱) وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی۔ (۲) وہ اپنے شوہروں کے ساتھ عمر میں مساوی ہوں گی، پہلی صورت میں ان کے ہم عمر ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں محبت، انس اور دوستی کا تعلق ہوگا، سوکنوں کا سا بغض اور نفرت نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں شوہروں کے لیے انتہائی راحت کا موجب ہیں، چنانچہ دنیا کے اندر عام طور پر ایک شخص کی چند بیویوں میں آپس میں انس و محبت کے بجائے نفرت و عداوت ہونے کی وجہ سے یہ چیز ان کے شوہر کے لیے ایک عذاب بنی رہتی ہے، اور دوسری صورت میں ہم عمر ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا؛ اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال رکھا جائے گا۔(۲) (وَكَأْسًا دِهَاقًا) اور پینے کو) لبالب (اوپر تک) بھرے ہوئے جام شراب ہیں۔ (لا يسمعون...) وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ یعنی جنت میں بیہودہ بکواس یا جھوٹ فریب کچھ نہ ہوگا، نہ کوئی کسی سے جھگڑے گا، کہ جھوٹ بولنے اور مکر نے کی ضرورت پیش آئے۔ (جزاء وِفَاقًا...) یہ (ان کو ان کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا، جو کافی انعام ہوگا، آپ کے رب کی طرف سے، جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان دونوں (آسمان اور زمین) کے درمیان ہیں (اور جو) رحمٰن ہے اور کسی کو اس کی طرف سے (۳) (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ اس کے سامنے (کسی کی سفارش کے لئے) بات کر سکے۔ مستقل

---

(۱) ترکیب روح المعانی ۱۵/۱۷ا/تا ۱۹اور اعراب القرآن محی الدین اور "اعراب القرآن وصرفہ" سے ماخوذ ہے۔

(۲) روح المعانی ۱۳/۳۱۴ (سورہ:ص) (۳) یہ ترجمہ اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ منہ (لا یملکون) کے متعلق ہے اور خطابا کا مُتَعَلِّق محذوف ہے ای: خِطاباً منہ۔

اختیار کا مطلب یہ ہے کہ جو چاہے کہے اور جس کے لیے چاہے کہے ایسا نہیں ہوگا، بلکہ بولنا بھی مقید ہوگا اور جس کے لیے بولا جائے وہ بھی محدود و متعین ہوگا: جس کی وضاحت (الا من اذن له الرحمن) میں آرہی ہے۔

اللغة: (المتّقین) ڈرنے والے، بچنے والے، اَلْمُتَّقِیْ اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری باب افتعال سے، مصدر "اِتّقاء": بچنا، اور چونکہ کسی چیز سے بچنا اس سے ڈر اور خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ ڈرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے(۱)۔ (مَفَازًا) کامیابی (مقصود و مراد کا ملنا اور حاصل ہونا)۔ کامیابی کی جگہ، پہلے ترجمہ کی صورت میں یہ مصدر میمی(۲) اور دوسرے ترجمہ کی صورت میں اسم ظرف برائے مکان ہوگا۔ فَازَ (ن) فَوْزًا وَمَفَازًا: کامیاب ہونا۔ (حَدَائِق) حَدِیْقَةٌ کی جمع ہے، ایسا باغ جس کے گرد چار دیواری بنی ہوئی ہو "اِحْدَاق" (افعال) بمعنی "گھیرنا" سے ماخوذ ہے اور حَدِیْقَةٌ بروزن "فَعِیْلَةٌ" املاً بمعنی "مفعولة" (گھیرا ہوا) ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ چار دیواری سے یہ باغ گھرا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس کو حدیقہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے مفہوم میں وسعت ہوئی اور اس باغ پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا جس کی چار دیواری نہ ہو(۳)۔ (اَعْنَابًا) اسم جامد، عِنَب کی جمع مکسر: انگور کا پھل اور اس کی بیل دونوں پر عنب کا اطلاق ہوتا ہے۔ آیت میں دونوں کا احتمال ہے(۴)۔ (کَوَاعِبَ) کَاعِبٌ، اسم فاعل کی جمع مکسر، باب نصر سے، وہ عورت جس کی پستان گول اور ابھار پرکو اٹھی ہوئی ہو(۵)۔ چونکہ ایسا جوانی اور بلوغ کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہوتا ہے، اس لیے حضرت "شیخ الہند" نے اس کا ترجمہ "نوجوان عورتوں" اور حضرت "تھانوی" نے "نوخاستہ عورتوں" سے کیا ہے، نوخاستہ کے معنی بھی نوجوان کے ہے(۶)۔ کَعَبَتِ الجاریةُ (ن) کُعُوْبًا، کِعَابَةً، کُعُوْبَةً لڑکی کا گول اور ابھری ہوئی پستان والی ہونا۔ (اَتْرَابًا): ہم عمر، "تِرْبٌ" بروزن فِعْل بمعنی مُعَارِبٌ "صفت مشبہ" کی جمع مکسر، بحالت نصبی، مذکر و مؤنث دونوں کو "تِرْبٌ" کہتے ہیں، تَارَبَةً مُعَارَبَةً (مفاعلة): ہم عمر ہونا، "مجرد" سے اس معنی میں اس مادہ کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ ہم عمر کو "تِرْبٌ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تُرَابٌ بمعنی مٹی سے ماخوذ ہے۔ ہم عمر چونکہ عام طور پر ایک ساتھ مٹی میں کھیلتے ہیں(۷) یا ولادت کے وقت ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں "تراب" (مٹی) میں گرتے ہیں، اس وجہ سے ہم عمر کو "تِرْب" کہا جاتا ہے(۸)۔ (کَأْسًا) اسم جامد، وہ پیالہ جس میں شراب ہو، بغیر شراب کے خالی پیالہ کو "قَدَحٌ" کہتے ہیں "کاس" نہیں کہتے ہیں، اس کی جمع "کُئُوْس" آتی ہے(۹)۔ (دِهَاقًا) بھرا ہوا، فِعَالٌ (بمعنی مفعول) صفت مشبہ باب "فتح" سے(۱۰) دَهَقَ الكأسَ (ف) دَهْقًا، دِهَاقًا وَا

---

(۱) حاشیہ "بیان القرآن" تحت قولہ تعالی: "هدی للمتقین" پارہ: ۱، رکوع: ۱۔ (۲) مصدر میمی کی تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اعراب القرآن ۵/۳۵۷۔ وروح المعانی: ۱۱/۲، پارہ: ۲۰، رکوع: ۱، وج ۱۶، ۳۰، پارہ: ۳۰، رکوع: ۲۔ ولغات القرآن (مولانا عبد الرشید) ۳/۲۷۲۔ (۴) روح: ۱۶/ ۳۰۔ (۵) اعراب القرآن وصرفه: ۱۵/۲۲۲ وروح: ۱۵/ ۲۰۔ (۶) فیروز اللغات۔

(۷) معارف القرآن ۸/۲۷۲ (سورہ واقعہ) (۸) از اعراب القرآن وصرفه: ۱۲/ ۱۳۳، پارہ: ۲۳، رکوع: ۱۲ وروح المعانی ۱۲/۲۱۳ تحت قولہ تعالی: "وعندهم قاصرات الطرف اتراب" (۹) روح ۱۲/۸۷ (صافات) (۱۰) اعراب القرآن وصرفه ۱۵/۲۲۳۔

دَهَقَهُ (افعال) اِدْهَاقًا: بھرنا، والماءَ: انڈیلنا، گرانا؛ اضداد میں سے ہے (۱)۔ (لَا يَسْمَعُوْنَ) وہ نہیں سنیں گے، صیغہ جمع مذکر غائب بحث فعل مضارع منفی معروف، باب "سمع" سے، سَمِعَ الكلامَ (س) سَمْعًا، وسَمَاعًا: سننا (فِيْهَا) اس میں، ضمیر جنت کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے اور "کاس" کی طرف بھی جو مؤنث سماعی ہے، اس دوسرے احتمال پر "فی" "سببیت" کے لیے ہوگی اور ترجمہ ہوگا: نہیں سنیں گے اس (جام شراب) کی وجہ سے (۲)۔ (لَغْوًا) بے سوچے سمجھے کہی ہوئی بات، بیہودہ بات، ہر گندی بات، ہر غیر معتبر چیز، قول ہو یا فعل، یا ان کے علاوہ، (۳)۔ لَغَا فِي الكلامِ (ن) لَغْوًا ولَغِيَ فيه (س) لَغًى: غلطی کرنا، بیہودہ اور غلط بات کہنا۔ (عَطَاءً): عطیہ، بخشش، انعام، احسان جملہ "اِعْطَاءٌ (بمعنی دینا) کا اسم ہے (۴)۔ یعنی اسم مصدر ہے (۵)۔ اس کی جمع "اَعْطِيَةٌ" اور جمع "اَعْطِيَات" آتی ہے۔ (حِسَابًا): کافی، "اِحساب" مصدر کا اسم ہے یعنی یہ اسم مصدر ہے (۶)۔ اور "مُحْسِبٌ" (اسم فاعل بمعنی کافی) کے معنی میں ہے، اور اَحْسَبَهُ الشيءُ: (کافی ہونا) سے ماخوذ ہے (۷)۔ (رَبِّ) پروردگار، پالنے والا، بطور مجاز خالق، مالک، سید (آقا) صاحب اور ثابت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

صرفی اعتبار سے مصدر (بمعنی تربیت) ہے اور "تربیت" کے معنی ہے: "اِنْشاءُ الشيءِ حالا فحالا الی حد التمام": کسی شی کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اس طرح نشو و نما کرنا کہ حد کمال تک پہنچ جائے، (مفردات القرآن:۱۸۴) واضح ہو کہ لفظ رب اس قول کے مطابق اگرچہ اصلاً مصدر ہے لیکن معنی میں اسم فاعل کے ہے (۸)۔ مزید تفصیل لغات القرآن و صرفہ میں۔ رَبَّ الولدَ (ن) رَبًّا: پرورش کرنا، درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانا۔ (الرَّحْمٰنِ) بڑا مہربان، بہت بخشش کرنے والا، صیغہ مبالغہ باب "سمع" سے (۹) رَحِمَ (س) رَحْمَةً وَمَرْحَمَةً، ورُحْمًا، وَرُحُمًا: نرم دل ہونا، شفقت کرنا، ترس کھانا، رحم کرنا، معاف کرنا۔ (لَا يَمْلِكُوْنَ): ان کو اختیار نہیں ہوگا، صیغہ جمع مذکر غائب بحث فعل مضارع منفی معروف مَلَكَ الشيءَ (ض) مِلْكًا، وَمَلَكَةً وَمَمْلَكَةً: مالک ہونا، اختیار کا ہونا (مِنْهُ): اس کی طرف سے، ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ (خِطَابًا) بات چیت باب مفاعلت کا مصدر؛ خاطَبَهُ مُخَاطَبَةً وَخِطَابًا: بات کرنا۔

ترکیب: (اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَّكَاْسًا دِهَاقًا) (للمتقین) ثابت کے متعلق ہوکر "إنّ" کی خبر مقدم (مَفَازًا) اسم مؤخر (حَدَآئِقَ) بدل "مفازًا" سے (۱۰)۔ (وَكَوَاعِبَ) واؤ عاطفہ، "کواعب" معطوف

---

(۱) مذکورہ، والقاموس الوحید۔ ۱/۵۴۹۔ (۲) روح: ۲۱/۱۵۔ (۳) روح ۱۰/۴، پ: ۱۸، ع: ۱، ولغات القرآن مولانا عبد الرشید ۵/۱۹۸ تا ۲۱۵۔ (۴) حاشیہ النحو الوافی ۲/۲۰۹۔ (۵) اسم مصدر کی وضاحت مقدمہ میں آچکی ہے۔ (۶) صاحب روح نے جو اس کو مصدر کہا ہے تو ان کی مراد "مصدر" سے اسم مصدر ہے۔ اس لیے کہ مصدر کی تعریف مذکورہ معنی کی صورت میں اس پر صادق نہیں آتی ہے جیسا کہ مقدمہ میں اسم مصدر کے تحت اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (۷) روح ۲۱/۱۵۔ (ملتان) (۸) من الروح ۱/۱۳۰ (فاتحہ) واعراب القرآن ۱/۲۹، ۲۸ ولغات القرآن ۲/۳۵۔ (۹) روح المعانی: ۱/۱۰۲ (بسملہ) واعراب القرآن: ۱/۲۴، ولغات القرآن: ۳/۶۱۔

(۱۰) مفازًا کے مصدر میمی ہونے کی صورت میں بدل الاشتمال اور اسم مکان ہونے کی صورت میں بدل بعض ہوگا۔ (روح ۲۰/۱۵)

"حدائق" پر، (أتْرَابًا) "کواعب" کی صفت، (و کأسًا) واو حرف عطف، (کأسًا) معطوف حدائق پر اپنے سے پہلے لفظ (کواعب) پر، (دِهَاقًا) صفت مشبہ "هِیَ" ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، (۱) صیغہ صفت اپنے فاعل سے مل کر صفت (کأسًا) کی۔ (لا یسمعون فیها لغوًا ولا کِذّٰبًا. جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا) (لا یسمعون) فعل مضارع مرفوع باثبات نون، "واو" ضمیر مرفوع متصل محلاً مرفوع فاعل، (فیها) لا یسمعون کے متعلق (لغوًا) مفعول بہ، (ولا کذابا) واو عاطفہ "لا" زائدہ برائے تاکید نفی (کذابا) معطوف (لغوا) پر، (جَزَاءً) فعل محذوف (جُوْزُوْا) کا مفعول مطلق (مِنْ رَبِّكَ) (کائنًا) محذوف کے متعلق ہو کر صفت جزاءً کی، (عطاء) بدل جزاءً سے، (حسابًا) صفت عطاءً کی، مصدر چونکہ صفت واقع نہیں ہوتا ہے لہٰذا یا تو "حسابا" کو اسم فاعل کے معنی میں لینا پڑے گا، یا اس سے پہلے ذا مقدر مانا جائے گا، تقدیری عبارت ہوگی: "ذا حساب" یا یہ کہا جائے کہ مبالغہ کے طور پر مصدر صفت واقع ہو رہا ہے (۲)۔ (رب السموات والأرضِ وَمابینهما الرحمن لایَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا) مضاف، مضاف الیہ سے مل کر بدل (ربك) سے، (والارض) معطوف (السمٰوٰت) پر، (وما بینهما) واو حرف عطف "ما" موصولہ، (بینهما) مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ "وَقَعَ" یا "وُجِدَ" فعل محذوف کا، فعل محذوف اپنے فاعل سے (پہلی صورت میں) یا نائب فاعل سے، (دوسری صورت میں) مل کر صلہ "ما" کا، موصول صلہ سے مل کر معطوف (السموٰت) پر۔ (الرحمٰن) صفت رَبِّ السَّمٰوٰتِ کی (۳)۔ (لا یملکون) فعل با فاعل (منه) متعلق لا یملکون کے، (خِطَابًا) مفعول بہ (لا یملکون) کا، اس کا صلہ یعنی متعلق محذوف ہے، تقدیری عبارت ہوگی: "لا یملکون منه خطابا معه"۔ مِنْهُ ثانی خطابا کا صلہ یعنی مُتَعَلِّق ہے۔

محل اعراب وغیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: "إن للمتقین..." اور جملہ مقدرہ: "(جوزوا) جزاءً" اور جملہ: "لا یسمعون..." (۴)۔ اور اسی طرح جملہ: "لا یملکون..." (۵)۔ سب مستانفہ ہیں، لہٰذا ان کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے (۶)۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ جس روز تمام ذی روح اور

---

(۱) اسم فاعل وغیرہ صفت کے صیغے اپنے فاعل سے مل کر ہی کسی کی صفت وغیرہ واقع ہوتے ہیں (زینی زادہ، علی کافیہ ابن حاجب: ص ۳) لہٰذا جہاں کہیں بغیر فاعل کے تذکرہ کے صیغہ صفت کو صفت قرار دیں مثلاً "باللہ العزیز الحمید" میں کہا گیا ہے العزیز صفت اول اور الحمید صفت ثانی، تو وہ اختصار کے پیش نظر ہے، اس لیے سب جگہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے۔ (۲) روح ۱۵/۲۱۔

(۳) عطف بیان کا بھی احتمال ہے۔ (کمافی الروح) (۴) حدائق کی صفت ہونے کی وجہ سے محل نصب میں بھی ہو سکتا ہے (اع وص) (۵) "الرحمٰن" سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں بھی ہو سکتا ہے۔ اعراب القرآن وصرفه۔ (۶) ترکیب روح المعانی ۱۵/۲۰ سے ماخوذ ہے۔

فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ کوئی بول نہ سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اجازت دیدے اور بات بھی ٹھیک کہے۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۞ یہ یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞ ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ جس دن ہر آدمی دیکھ لے گا ان اعمال کو جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

ربط: مذکورہ آیت (لا یملکون...) میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سامنے کوئی لب نہیں ہلا سکتا، وہی مضمون (یوم یقوم...) میں دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے(۱)۔

تفسیر: (يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۞) جس روز تمام ذی روح (جاندار) اور فرشتے (خدا کے روبرو) صف بستہ (خشوع و خضوع کے ساتھ) کھڑے ہونگے اس روز کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمان (بولنے کی) اجازت دیدے اور بات بھی ٹھیک کہے۔ روح کے معروف معنیٰ (جان) میں رکھ کر اس سے پہلے مضاف "ذو" پوشیدہ مان کر تفسیر کی گئی ہے، اور ذی روح (جانداروں) میں گرچہ فرشتے بھی داخل تھے، اس کے باوجود ان کا تذکرہ تخصیص بعد تعمیم ہے، یعنی عام کے بعد خاص کو ذکر کر دیا گیا ہے، اور ٹھیک بات کہنے سے مراد یہ ہے کہ اسی کی سفارش کرے جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کے یہاں چل سکتی ہے(۲)۔ اور وہ شخص وہ ہے جو دنیا میں ایمان کے ساتھ متصف رہا ہو، گرچہ اعمال میں اس سے کوتاہی ہوئی ہو۔ اس لیے کہ کافر کے حق میں سفارش قبول نہیں کی جائے گی؛ بلکہ اس کے لیے سفارش ہی نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ بلا اجازت اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی مجال نہیں کہ لب ہلا سکے، اور اجازت کے بعد بھی بولنا محدود و مقید ہوگا، کہ صرف اسی کے لیے بولے اور سفارش کرے، جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو سکتی ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ جو چاہے بولے اور جس کے حق میں چاہے بولے؛ مستقل اختیار سے جس کی نفی اوپر کی گئی ہے یہی مراد ہے۔

(ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا......) (یہ دن جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے، اور جس میں کافر اور اہل ایمان کے لیے ہونے والے فیصلہ کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے) یقینی دن ہے (یعنی اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے) سو جس کا جی چاہے (اس کے حالات سن کر) اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے (یعنی نیک عمل کرے تا کہ وہاں اچھا ٹھکانا ملے۔ آگے اتمام حجت ہے کہ لوگو!) ہم نے تم کو نزدیک آنیوالے عذاب سے ڈرا دیا ہے، لہٰذا یہ نہ کہنا کہ ہمیں ڈرایا نہیں گیا؛ قریبی عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے، چونکہ اس کا آنا یقینی ہے اس لیے اس کو قریب سے تعبیر کر دیا گیا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے: "مَا اَبْعَدَ مَا فَاتَ وَمَا اَقْرَبَ مَا هُوَ آتٍ" جو ہاتھ سے نکل گیا وہ کتنا دور ہے، اور جو آنے والا ہے وہ کتنا قریب

---

(۱) الجملة استئناف، مقرر لمضمون قوله تعالىٰ: "لا يملكون" (روح: ۲۳/۱۵)

(۲) صوابا أي: حقا من الشفاعة لمن ارتضى۔ روح ۲۳/۱۵۔

جس دن ہر شخص دیکھ لے گا ان (اعمال) کو جو اس
ہے(۱)۔ (یوم ینظر...) (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے)
کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور کافر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ حضرت "عبداللہ ابن عمرؓ" سے
روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی (ہموار) ہو جائے گی، جس میں انسان، جنات اور زمین پر چلنے
والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کردئے جاوینگے، اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر دنیا میں ظلم کیا تھا تو
اس سے اس کا انتقام دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا تھا، تو آج اس کا
بھی بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی، تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ! وہ سب مٹی ہو جائیں گے۔
اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی جانور ہوتے اور اِس وقت مٹی ہو جاتے؛ تو حساب وکتاب اور "جہنم" کی
سزا سے بچ جاتے(۲)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کے عذاب اور سختی سے اپنی پناہ میں رکھے!۔

اللغة: (یقوم) کھڑا ہوگا، واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، قام (ن) قیاما: کھڑا ہونا، سے۔
(الرُّوْحُ) اسم جامد، جان، یہ اس کے مشہور بلکہ اصلی معنی ہے، اسی معنی کو حضرت "تھانویؒ" نے اختیار کیا ہے۔ اور اس سے پہلے
"ذو" مضاف مان کر آیت کی وہ تفسیر کی ہے، جو اوپر آچکی ہے۔ (مزید تفصیل "لغات القرآن وصرفہ" میں)
(المَلَائِکَۃُ) فرشتے، "مَلْئَكٌ" بروزن "شَمْأَلٌ" کی جمع ہے، اور "مَلْئَكٌ" مقلوب(۳) ہے۔ "مَأْلَكٌ" کا جو بقول
"کسائی" صفت مشبہ کا صیغہ ہے(۴) أَلَكَ (ض) أَلُوْكًا وأَلْكًا: پیغام پہنچانا، وبین القوم: قاصد بننا، سے، فرشتہ چونکہ
اللہ تعالیٰ کا پیغام نبی تک پہنچاتا ہے اس لیے اس کو ملک کہتے ہیں اور چونکہ یہ "أَلَكَ" سے مشتق ہے لہذا میم زائد، اور ہمزہ، لام
اور کاف اصلی حروف ہوں گے۔ مَأْلَكٌ سے ملک اس طرح بنا کہ اول قلب مکانی کیا گیا۔ یعنی حروف کی جگہ بدل دی گئی، اس
طرح کہ "ہمزہ" کو "لام" کی جگہ اور "لام" کو ہمزہ کی جگہ رکھ دیا گیا، "مَلْئَكٌ" ہوگیا، اس کے بعد "یسأل" کے قاعدہ کے
مطابق ہمزہ کی حرکت (فتحہ) لام کو دیکر ہمزہ کو حذف کردیا گیا، ملک ہوگیا(۵)۔ (صفًا) صف بستہ، مصدر، اور یہاں اسم فاعل
کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صَفَّ القومُ (ن) صَفًّا: صف بستہ ہونا۔ (لَا یَتَکَلَّمُوْنَ) وہ نہیں بولیں گے، صیغہ جمع مذکر
غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، باب تفعل سے، تکلّمٌ مصدر: بولنا۔ (اَذِنَ) اجازت دے، صیغہ واحد مذکر غائب،
بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اَذِنَ له وفیه (س) إذْنًا: اجازت دینا، (قال) کہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی
مطلق مثبت معروف، قال (ن) قَوْلًا، مَقَالًا، قِیْلًا، مَقَالًا، مَقَالَةً، قَوْلَةً: کہنا بولنا۔ (صَوَابًا) درست "إِصَابَةٌ" مصدر کا اسم

---

(۱) اولأنه قریبٌ بالنسبة إلیه عز وجل، اویقال: البرزخ داخل فی الآخرة مبدؤه الموت، وهو قریب حقیقة الخ
(روح ۲۵/۱۵) (۲) معارف القرآن ۶۵۹/۷۔ (۳) یعنی اس کی اصل "مَأْلَكٌ" تھی، مَأْلَكٌ کے حروف کی جگہ کو بدل دیا گیا ہے، اس
طرح کہ لام کو ہمزہ کی جگہ اور ہمزہ کو لام کی جگہ رکھدیا گیا مَلْئَكٌ ہوگیا۔ (۴) معلوم ہوا ملك اصل کے اعتبار سے صفت مشبہ ہے۔
(۵) روح: ۳۳۸/۱ (زکریا) پارہ: ۱، رکوع: ۴۔

ہے یعنی اسم مصدر ہے(۱)۔ أَصَابَ السَّهْمُ إِصَابَةً (افعال): تیر کا نشانہ پر لگنا۔ وَالرَّجُلُ: درست کرنا۔ وَالشَّيْءَ: درست سمجھنا۔ (الحق) واقعی، یقینی، اصلاً مصدر ہے(۲)۔ یہاں صیغۂ صفت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یا یہ کہا جائے کہ مبالغۃً الیوم کی صفت واقع ہے۔ حَقَّ الْأَمْرُ (ض) حَقًّا، حَقَّةً، حُقُوْقًا: ثابت ہونا، سچا ہونا، واجب ہونا، لائق ہونا، (والامرَ ثابت کرنا، یعنی لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یہاں پہلے معنی (ثابت کے معنی میں) میں استعمال ہوا ہے۔ جس کی تعبیر واقعی، اور یقینی سے کی گئی ہے۔ (شَاءَ) چاہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ شَاءَ (ف) شَيْئًا وَمَشِيْئَةً: چاہنا۔ (اِتَّخَذَ) بنالے، بنا رکھے، صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افتعال سے۔ ”بصریین“ کے نزدیک اس کی اصل ”اِتْتَخَذَ“ ہے، پہلی ”تا“ اصلی (مادہ کی) اور دوسری ”تا“ افتعال کی ہے اور مادہ ”تَخَذَ“ ہے، تا کا تا میں ادغام کر دیا گیا۔ ”اِتَّخَذَ“ ہو گیا اور کوفیین کے نزدیک اس کی اصل ”اِئْتَخَذَ“ بروزن ”اِفْتَعَلَ“ ہے اور مادہ (اَخَذَ) ہے، دوسرے ہمزہ کو ”ایمان“ کے قاعدہ سے ”یا“ سے بدل دیا گیا، اس کے بعد ”یا“ کو باب افتعال کے تا کلمہ کی جگہ واقع ہونے کی وجہ سے، ”تا“ سے بدل کر ”تا“ کا ”تا“ میں ادغام کر دیا گیا، ”اتخذ“ ہو گیا(۳)۔ (اَنْذَرْنَاكُمْ) ہم نے تم کو ڈرا دیا ہے۔ صیغہ جمع متکلم بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب ”افعال“ سے ”اِنْذَار“ مصدر: ڈرانا، بات کا پہنچانا، زیادہ تر اس کا استعمال عذاب الٰہی سے ڈرانے کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔(۴) (قَرِيْبًا) نزدیک، صفت مشبہ، باب ”کَرُمَ“ سے۔ قَرُبَ الشَّيْءُ ومنه واليه (ك) قُرْبَةً وقَرَابَةً، وقُرْبىٰ وَمَقْرَبَةً: نزدیک ہونا۔ (يَنْظُرُ) دیکھے گا، صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع مثبت معروف، نَظَرَهٗ واليه (ن) نَظَرًا ونَظَرًا: دیکھنا۔ (مَا قَدَّمَتْ): جو آگے بڑھایا، اس کے شروع میں ”ما“ موصولہ ہے، جس سے اعمال مراد ہیں اور ”قَدَّمَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف ہے، باب تفعیل سے۔ قَدَّمَ الشَّيْءُ والشَّيْءَ تَقْدِيْمًا: آگے ہونا، آگے کرنا، لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے: یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔ (الْكَافِرُ) شریعت، یا نبوت، یا خدا، یا تینوں کا منکر، ناشکرا، صیغۂ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، كَفَرَ بِاللهِ، اَوْ بِالنُّبُوَّةِ، اَوْ بِالشَّرِيْعَةِ (ن) كُفْرًا وَكُفْرَانًا: اللہ تعالیٰ یا نبوت، یا شریعت کا انکار کرنا، وبِنِعْمَةٍ وبِنِعَمِهٖ: نعمت کی ناشکری کرنا۔ کافر کے اور بھی معانی آتے ہیں، مراد کے مطابق جو معنی تھے وہ ہم نے ذکر کر دیے ہیں۔ (ترابا) مٹی، اسم جامد جنس ج اَتْرِبَةٌ وَتُرْبَانٌ(۵)۔

ترکیب: (يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا. لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا) ”يَوْمَ“ مضاف ”يَقُوْمُ“ فعل مضارع مرفوع، عامل، ناصب و جازم سے خالی ہونے کی وجہ سے، (الرُّوْحُ) فاعل، واو عاطفہ (الْمَلٰئِكَةُ)

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ ۱۵/۲۲۳۔ (۲) وهو في الأصل مصدر ”حقّ“ روح ۱/۳۳۶ پ: ۱، ع: ۳ وفي ج ۱۵/۲۲: الثابتُ الكائنُ لا محالة. (۳) من الروح، ۹/۷، پارہ: ۱۶، رکوع: ۱۔ تحت قوله تعالى: ”لو شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا“ یہاں ایک اشکال ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے ”لغات القرآن وصرفہ“ (۴) روح ۱/۲۱۲ (زکریا) پارہ: ۱/ رکوع: ۱۔ (۵) مصباح اللغات۔

معطوف "الرُّوْحُ" پر (صَفًّا) اسم فاعل کے معنی میں ہو کر حال "الروح والملائكة" سے (۱) يَقُوْمُ فعل اپنے فاعل سے ملکر مضاف الیہ "یوم" کا "یوم" مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا (لَا يَتَكَلَّمُوْنَ) کا، "لَا يَتَكَلَّمُوْنَ" فعل واؤ ضمیر مرفوع متصل محلا مرفوع فاعل "إِلَّا" حرف استثناء (مَنْ أَذِنَ) "مَنْ" موصولہ محلا منصوب، مستثنی (أَذِنَ) فعل "الرَّحْمٰنُ" فاعل، واو حرف عطف "قَالَ" فعل، ضمیر پوشیدہ (هو) محلا مرفوع فاعل، "صَوَابًا" صفت "قولًا" محذوف کی، اس سے پہلے "ذَا" مضاف پوشیدہ مانا جائے گا، تقدیری عبارت ہوگی: قولًا ذَا صَوَاب، موصوف صفت سے ملکر مفعول مطلق، قَالَ فعل کا، فعل فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر معطوف ہوا (أَذِنَ...) پر، معطوف علیہ معطوف سے مل کر صلہ ہوا من موصول کا۔ (ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ) ذٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا "الْيَوْمُ" خبر "الْحَقُّ" صفت اليوم کی، اور یہ ترکیب بھی ممکن ہے کہ "اليوم" بدل "ذالك" سے اور "الحق" خبر، لیکن ترجمہ کے مطابق پہلی ترکیب ہے، اور دوسری ترکیب کے مطابق ترجمہ ہوگا: یہ دن واقعی ہے۔ (فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا...) "فا" فصیحہ (شرط محذوف کے جواب پر) تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "إِذَا كَانَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ" "من" اسم شرط محلا مرفوع مبتدا شاء فعل ماضی مبنی علی الفتح محلا مجزوم، "مَنْ" کی وجہ سے، ضمیر پوشیدہ "هو" راجع مَنْ کی طرف، محلا مرفوع فاعل، مفعول بہ "اِتِّخَاذَ الْمَاٰبِ" محذوف، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط، اور جملہ: "شَاءَ" محلا مرفوع خبر من شرطیہ کی (۲) اور مبتدا خبر سے مل کر جزا ہوئی شرط محذوف کی۔ (اتَّخَذَ) فعل با فاعل "إِلٰى رَبِّهٖ" متعلق مقدم "مَاٰبًا" مصدر کا، مَاٰبًا اپنے متعلق سے مل کر مفعول بہ ہوا اتخذ فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزا، (إِذَا كَانَ الْأَمْرُ كذالك) کی (إِنَّا) "إِنَّ" اور اس کا اسم، (انذرنا) "نا" ضمیر مرفوع متصل، محلا مرفوع، فاعل "کم" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر خبر "إِنَّ" کی (عذابًا) مفعول بہ ثانی "أنذرَ" فعل کا "قريبًا" صفت "عذابا" کی (يوم يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ) مفعول فیہ "كائنا" محذوف کا، كائنا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر صفت ثانی "عذابا" کی، (ينظر المرء...) فعل با فاعل "ما" موصولہ محلا منصوب مفعول بہ "ينظر" فعل کا "قدمت" صلہ، (يداه) فاعل، قَدَّمَتْ کا (وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا) واؤ عاطفہ يقول معطوف "ينظر" پر "الكافر" فاعل يقول کا "يا" برائے تنبیہ لیت حرف مشبہ بالفعل اور "نون" نون وقایہ "یا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، اسم (كُنْتُ) فعل ناقص "تُ" ضمیر محلا مرفوع، اس کا اسم ترابًا خبر كُنْتُ کی، كُنْتُ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر خبر لیت حرف مشبہ بالفعل کی اور لیت حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم وخبر سے مل کر مقولہ يَقُوْلُ فعل کا۔

---

(۱) یہ ترکیب بھی ممکن ہے کہ صفًّا مفعول مطلق "يَصُفُّوْنَ" فعل محذوف کا اور یصفون حال ہوا، الروح والملائكة سے (اعراب القرآن ۸/۲۰۳) (۲) "من" شرطیہ کی خبر کے سلسلہ میں تین قول ہیں: (۱) صرف جملۂ شرط خبر ہے، اور یہ اس خبر کے قبیل سے ہے، جس کے معنی مبتدا سے مل کر بذات خود تام نہیں ہوتے ہیں، بلکہ دوسری چیز سے جو اس سے متصل ہے اس کے معنی تام ہوتے ہیں، اور وہ دوسری چیز یہاں جزاء ہے (۲) صرف جواب خبر ہے (۳) شرط اور جواب دونوں کا مجموعہ خبر ہے، ارجح پہلا قول ہے۔ (النحو الوافی ۴/۴۴۴)

محل اعراب وغیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: (یقوم...) یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ محل جر میں ہے اور جملہ: "لا یتکلمون..." کے لیے مستانفہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے، جملہ: "اذن..." صلہ ہے اور جملہ: (قال...) کا اس پر عطف ہے لہٰذا ان دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور جملہ "ذالك..." مستانفہ ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور جملہ "فمن شاء..." کے لئے "اذا" (محذوف) کا جواب ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور جملہ: "اتخذ..." کے لیے "فاء" کے ساتھ مقرون نہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں، اور جملہ: "انا انذرنا کم..." مستانفہ ہے، اور جملہ انذرنا کم..." "انّ" کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور جملہ: "ینظر..." یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے اور جملہ: "قدمت.." کے لیے "ما" کا صلہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے اور جملہ "یقول" جملہ "ینظر" پر معطوف ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے اور جملہ: "لیتنی..." مقولہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور جملہ "کنت..." لیت کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے(۱)۔

(۷۹) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۸۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں۔ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ اور جو بند کھول دیتے ہیں۔ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہے۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ (قیامت ضرور آئے گی) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی۔ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی۔ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے۔ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ ان کی آنکھیں جھک رہی ہونگی۔

ربط: پہلی سورت میں قیامت کا امکان، اس کا وقوع، اور اس کے واقعات کا بیان تھا، نیز مکذبین کے لیے وعید مذکور تھی، اس سورت میں بھی تقریباً یہی مضامین ہیں۔ شروع میں قیامت کے وقوع، اور اس کے کچھ واقعات کا بیان ہے، پھر "هل اتاك..." میں قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے لیے تخویف (ڈرانے کا) اور اس تکذیب پر حضور ﷺ کے لیے تسلی کا مضمون ہے؛ پھر "ءانتم..." میں قیامت کے امکان کا بیان ہے۔

ابتدائی آیات کا مضمون: مذکورہ بالا آیات میں ملائکہ کی چند صفات کو بیان کر کے ان کی قسم کھائی گئی ہے اور

---

(۱) ترکیب روح المعانی ۱۵/۱۲۳ اعراب القرآن لمحی الدین ۸/۲۰۳ واع وص ۱۵/۲۲۲ سے ماخوذ ہے۔

جواب قسم کو بدلالت حال حذف کردیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ: "قیامت ضرور آئے گی"۔ فرشتوں کی قسم کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہوسکتی ہے کہ اگرچہ فرشتے اس وقت بھی تمام عالم کے نظم ونسق میں دخل رکھتے اور اپنی خدمت بجالاتے ہیں، لیکن قیامت کے روز مادی اسباب کے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے، اور غیر معمولی حالات وواقعات پیش آئیں گے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام آئیں گے۔ اور چونکہ مقصود قیامت کے حق ہونے کو بیان کرنا ہے، اس لیے فرشتوں کی وہ صفات بیان کی گئی ہیں، جن کا تعلق انسان کی موت اور روح نکالنے سے ہے، اس لیے کہ ہر انسان کی موت اس کے لیے ایک جزوی قیامت ہے اسی لیے کہا گیا ہے: "من مات فقد قامت قیامتہ" اس کے بعد آیات کی تفسیر ملاحظہ کریں! (والنّٰزِعٰتِ غَرْقاً...) قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو (کافروں کی جان) سختی سے نکالتے ہیں، مراد اس سے عذاب کے وہ فرشتے ہیں، جو کافروں کی روح سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالتے ہیں۔ حضرت "عبداللہ بن مسعودؓ" نے فرمایا: فرشتے کافر کی روح کو اس کے پورے جسم حتی کہ ناخن، بال اور پیروں کے نیچے سے نکال کر اس کے جسم میں اس کو اوپر نیچے غوطے دیتے ہیں۔ پھر اوپر کو کھینچتے ہیں، اور جب نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو پھر نیچے چھوڑ دیتے ہیں؛ یہی عمل کئی بار کرتے ہیں(۱)۔

سختی سے مراد: لیکن اس سے مراد روحانی سختی اور تکلیف ہے، لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو۔ اسی لیے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے، مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے اس کی روح پر جو سختی اور اس کو جو تکلیف ہو رہی ہے، اس کو کون دیکھ سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالی کے خبر دینے ہی سے معلوم ہوسکتی ہے؛ اس لیے اس جملہ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کفار کی روح کو سختی سے نکالا جاتا ہے(۲)۔

(وَالنّٰشِطٰتِ نَشطاً...) اور جو (مسلمانوں کی روح اس طرح آسانی سے نکالتے ہیں گویا ان کا) بند کھول دیتے ہیں۔ جس طرح بند کھول دینے سے پانی وغیرہ بڑی آسانی کے ساتھ نکل جاتا ہے؛ اسی طرح مومنین کی روح بڑی آسانی کے ساتھ نکالی جاتی ہے۔ یہاں بھی آسانی سے مراد روح کی آسانی ہے، جسم کی آسانی نہیں ہے، اس لیے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت روح نکلنے میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر سختی ہو رہی ہے، گرچہ جسمانی طور پر سختی دیکھی جارہی ہو(۳)۔

(وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا) اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں یعنی روح نکالنے کے بعد ایسی تیزی اور سہولت ونرمی سے چلتے ہیں، جیسے پانی پر تیر رہے ہوں۔ (فَالسّٰابِقَاتِ سَبْقًا) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں یعنی ان ارواح کے بارے میں جو خدا کا حکم ہوتا ہے، اس کی تعمیل اور انجام دہی کے لیے تیزی سے دوڑتے ہیں۔ (فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں یعنی ارواح کے متعلق جو حکم اللہ کی طرف سے، ثواب یا عذاب کا ہوتا ہے، اس کی تدبیر (یعنی انتظام) کرتے ہیں، یہاں تک قسم ہوئی۔ اور جواب قسم محذوف ہے (لَتُبْعَثُنَّ): تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یعنی قیامت ضرور آئے گی۔ (یَوْمَ تَرْجُفُ ...) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (اس سے مراد "نفخہ اولیٰ" ہے (جو پہاڑ وغیرہ تمام اجسام کو ہلا ڈالے گا، اور جس

---

(۱) روح: ۱۵/ ۲۶۔ (۲و۳) معارف القرآن ۸/ ۶۶۴۔

سے پورا عالم فنا ہو جائے گا) (تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی۔ اس سے مراد "نفخہ ثانیہ" ہے، جو نفخہ اولیٰ کے چالیس سال بعد ہوگا(۱)۔ (قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ...) بہت سے دل اس دن دھڑک رہے ہوں گے (کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، اور ندامت کے مارے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی۔

اللغۃ: (النّٰزِعٰتِ) سختی کے ساتھ نکالنے والے، سختی کے ساتھ کھینچنے والے۔ نَازِعَةٌ اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم بحالت جری، النازعات کا موصوف "الملائکۃ" محذوف ہے اسی لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں" نَزَعَ (ف) نَزْعًا: سختی سے کھینچنا(۲)۔ (غَرْقًا) مصدر محذوف الزوائد، اصل میں "إغراقًا" تھا، جو باب افعال کا مصدر ہے، زائد حروف (ہمزہ اور الف) کو حذف کر کے غَرْقًا رہ گیا۔ أَغْرَقَ النَّازِعُ فِي الْقَوْسِ إِغْرَاقًا: کمان کھینچنے والے کا قوت وسختی کے ساتھ کمان کھینچنا۔ "غَرْقًا" مفعول مطلق برائے تاکید ہے، اغراق کے ایک معنی ڈوبنا، اور ڈبونا بھی آتے ہیں(۳)۔ (النّٰشِطٰتِ) نرمی کے ساتھ گرہ کھولنے والے۔ "نَاشِطَةٌ" اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم بحالت جری، نَشَطَ العُقْدَةَ (ن) نَشْطًا: نرمی سے گرہ کھولنا۔ (السّٰبِحٰتِ) تیرنے والے، سابحۃ اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم بحالت جری۔ سَبَحَ فِي الماءِ (ف) سَبْحًا وسِبَاحَةً: تیرنا۔ (السّٰبِقٰتِ) دوڑنے والے، "سابقۃ" اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم بحالت جری، سَبَقَ (ض) سبقًا: دوڑنا۔ (الْمُدَبِّرٰتِ) تدبیر کرنے والے، انتظام کرنے والے، "الْمُدَبِّرَۃ"(۴) اسم فاعل کی جمع مؤنث سالم، بحالت جری، باب تفعیل سے۔ دَبَّرَ تَدْبِيرًا: انجام کو سوچنا، یہ اس کے اصلی معنی ہے، مجازًا انتظام کرنے اور مضبوط طریقہ پر کسی چیز کو چاہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جب نسبت ہو جیسے: "يُدَبِّرُ الْأَمْرَ"(۵) تو مجازی معنی ہی مراد ہوتے ہیں، حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ انجام وہ سوچے جسے انجام معلوم نہ ہو، اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے(۶)۔ (امرًا) ہر امر(۷) یعنی چیز، اسم جامد (ج) امور۔ (تَرْجُفُ) ہلا دیگی، صیغہ واحد مؤنث غائب بحث فعل مضارع مثبت معروف۔ رَجَفَ (ن) رَجْفًا: ہلنا، ہلانا، لازم ومتعدی۔ (تَتْبَعُ) پیچھے آئے گی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، تَبِعَهُ (س) تَبَعًا وتَبَاعًا وتَبَاعَةً: کسی کے بعد میں آنا، پیچھے آنا۔ (الرَّادِفَةُ) پیچھے آنے والی صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث، رَدِفَهُ (س، ن) رَدْفًا: پیچھے آنا، پیچھے سوار ہونا۔ "رَادِفَہ" سے مراد نفخہ ثانیہ ہے، جو نفخہ اولیٰ کے بعد میں ہوگا۔ (قُلُوبٌ) بہت سے دل تنوین تکثیر کے لیے ہے، قلب کی "جمع مکسر" (وَاجِفَةٌ) دھڑکنے والی۔ یہاں

---

(۱) فی حدیث أخرجه أبو داؤد: "إنهما اربعون عاما" (روح ۱۳/۱۸/ پارہ ۳۰ رکوع: ۳) (۲) النزع: جذب بشدة. روح ۱۵/۲۶۔ (۳) روح ۱۵/۲۶۔ (۴) المدبرة، الناشطة، السابقة، النازعة وغیرہ میں جن کی مذکورہ بالا آیت میں المدبرات، الناشطات، السابقات وغیرہ جمعیں استعمال ہوئی ہیں، "تا" تانیث کے لیے نہیں ہے، بلکہ مبالغہ کے لیے ہے۔ تفصیل "لغات القرآن ومرقہ" میں دیکھئے۔ (۵) ہر امر کی تدبیر (انتظام) کرتا ہے۔ بیان القرآن (سجدہ) (۶) اصل التدبیر: النظر فی دابر الأمر والتفکر فيه الخ. روح ۱۱/۱۲۷، المنار (سجدہ) و۸/۱۲۸ (رعد) (۷) نکرہ کبھی اثبات میں بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے، یہاں یہی مراد ہے۔

چونکہ قلوب کی صفت ہے، اس لیے "دھڑکنے والوں" سے ترجمہ کیا جائے گا، صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث، وَجَفَ القَلْبُ (ض) وَجْفًا، وَجِيفًا، وُجُوفًا: دل دھڑکنا، سے۔ (أَبْصَارُ) آنکھیں، بَصَرٌ (بمعنی آنکھ) کی جمع۔ (خَاشِعَةٌ) جھکی ہوئی، صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث، باب فتح سے، خَشَعَ لَهُ (ف) خُشُوعًا: فروتنی کرنا، عاجزی کا اظہار کرنا و صوتُه: آواز دبنا وبصرُه: نگاہ جھکنا[1] یہی آخری معنی یہاں مراد ہے۔

ترکیب: (وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا) واو حرف جر برائے قسم "ال" موصولہ بمعنی "اللاتی" نازعات صیغہ اسم فاعل "هِيَ" ضمیر پوشیدہ راجع موصول کی جانب محلا مرفوع فاعل "غَرْقًا" مفعول مطلق برائے تاکید نازعات کا[2] لفظا اگرچہ دونوں کے الگ ہیں لیکن معنی میں اتحاد ہے، جو مفعول مطلق کے لیے شرط ہے۔ نَازِعَات، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا اقسم فعل محذوف کا۔ (وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا) واو حرف عطف اور "النّٰشِطٰتِ" کی ترکیب "النّٰزِعٰتِ" کی طرح، (نَشْطًا) مفعول مطلق النّٰشِطٰتِ کا۔ (وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا) واو عاطفہ اور "السّٰبِحٰتِ سَبْحًا" "النّٰشِطٰتِ نَشْطًا" کی طرح ترکیب ہو کر معطوف النّٰزِعٰتِ پر یا اس سے پہلے مذکور "النّٰشِطٰتِ" پر[3]۔ (فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا) "فا" حرف عطف برائے ترتیب بلا مہلت[4]۔ باقی ترکیب السّٰبِحٰتِ سَبْحًا کی طرح

---

(۱) المعجم الوسیط۔ (۲) یہ ترکیب اس وقت ہوگی جب کہ "غَرْقًا" کو سختی کے ساتھ کھینچنے کے معنی میں لیا جائے، اور اگر یہ ڈوبنے یا ڈبونے کے معنی میں ہے، تو حال بنے گا اور اس سے پہلے "ذَوَات" مضاف پوشیدہ ہوگا، اور تقدیری عبارت ہوگی: "وَالنّٰزِعٰتِ ذَوَاتِ غَرْقٍ" اور مضاف اس لیے پوشیدہ ہوگا کیوں کہ مصدر بلا تاویل کے حال نہیں بنتا ہے، حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ: "قسم ہے گھسیٹنے والوں کی غوطہ لگا کر" اسی کے مطابق ہے، اور حضرت تھانویؒ کا ترجمہ جس کو ہم نے اختیار کیا ہے پہلی ترکیب کے مطابق ہے۔

(۳) جب بہت سے معطوفات جمع ہو جائیں تو ابعد (یعنی سب سے پہلے مذکور معطوف علیہ) پر عطف ہوگا یا اقرب پر ہوگا، یعنی اس سے پہلے اور قریب میں جو کلمہ مذکور ہے۔ اس پر ہوگا، تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں:- (۱) ابعد پر عطف کیا جائے گا، اس کے اصل ہونے کی وجہ سے۔ (۲) اقرب پر عطف کیا جائے گا، اس کے قریب میں ہونے کی وجہ سے ("زینی زادہ" علی الکافیہ ص ۷۔) "صبان" نے پہلے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ ایسے حرف عطف کے ذریعہ عطف ہو جو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا ہے، مثلا واؤ، اس لئے کہ اگر ایسے حرف عطف کے ذریعہ عطف ہو جو مفید ترتیب ہے مثلا "فا، ثم" وغیرہ، تو بالاتفاق اقرب پر عطف ہوگا۔ (حاشیہ النحو الوافی: ۳/۵۵۶۔)

(۴) یعنی معطوف علیہ کے فورا بعد معطوف کے وجود کو بتانے کے لئے۔ چونکہ روحوں کو پہنچانے کے فورا بعد، ان روحوں کے بارے میں جو حکم ہوتا ہے، اس کی تعمیل اور امتثال کے لیے فرشتوں کا دوڑنا ہوتا ہے۔ اس لیے "فا" عاطفہ کا استعمال کیا گیا ہے، برخلاف "تیرنے" کے جس سے مراد تیزی اور آسانی کے ساتھ روح کو لے جانا ہے، کیونکہ روح نکالنے کے بعد تدریجا ہوتا ہے، فورا نہیں، اس لیے یہاں "فا" کا استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ واو کا استعمال کیا گیا، جو مطلق جمع کے لیے ہے۔ (روح ۱۵/۲۷ و حاشیہ بیان القرآن)

ہو کر معطوف اقرب پر (فَالْمُدَبِّرَاتِ امرًا) "فَا" عاطفہ، "الْمُدَبِّرَاتِ" حسب سابق ترکیب ہو کر معطوف "امرًا" مفعول بہ جواب قسم محذوف "لَتُبْعَثُنّ" (يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ) (یوم) جواب قسم محذوف (لَتُبْعَثُنّ) کا مفعول فیہ یا "اذکر" فعل محذوف کا مفعول بہ "الرَّاجِفَةُ" فاعل تَرْجُفُ کا (تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ) "تتبع" فعل "ها" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ "الرادفة" فاعل، فعل فاعل اور مفعول بہ سے ملکر حال "الرَّاجِفَةُ" سے (قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ. اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ) قُلُوب، مبتدا[1] (يومئذٍ) يَوْمَ مضاف (اذ) مضاف الیہ، اور تنوین اس پر تنوینِ عوض، جو مضاف الیہ محذوف کے عوض میں اس پر آئی ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "يَوْمَ اذ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ الخ" "تَرْجُف.." مضاف الیہ ہے جس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یوم مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا، "واجفة" کا اور "واجفة" خبر "قلوب" کی[2]۔ (اَبْصَارُهَا خَاشِعَة...) "اَبْصَارُهَا" مبتدا خَاشِعَةٌ خبر اور مبتدا خبر سے مل کر جملہ خبر ثانی "قلوبٌ" کی۔

محل اعراب اور غیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: "(اُقْسِمُ) النَّازِعَات..." ابتدائیہ ہے اور جملہ: "(لتبعثن)" جواب قسم ہے، اور ان دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: "ترجف..." یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے اور جملہ: "تتبعها" حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور جملہ "قلوب..." مستانفہ بیانیہ اور جملہ: "ابصارها..." قلوبٌ کی خبر ثانی ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے[3]۔

> يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے؟ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے؟ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ تو وہ بس ایک ہی سخت

---

[1] "قلوبٌ" میں تنوین تنویع (نوع کو بیان کرنے) کے لیے ہے۔ یعنی کچھ قسم کے دل، یا تکثیر کے لیے ہے۔ یعنی بہت سے دل، لہذا یہ وصف تخصص کے قائم مقام ہوگا، اس لیے "قلوب" نکرہ کا مبتدا بننا درست ہے، گرچہ راجح اور تحقیقی بات یہ ہے کہ نکرہ کے مبتدا بننے کا مدار تخصیص پر نہیں ہے، بلکہ مخاطب کو فائدہ پہنچنے پر ہے اسی لیے "كَوْكَبٌ اِنْقَضَّ السَّاعَةَ" (ایک ستارہ ابھی ٹوٹا ہے) میں "کوکب" کا مبتدا بننا درست ہے اور "رجلٌ قائم" وغیرہ میں "رجلٌ" کا مبتدا بننا درست نہیں ہے اس لیے کہ اتنا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی کھڑا ہے۔ برخلاف ایک ستارے کے ٹوٹنے کے۔ اس لیے کہ وہ مخاطب کو معلوم نہیں ہے۔ (رضی شرح کافیہ: ۱/۲۰۳۔)

[2] بعض نے "واجفة" کو قلوب کی صفت مانا ہے اور جملہ "ابصارها" کو خبر۔ اس وقت ترجمہ ہوگا۔ "اس دن دھڑکنے والے بہت سے دل، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی"۔ [3] ترکیب روح ۱۵/۲۷ تا ۳۰ اور "اعراب القرآن وصرفہ" ۱۵/۲۵۲ سے ماخوذ ہے۔

آواز ہوگی۔ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ۝ جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔

ربط وتفسیر: مذکورہ آیات سے پہلے قیامت کے وقوع کی خبر اور اس کے کچھ واقعات کا تذکرہ آیا ہے، کفار مکہ اس کے منکر تھے۔ مذکورہ بالا آیات میں ان کے اسی انکار کو بیان کیا گیا ہے(۱)۔ چنانچہ ارشاد ہے: (يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ـــ) (یہ قیامت کے منکر لوگ) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے؟ پہلی حالت سے مراد مرنے سے پہلے کی زندگی ہے۔ یعنی کیا ہم مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ اور اس استفہام سے مقصود اس کے مستبعد اور ناممکن ہونے کو بیان کرنا ہے۔ یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے؟ (پھر زندہ ہوں گے، اس سے مقصود استعجاب یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے دشوار اور مشکل ہونے کو بیان کرنا ہے) (قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوا تو) اس صورت میں یہ واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ (ٹوٹے) کی ہوگی (کیونکہ ہم نے اس کے لیے کچھ تیاری تو کی نہیں، اس سے مقصود بعث بعد الموت کے سلسلہ میں اہل حق کے عقیدے کا مذاق اڑانا ہے، کہ آپ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق تو ہم لوگ بڑے خسارہ اور نقصان میں ہوں گے۔ جیسے کوئی شخص از راہ ہمدردی وخیر خواہی کسی کو ڈرائے کہ اس راستہ پر مت جانا وہاں شیر ہے، اور مخاطب تکذیب کے طور پر کسی سے کہے: "بھائی ادھر مت جانا، شیر کھا جاوے گا" مطلب یہ ہے کہ وہاں شیر ویر کچھ بھی نہیں ہے۔ (فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ) اس آیت میں قیامت کو ناممکن اور مشکل سمجھنے والوں کی بات کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو ناممکن اور مشکل کہتے ہیں) تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہمارے لیے مرنے بلکہ ہڈیوں کے بوسیدہ اور جسم کے مٹی ہونے کے بعد سارے انسانوں کو زندہ کرنا، اور پہلی حالت میں ان کو کھڑا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور ہمیں اس کے لیے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہیں ہوگی، اور کوئی طویل وقت درکار نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ (واقعہ) بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے یعنی حضرت "اسرافیل" علیہ السلام کی ایک آواز اور ان کے ایک مرتبہ صور پھونکنے سے سب زندہ ہو جاویں گے، اور زمین کے اندر موجود مردے میدان میں یعنی زمین کے اوپر آجائیں گے۔ (۲)۔

اللغة: (ءَ إِنَّا) میں ہمزہ استفہام انکار ابطالی کے لیے ہے(۳)۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔ (ءَ إِذَا) اس میں ہمزہ تاکید انکار کے لیے ہے، اس لیے کہ انکار تو پہلے ہمزہ سے مفہوم ہو چکا ہے، لہٰذا یہ اس انکار کی تاکید کے لیے ہے(۴)۔ (مَرْدُودُونَ): واپس کئے جاویں گے، (اسم مفعول استقبال کے معنی میں ہے) "مَرْدُودٌ" اسم مفعول کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی، رَدَّه (ن) رَدًّا وَمَرَدًّا، ومَرْدُودًا ورِدِّيدَىٰ: لوٹانا، واپس کرنا۔ (الْحَافِرَة) پہلی حالت، اصلی معنی: وہ راستہ جس پر چل کر آدمی

---

(۱) حکاية لما يقول المنكرون للبعث الخ (روح: ۳۱/۱۵) (۲) یہ تفسیر "هِيَ" ضمیر کا مرجع "رادفه" مان کر کی گئی ہے، ضمیر کا مرجع "كَرَّة" (واپسی) بھی ہوسکتا ہے اس وقت تفسیر دوسری ہوگی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ روح: ۲۹/۱۶۔ (۳) استفہام انکاری کا مطلب اور اس سے متعلقہ تفصیل سورہ نبا میں "الم نجعل الارض مهادا" کے تحت گذر چکی ہے۔ (۴) روح: ۳۱/۱۵۔

نشان ڈالدے چنانچہ کہا جاتا ہے: "رَجَعَ فُلَانٌ فِيْ حَافِرَتِهِ" (فلاں آدمی اس راستے سے واپس ہو گیا جس سے وہ نکل کر آیا تھا، اور جس پر چلنے کی وجہ سے اس نے نشان ڈالے تھے)۔ اس کے بعد اس کا استعمال اس حالت اور کام کے لیے ہونے لگا، جس میں آدمی پہلے ہو پھر دوبارہ اسی میں لوٹ جائے، مختصر تعبیر اس کی "پہلی حالت" سے کی جائے گی۔ حَفَرَ الطَّرِيْقَ (ض) حَفْرًا: راستہ پر چل کر نشان ڈالنا، گڑھا کھودنا۔(۱) (عِظَامًا) ہڈیاں، اسم جامد عَظْمٌ بمعنی ہڈی کی جمع۔ (نَخِرَةً) بوسیدہ اور کھوکھری ہڈی، صفت مشبہ۔ نَخِرَ الْعَظْمُ (س) نَخَرًا: ہڈی کا اتنی بوسیدہ اور کھوکھری ہو جانا کہ ہوا چلنے کی وجہ سے اس کی آواز سنائی دے(۲)۔ (تِلْكَ) اشارہ رجعہ یعنی واپسی کی طرف ہے۔ (اِذًا) تب تو، ایسی صورت میں، دونوں ایک مفہوم کی تعبیر ہیں۔ جمہور کے نزدیک حرف ہے اور قول صحیح کے مطابق بسیط ہے یعنی ایسا نہیں کہ "اذ" اور "ان" سے مرکب ہو۔ عام طور پر یہ جواب و جزا کے لیے آتا ہے، اس کے متعلق مزید اور مفید تفصیل "لغات القرآن وصرفہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (كَرَّةٌ) واپسی، مصدر برائے مرہ، كَرَّ فُلَانٌ (ض) كُرُوْرًا و كَرَّةً فهو كَرٌّ ومِكَرٌّ: واپس ہونا۔ (خَاسِرَةٌ) خسارہ والی، یہ صیغہ یا تو نسبت کے لیے ہے "لَابِنٌ وَتَامِرٌ" کی طرح، یا مجازاً "كَرَّة" کو "خاسرة" کہہ دیا گیا ہے "عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ" کی طرح(۳)۔ اس لیے کہ واپسی کا خسارہ کے ساتھ متصف ہونا درست نہیں ہے بلکہ وہ لوگ خسارہ کے ساتھ متصف ہوں گے جو دنیا میں بدعمل تھے، اور اس وقت ان کی واپسی ہوگی(۴)۔ خَسِرَ التَّاجِرُ خُسْرًا وخَسَارَةً وخُسْرَانًا وخَسَارًا: نقصان اٹھانا(۵)۔ (فَاِنَّمَا هِيَ...) "فا" محذوف کی تعلیل کے لیے ہے، جس کا الکار تقاضا کر رہا ہے اور وہ محذوف ہے "لَا تَحْسَبُوْا تِلْكَ الرَّادِفَةَ بَعِيْدَةً اَوْ صَعْبَةً" (اس پیچھے آنے والی چیز کو بعید یا مشکل مت سمجھو)(۶) (فَاِنَّمَا هِيَ...) کیونکہ وہ تو بس ایک زور کی آواز ہوگی۔ (زَجْرَةٌ) ایک للکار، ایک سخت آواز، ایک جھڑکی۔ مصدر بروزن "فَعْلَة" برائے مرہ (ایک مرتبہ ہونے کو بتانے کے لیے) زَجَرَ الرَّاعِيْ غَنَمَهُ او بَعِيْرَهُ (ن) زَجْرًا: چرواہے کا اپنی بکری یا اونٹ کے سامنے (ان کو چلانے کے لئے) زور سے آواز نکالنا، چلانا(۷)۔ اس کی تعبیر "للکارنا" سے بھی کی جاتی ہے۔ (وَاحِدَةٌ) ایک، اکیلا، صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث، لیکن جب پہلے عدد (ایک) کا اسم ہو، تو جامد ہوتا ہے۔ وَحَدَ وَحْدًا وَحْدَةً وَحِدَةً وَوُحُوْدًا (ض) وَوَحَادَةً وَوُحُوْدَةً (ك): تنہا اور اکیلا رہ جانا، یکتا ہونا۔ (فَاِذَا هُمْ...) جس سے وہ لوگ۔ یہ "فا" ترتیب کے لیے ہے یعنی فا کے مابعد کے مضمون کو ماقبل پر مرتب ہونے کو بتلانے کے لیے ہے(۸)۔ (اِذَا) اچانک، فوراً، یہ اذا "مفاجاتیہ" ہے۔ (السَّاهِرَةُ)

---

(۱) مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) (روح: ۱۵/۳۲۔) (۳) اس وقت یہ اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہوگا۔ اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۲۲۹۔ (۴) روح: ۱۵/۳۲۔ (۵) المعجم الوسیط: ص۲۳۲، وروح: ۱۵/۳۲۔ (۶) حضرت تھانوی کی تفسیر کو سامنے رکھ کر یہ تقدیری عبارت احقر نے نکالی ہے۔ اور جن حضرات نے ضمیر کا مرجع "کرّۃ" کو قرار دیا ہے، ان کے یہاں تقدیری عبارت ہوگی: "لا تحسبوا تلك الكرة صعبة" (۷) من زجر الراعي غنمه: صاح عليها. روح ۱۲/۹۷ (صفت)

(۸) "اعراب القرآن وصرفہ" میں "فا فصیحہ" قرار دیا ہے۔ ۱۵/۲۲۹۔

گھاس وغیرہ سے خالی ہموار زمین، وسیع چٹیل میدان۔ (مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں)

ترکیب: (يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ. ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً) (یقولون) فعل بافاعل، ہمزہ برائے استفہام انکاری، (إِنَّا) إنّ اور اس کا اسم، (لَمَرْدُودُونَ) "لام" لام ابتداء(۱) "مَرْدُودُونَ" صیغہ اسم مفعول، ضمیر پوشیدہ (ھم) محلاً مرفوع نائب فاعل، "فِي الْحَافِرَةِ" متعلق "لَمَرْدُودُونَ" کے، (ءَ إِذَا...) ہمزہ برائے تاکید انکار "إِذَا" مضاف، "كُنَّا" كَانَ اور اس کا اسم، "عِظَامًا" خبر "نخرة" صفت "إِذَا" مضاف اپنے مضاف الیہ "كُنَّا..." سے مل کر مفعول فیہ اذا کے محذوف جواب (نُرَدُّ) کا، جس پر "لَمَرْدُودُونَ" دلالت کر رہا ہے۔ (قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ. فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ) (قالوا) فعل با فاعل، (تِلْكَ) مبتدا، (إِذًا) حرف جواب وجزا مہمل (غیر عامل) (كَرَّةٌ) خبر (تِلْكَ) کی، (خَاسِرَةٌ) صفت "كرة" کی (فَإِنَّمَا) "فا" تعلیلیہ(۲)۔ (إِنَّمَا) "إنّ" حرف مشبہ بالفعل، "ما" کافہ "هي" مبتدا (زَجْرَةٌ) خبر، (وَاحِدَةٌ) صفت (فَإِذَا هُمْ) "فا" عاطفہ برائے ترتیب(۳)۔ (إِذَا) مفاجاتیہ، جو بقول اخفش حرف ہے، لہٰذا اس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ "ابن مالک" اور علامہ "رضی" جیسے محققین نے اخفش ہی کے قول کو اختیار فرمایا ہے(۴)۔ (ھم) مبتدا، (بالسَّاهِرَةِ) (كَائِنُون) محذوف کے متعلق ہو کر خبر "ھم" کی۔

محل اعراب اور غیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: "یقولون" مستانفہ ہے۔ اور جملہ: "ء إنا لمردودون..." مقولہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور جملہ: "کنا..." اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔ اور جملہ: (نبعث یا نُرَدُّ) کے لیے اذا کا جواب ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں۔ اور جملہ شرط: "اذا کنا..." وجواب کا مجموعہ مقولہ ثانی ہونے کی وجہ سے محل نصب میں

---

(۱) باب "إنّ" میں اس کو "لام مزحلقة" بھی کہتے ہیں۔ (۲) تفصیل اللغة کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ اور اعراب القرآن وصرفہ میں اس کو "فا" استینافیہ قرار دیا ہے۔

(۳) فائدہ:- "اذا" مفاجاتیہ پر جو "فا" داخل ہوتی ہے اس کے سلسلہ میں تین قول ہیں:- (۱) "ابوبکر مبرمان" کے نزدیک عاطفہ ہے۔ (۲) "زیادی" کے نزدیک سببیہ ہے جو مسبب پر داخل ہے۔ (۳) "مازنی" کے نزدیک زائدہ ہے۔ آخر کے دو قول پر اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہوگا۔ (از رضی: ۱/۲۴۳، وزینی زاد علی الکافیہ: ۶۵۔)

(۴) اس "اذا" کے سلسلہ میں دو قول اور ہیں:- (۱) "زجاج" کے نزدیک اسم ظرف برائے زمان ہے۔ زمخشری اور صاحب کافیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (۲) "مبرّد" کے نزدیک اسم ظرف برائے مکان ہے۔ "ابن عصفور" نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ان دونوں قول پر یہ محل نصب میں ہوگا، اور خبر کا ظرف ہوگا، لیکن بعد والے جملہ کی طرف مضاف نہیں ہوگا "متی" کی طرح۔ اسلئے کہ مضاف ہونے کی صورت میں مضاف الیہ کے جزء کا مضاف میں عمل کرنا لازم آئے گا، جو جائز نہیں ہے۔ (زینی زادہ ۶۵، ورضی شرح کافیہ: ۱/۲۴۲۔)

ہے اور جملہ "قالوا..." جملہ مستانفہ ہے جو جملہ "یقولون..." کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے۔ اور جملہ "تلک..." مقولہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور جملہ "انما ھی..." کے لیے معللہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور جملہ "اذا ھم..." کے لیے جملہ معللہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے(1)۔

> هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے۔ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ جبکہ ان کے پروردگار نے ان کو پاک میدان یعنی طویٰ میں پکارا۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بڑی شرارت اختیار کر رکھی ہے۔ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۞ پھر کہو کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے۔ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۞ اور میں تجھ کو تیرے رب کی طرف رہنمائی کر دوں، تو تو ڈرنے لگے۔

ربط وتفسیر: ان آیات سے پہلے کفار کے "قیامت" کی تکذیب اور اس کے انکار کرنے کا بیان تھا۔ ظاہر ہے یہ تکذیب وانکار حضور (ﷺ) کے لیے باعثِ رنج وغم ہے اس لیے مذکورہ بالا آیات میں حضرت "موسیٰ" (علیہ السلام) کا قصہ ذکر کر کے ایک طرف حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، کہ اس طرح کی تکذیب وانکار کا معاملہ آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعون اور اس کے متعلقین کی طرف سے پیش آ چکا ہے، دوسری طرف موجودہ کفار ومنکرین کے لیے تخویف (ڈرانے) اور تہدید (دھمکی) کا مضمون ہے کہ اگر اس انکار وتکذیب سے باز نہیں آؤ گے تو فرعون کی طرح تم بھی عذاب الٰہی میں ماخوذ ہوں گے۔

اب تفسیر ملاحظہ ہو۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى...) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے پاک میدان طویٰ میں (یہ اس میدان کا نام ہے) پکارا۔ یہ قصہ ضروری تفصیل کے ساتھ سورہ "طٰہٰ" اور سورہ "قصص" میں آیا ہے۔ مختصر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام "مدین" سے اپنی بیوی کے ساتھ "مصر" واپس جا رہے تھے، رات اندھیری تھی، سردی بھی سخت تھی، راستہ بھی بھول گئے۔ ایسے وقت میں موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب آگ نظر آئی، موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھ کر اس کی طرف اس مقصد سے بڑھے کہ وہاں سے لکڑی کے سرے میں آگ کا شعلہ لگا کر لائیں، تا کہ اس سے آگ جلا کر تاپا جائے۔ نیز آگ کے پاس کوئی آدمی موجود ہو گا، اس سے راستہ کا پتہ بھی کر لیا جائے گا۔ لیکن وہ آگ نہیں تھی، بلکہ نور تھا، موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے نوازا، اور نبی بنانے کے بعد فرعون کی ہدایت واصلاح کے لیے اس کے پاس جانے کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا۔ جس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔ (اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى) فرعون کے پاس جاؤ! اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے۔ شرارت وخباثت کرنے والے تو بہت ہوئے ہیں، لیکن یہ شرارت وخباثت میں بہت آگے بڑھ گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اپنے خالق ومالک کو بھول گیا اور اس کی عبادت کو چھوڑ بیٹھا ہے، بلکہ اپنے لیے خدائی اور رب اعلیٰ ہونے کا

---

(1) من: الروح ۳۶/۱۵ و اعراب القرآن وصرفہ ۲۲۵/۱۵۔

دعویٰ بھی کر رہا ہے۔ (فَقُلْ هَلْ لَكَ...) پھر (اس سے جا کر) کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے یعنی اپنی موجودہ شرارت وحرکت سے باز آ کر رب حقیقی کی عبادت کرنے والا بن جائے۔ اور (تیری اصلاح اور درستگی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (یعنی ذات وصفات کی طرف) رہنمائی کروں (یعنی اس کی ذات اور صفات کو بتلاؤں) تو تو (ذات وصفات کو سن کر اس سے) ڈرنے لگے (اور ڈرنے سے تیری حالت درست ہو جائے)

اللغۃ: (ھل) کیا، حرف استفہام ہے، اگر یہ قصہ حضور ﷺ کو پہلے سے معلوم نہیں تھا، بلکہ ابھی معلوم ہوا ہے، تو استفہام ترغیب وتشویق (سننے کی رغبت اور شوق دلانے) کے لیے ہے، اور اگر پہلے معلوم ہو چکا ہے (جیسا کہ قصہ کے بیان میں اختصار سے کام لینے سے بھی ظاہر ہے) تو استفہام تقریری(۱) ہے(۲)۔ (حدیث) بات، خبر، قصہ کا اسم ہے۔ (موسیٰ) ایک مشہور پیغمبر کا نام ہے، جن کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے، حضرت "یعقوب" (علیہ السلام) تک پہنچتا ہے، اور علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، مزید تفصیل "لغات القرآن وصرفہ" میں۔ (إِذْ) اسم ظرف مبنی علی السکون ہے، اور ماضی کے لیے ہے، اور جملہ کی طرف اس کی اضافت لازم ہے، مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں۔ (نَادٰی) پکارا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب مفاعلت سے، نَادَاهُ مُنَادَاةً: پکارنا۔ (الْوَادِ) اسم جامد، اصل میں "الْوَادِيْ" تھا تلفظ کی اتباع میں کتابت میں یا کو حذف کر دیا گیا۔ پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان میں واقع میدان(۳)۔ جمع اس کی "أَوْدِيَة" ہے۔ (الْمُقَدَّسِ) پاک کیا ہوا، صیغہ اسم مفعول واحد مذکر، باب تفعیل سے، قَدَّسَه تَقْدِيسًا: پاک کرنا۔ (طُوًى) اسم جامد، شام میں ایک وادی کا نام(۴) منصرف وغیر منصرف دونوں طرح اس کو پڑھا گیا ہے، منصرف کی صورت میں یہ مکان کی تاویل میں ہوگا، اور غیر منصرف کی صورت میں "البقعة" کی تاویل میں ہوگا۔ لہٰذا اس میں دو سبب ہوں گے: علمیت اور تانیث(۵)۔ (اذْهَبْ) جا تو، صیغہ واحد مذکر، بحث امر حاضر مثبت معروف، ذَهَبَ (ف) ذَهَابًا وذُهُوبًا ومَذْهَبًا: جانا، گذرنا، سے۔ (فِرْعَوْنَ) عجمی لفظ ہے، علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ "فارا" (بمعنی محل) اور "اوہ" (بمعنی اونچا، بڑا) سے مرکب ہے۔ لہٰذا اس کے اصل معنی ہوئے: "اونچا محل"(۶)۔ یہ "مصر" کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، جیسے "روم" کے بادشاہ کا "قیصر" اور "فارس" کے بادشاہ کا "کسریٰ"۔ ابن اسحاق اور اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق اس کا مصداق "ولید بن مصعب" ہے(۷)۔ (طَغٰی) وہ حد سے بڑھ گیا، اس نے بڑی شرارت کی، ایک ہی مفہوم کی دو تعبیر ہیں، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب (فتح) سے باقی تفصیل سورہ "نبا" میں "للطاغین مآبا" کے تحت آ چکی ہے۔ (تَزَكّٰى) تو سنور جائے (درست ہو جائے) پاک ہو جائے(۸) صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل

---

(۱) مخاطب کو ایسی چیز کے اقرار پر آمادہ کرنا جس کا ثبوت یا نفی اس کے نزدیک ثابت ہے۔ (مغنی اللبیب ۱۸/۱) (۲) روح ۳۲/۱۵ (ملتان)

(۳) (مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں) (۴) حاشیہ بیان القرآن (ط) بحوالہ "نیساپوری" (۵) روح المعانی ۱۷/۹ (ط)

(۶) لغات القرآن ۳۴۲/۵۔ (۷) من الروح ۳۰/۱، پ: ۱، ع: ۲۔ (۸) أی: تَطَهَّرَ. (روح ۲۳/۱۵)

مضارع مثبت معروف، باب تفعل سے، تَزَكِّی تَزَكِّيًا: درست ہونا، پاک ہونا، (اَهْدِيَ): میں رہنمائی کروں، صیغہ واحد متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف، هَدَاهُ (ض) هَدْيًا وَهُدًى وَهِدَايَةً وَهِدْيَةً: رہنمائی کرنا۔ (فَتَخْشٰی) تو تو ڈر جائے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف، خَشِيَ (س) خَشْيًا وَخَشْيَةً وَخَشَاةً وَمَخْشَاةً وَمَخْشِيَةً: ڈرنا۔

ترکیب: (هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى) (هل) حرف استفہام برائے تشویق یا برائے تقریر(۱)۔ (اتی) فعل ماضی مبنی بر فتح تقدیری "کاف" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ، (حدیث) فاعل، (موسیٰ) مجرور فتح تقدیری کے ساتھ مضاف الیہ(۲)۔ (اذ) ظرف حدیث کا(۳) یا الواقع صیغہ اسم فاعل محذوف کا، اور صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر، صفت حدیث کی یا مفعول بہ اُذْكُرْ فعل محذوف کا، (نَادٰی) فعل (رَبُّهٗ) فاعل (بالواد) متعلق (نادی) کے (المقدس) صفت الواد کی (طُوًى) بدل یا عطف بیان (الواد...) کا۔ (اذهب الى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى) "اذهب" فعل ضمیر "انت" پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل (الی فرعون) متعلق اذهب کے (انّهٗ) انّ اور اس کا اسم (طغی) فعل، ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، اور جملہ: "طغی" خبر ان کی، اور جملہ: "انه" تعلیلیہ اور جملہ: (اذهب الی فرعون) "قال" یا "قائلا" کا مقولہ ہے جو اذهب سے پہلے محذوف ہے۔ اور قال اپنے مقولہ سے مل کر معطوف "ناداه" پر اور "قائلا" کا مقولہ ہے تو قائلا حال ہوگا "ناداه ربه" میں ربه سے۔ (فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى) "فَقُلْ" معطوف اذهب پر، هل حرف استفہام، (لك) "كائن" کے متعلق ہو کر خبر مقدم (الیٰ ان تزکی...) الی حرف جر (ان تزکی) بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق مصدر محذوف (مَيْلٌ) کے "ميلٌ" مصدر اپنے متعلق سے مل کر مبتدا مؤخر (واهديك...) واؤ عاطفہ (اهديك) معطوف تزکی پر، (فتخشی) "فا" عاطفہ (تخشی) معطوف اهديك پر(۴)۔

محل اعراب والے اور غیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت

جملہ: "هل اتاك..." مستانفہ ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ جملہ: "ناداه" اذ کا مضاف الیہ ہونے کی

---

(۱) الملقہ کے تحت تفصیل آچکی ہے۔ (۲) فتح تقدیری، اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ غیر منصرف ہے، اور غیر منصرف پر جری حالت میں بھی فتح ہی آتا ہے، اس کے متعلق نادر تحقیق "لغات القرآن معرفہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) امر المتعلق سهل، فإن الظرف يكفيه لتعلقه رائحة من الفعل، ولذا نقل "الشريف" عن بعضهم: أن القصة والحديث والخبر والنباء يجوز إعمالها في الظروف خاصة وإن لم يرد بها المعنى المصدري لتضمن معناها الحصول والكون. (روح ۹/۱۶۵ (طہ) رکوع:۱) (۴) ترکیب روح المعانی ج:۱۵، اور اعراب القرآن لمحی الدین سے ماخوذ ہے۔

وجہ سے محل جر میں ہے۔ جملہ: "اذھب..." "قال" یا "قالنا" محذوف کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے۔ یا استیناف بیانی ہے، لہٰذا اس وقت اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ جملہ: "انہ..." تعلیلیہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ جملہ: "طغی..." "انّ" کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ جملہ: قل... جملہ اذھب پر معطوف ہے، لہٰذا اس کے حکم میں ہوگا۔ جملہ: "ھل لك..." قول کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ جملہ: "تزکی..." "ان" موصول حرفی کا صلہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے (۱)۔ جملہ: "اھدیك..." جملہ تزکی پر معطوف ہے۔ اور جملہ: "تخشی..." جملہ اھدیك پر معطوف ہے (۲)۔

> فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ پھر انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھلائی۔ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ تو اس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ پھر جدا ہو کر کوشش کرنے لگا۔ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ اور جمع کیا پھر باواز بلند تقریر کی۔ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ بے شک اس میں ایسے شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو ڈرے۔

ربط وتفسیر: یہ آیات موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قصہ سے متعلق ہیں کہ "موسیٰ" علیہ السلام اللہ تعالیٰ حکم کے مطابق فرعون کے پاس گئے، اور اس کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ اس نے "موسیٰ" علیہ السلام سے نبوت کی نشانی طلب کی، تو آپ نے اس کو نبوت کی بڑی نشانی دکھلائی۔ لیکن اس نے نہ صرف یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہیں مانا بلکہ الٹی ان کی تکذیب کی، بدتمیزی اور گستاخی کے ساتھ ان سے پیش آیا، ان کے خلاف کوششیں کی، ان کے مقابلہ کے لیے جادوگروں کو بلایا اور جادوگروں اور لوگوں کے سامنے باآواز بلند کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ اور اس کا نبی کے ساتھ یہ ناروا سلوک اور تکذیب و انکار کا معاملہ اور اپنی خدائی کا دعویٰ ایک دو دن کے لیے نہیں تھا بلکہ مسلسل تھا، اور کسی طرح بھی اس میں نرمی نہیں پیدا ہوئی؛ تو آخر اس طاغی اور سرکش کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دریا میں غرق کر دیا۔ اسی کا تذکرہ مذکورہ بالا آیات میں ہے چنانچہ ارشاد ہے:

(فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى......) (غرض حکم مذکور کے مطابق "موسیٰ" علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور جا کر پیغام الٰہی پہنچایا) پھر (جب اس نے دلیل نبوت طلب کی تو) اس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی (بڑی نشانی سے مراد معجزۂ عصا بھی ہو سکتا ہے کہ عصا کو زمین پر ڈالا تو سانپ بن گیا، اور ہاتھ میں لیا تو پھر اپنی حالت پر لوٹ آیا۔ اور معجزۂ "عصا" اور "ید بیضاء"

---

(۱) تنبیہ: یہاں دو چیزیں ہیں:۔ (۱) تزکی فعل، یہ تو "ان" کی وجہ سے تقدیری فتحہ کے ساتھ منصوب ہے۔ (۲) تزکی فعل اور فاعل کا مجموعہ، جس کو جملہ کہیں گے، یہ موصول حرفی "انْ" کا صلہ ہے، اور اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ (۲) اعراب القرآن وصرفہ میں، اس "انّا" کو تعلیلیہ اور جملہ کو تعلیلیہ قرار دیا ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (۱۵/۲۳۱)

دونوں کا مجموعہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت آیت سے مراد جنس ہوگا، جس کا اطلاق قلیل وکثیر سب پر ہوتا ہے، لہٰذا دونوں کے مجموعہ کو بھی ”آیۃ“ کہا جاسکتا ہے۔ تو اس (فرعون) نے (انکو) جھٹلایا اور انکا کہنا نہ مانا۔ (ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ......) پھر موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہوکر (ان کے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (جادوگروں یا لشکروں یا ملک کے لوگوں (۱) کو جمع کیا (پھر ان کے سامنے) باآواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ اعلیٰ کی قید احترازی نہیں ہے، کہ فرعون اپنے علاوہ کسی اور کو لوگوں کا ادنیٰ (چھوٹا) رب مانتا تھا بلکہ قید واقعی ہے، اور اس کا مقصود یہ ہے کہ میرے علاوہ کوئی تمہارا رب نہیں ”اعلیٰ“ صفت برائے مدح بڑھادی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا (آخرت کا عذاب تو آخرت میں ہوگا، دنیا کا عذاب یہ ہے کہ اس کو دریا میں غرق کردیا) بے شک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے (اور وہ عبرت ونصیحت یہ ہے کہ نبی کی تکذیب اور اس کی اطاعت سے منہ موڑنے کا انجام بہت برا ہوتا ہے)

اللغۃ: (اَرٰهُ) دکھایا انہوں نے اس کو، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اَرَاهُ اِرَاءَةً: (افعال) دکھلانا (۲)۔ (الْكُبْرٰى) دوسرے سے بڑی ”اکبر“ ”اسم تفضیل“ کا واحد مؤنث، كَبُرَ (ک) كِبَرًا وَ كَبَارَةً وَ كُبْرًا: بڑا ہونا۔ (عَصٰى) اس نے نافرمانی کی (کہنا نہیں مانا) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ عَصَاهُ (ض) عِصْيَانًا و مَعْصِيَةً: نافرمانی کرنا، بات نہ ماننا، دشمنی کرنا (۳)۔ (اَدْبَرَ) اس نے پیٹھ پھیری، وہ جدا ہوا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف اَدْبَرَ عَنْهُ اِدْبَارًا (افعال) پیٹھ پھیرنا، جدا ہونا۔ (یَسْعٰی) کوشش کرتا ہوا، یہ ترجمہ حال کی وجہ سے ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، سَعٰی (ف) سَعْيًا: کوشش کرنا، عمل کرنا ہے۔ (حَشَرَ) اس نے جمع کیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف حَشَرَ (ن) حَشْرًا: جمع کرنا۔ (نَادٰی) اس نے پکارا، اس نے باآواز بلند کہا، جس کی تعبیر ترجمہ میں باآواز بلند تقریر کی، سے کی گئی ہے۔ ”نَادَاهُ مُنَادَاةً“ زور سے پکارنا، سے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ”ندا“ کے لیے رفع صوت (زور سے کہنا) ضروری نہیں ہے۔ مطلق پکارنے کو ندا کہتے ہیں (۴)۔ (الْاَعْلٰى) بلند، اونچا، اسم تفضیل واحد مذکر، (لیکن تفضیل کے معنی مقصود نہیں ہے، جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوچکا ہے) عَلَا (ن) عُلُوًّا: بلند ہونا، (الاولیٰ، الاٰخرة) دونوں کی تفصیل سورۂ ”اعلیٰ“ اور ”اللیل“ میں دیکھیے۔ (اَخَذَ) پکڑا۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اَخَذَهُ (ن) اَخْذًا وَمَاْخَذًا: پکڑنا، لینا، قبول کرنا، سزا دینا، سے اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہے۔ (نَكَالَ) بمعنی تنکیل اسم مصدر ہے، جیسے سلام بمعنی تسلیم اسم مصدر ہے، نَكَّلَ بِهٖ تَنْكِيْلًا: ایسی سزا دینا، جس کو دیکھنے یا سننے والا اس فعل سے رک جائے، جس پر یہ سزا دی جارہی ہے۔ مختصر تعبیر عبرتناک سزا دینا (۵) (عِبْرَة) اصلاً مصدر ہے، بمعنی العبور (گذرنا، پار کرنا) پھر ایسی حالت پر اطلاق ہونے لگا جس کے ذریعہ مُشاہد (۶) کی معرفت سے

---

(۱) روح: ۱۵/۳۳۔ (۲) یہاں آنکھوں سے دکھانا مراد ہے، اس لیے متعدی بدو مفعول ہے۔ (۳) المعجم الوسیط: ص: ۶۰۶۔ (۴) روح: ۹/۵۹ تحت قولہ تعالیٰ: نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (سورۂ مریم، رکوع: ۱) (۵) روح المعانی: ۱۵/۳۵۔ (ملتان) (۶) جس کا مشاہدہ کیا جائے۔

غیر مشاہد کی معرفت حاصل ہو جائے۔ (قالہ الراغب فی المفردات: ۳۲۲) اور بقول صاحب "بحر" "عبرۃ" ایسی دلالت ہے، جس کے ذریعہ جہل سے علم تک عبور ہو (پہنچا جائے) اس کی مختصر تعبیر نصیحت اور غور وفکر کی چیز سے کی جاسکتی ہے(۱)۔

ترکیب:- (فاَرَاہ الآیۃ الکبریٰ ○ فکذَّبَ وعصٰی ○ ثُمَّ اَدبَرَ یَسعٰی) فافصیحہ(۲) ہے، جس سے پہلے کئی جملے محذوف ہیں، جن کو یہ ظاہر کر رہی ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: فذَھَبَ وکَانَ کَیتَ وکَیتَ(۳)۔ "زمخشری" نے صرف ایک جملہ "فذھب" مقدر مانا ہے(۴)۔ "اَرَیٰ" فعل با فاعل، "ھا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب، مفعول بہ اول (الآیۃ) مفعول بہ ثانی "الکبریٰ" صفت "الآیۃ" کی (کَذَّبَ) ماقبل پر معطوف (ثم ادبر...) ثم حرف عطف "ادبر" معطوف کذب پر "یسعیٰ" حال کذب کی ضمیر سے۔ (فحشر فنادیٰ ○ فقالَ انا ربُّکمُ الاعلیٰ) "فا" عاطفہ (حَشَرَ) معطوف ادبر پر (نادَیٰ) معطوف حشر پر، (قال) معطوف نادیٰ پر (انا) مبتدا (ربُّکمْ) خبر (الاعلیٰ) صفت ربکم کی، اور جملہ: "انا..." مقولہ قال کا۔ (فاخذہ اللہ نکال الآخرۃ والاولیٰ) "فا" عاطفہ، (اَخَذَ) فعل، (اللہ) فاعل "نکالَ الآخرۃ" مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق برائے تاکید فعل محذوف "نَکَّلَ" کا، یا "اَخَذَ" کا اگر "نکال الآخرۃ" سے پہلے "اَخذَ" مضاف پوشیدہ مانا جائے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: فاَخَذَہُ اللہ اَخذَ نکالِ الآخرۃ والاُولیٰ۔ (ان فی ذالک لعِبرَۃً لِمَن یَخشیٰ) "فی ذالک" "ثابتۃ" کے متعلق ہو کر خبر مقدم ان کی "لعبرۃ" لام مزحلقہ(۵) عبرۃ اسم مؤخر، (لمن) جار مجرور سے مل کر "کائنۃ" کے متعلق ہو کر صفت عبرۃ کی "یخشیٰ" صلہ من کا اور جملہ: "ان فی ذالک" مستانفہ اور اعراب القرآن وصرفہ میں اس کو اَخذَ کی تعلیل قرار دیا ہے، لیکن ترجمہ کے مطابق پہلی ترکیب ہے۔

جملوں کی نوعیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ مقدرہ (ذھب...) معطوف ہے جملہ "فاراہ......" پر ہے(۶) لہٰذا جو جملے اس پر معطوف ہیں، وہ محلاً مجرور ہیں۔ اور جملہ: "یسعیٰ" حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور جملہ: "یخشیٰ" کے لیے "من" کا صلہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں(۷)۔

---

(۱) روح المعانی: ۷۳/۷ (پ: ۱۳، ع: ۶) "واعراب القرآن وصرفہ" ۵/۲۶۸، پارہ: ۱۴، رکوع: ۱۵۔ (۲) سورہ "نبا" میں "فتاتون افواجا" کے تحت حاشیہ میں اسکی تفصیل آچکی ہے۔

(۳) ترجمہ:- "موسیٰ" علیہ السلام گئے اور ایسا ویسا ہوا یعنی انہوں نے پیغام الٰہی پہنچایا اور فرعون نے ان سے دلیل نبوت طلب کی، وغیرہ باتیں "کان کیت وکیت" کے تحت آئیگی۔ (۴) روح ۱۵/۳۳۔ (۵) اس کو لام ابتدا بھی کہتے ہیں، وضاحت مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۶) اور اس کی "فا" عاطفہ ہے، جیسا کہ سورۂ "نبا" میں "فتاتون......" کے تحت حاشیہ میں یہ بات آچکی ہے۔

(۷) ترکیب روح المعانی ۱۵/۳۳ اور اعراب القرآن محی الدین ۸/۲۱۹ اور اعراب القرآن وصرفہ سے ماخوذ ہے ۱۵/۲۳۲

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا، اللہ نے اس کو بنایا۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ اس کی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا۔ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ ۭ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ ۭ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا، تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں ”فانما ھی زجرۃ واحدۃ“ میں قیامت (دوبارہ زندگی) کو مستبعد (وقوع سے بعید یعنی ناممکن) یا مشکل سمجھنے والوں کو نقلی جواب دیا گیا تھا، مذکورہ بالا آیات میں اس کا عقلی جواب مذکور ہے۔

جواب کا حاصل ہے کہ تم اس بات کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہو کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم کے مٹی اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد، اس کو پہلے کی طرح زندہ کر کے کھڑا کر دیا جائے، لیکن تم نے اس طرف نظر نہیں کی، کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا، پھر اس کو زمین پر نہیں رکھا، بلکہ بلاستون اس کی چھت کو بہت بلند بنایا نیز اس کو درست بنایا، کہ اس کو پھٹن، رخنہ اور کجی سے محفوظ ہونے کی حالت میں بنایا^(۱)۔ اسی طرح اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا^(۲)۔ اور آسمان کے بعد زمین کو بچھایا، اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا، اور مضبوط، لمبے چوڑے اور بھاری بھرکم پہاڑوں کو زمین پر گاڑ دیا۔ آسمان کو مذکورہ صفات پر بنانا، اسی طرح زمین کو بچھانا، وغیرہ یہ خدا تعالیٰ کے وہ تصرفات ہیں، جو انسان کی نگاہ میں^(۳) انسان کو دوبارہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں بڑے سخت اور مشکل ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا مذکورہ چیزوں کے خالق ہونے کا تمہیں بھی اعتراف ہے، اور ظاہر ہے جو مشکل اور سخت کام کر سکتا ہے! وہ سہل اور آسان کام بدرجہ اولیٰ کر سکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قیامت (دوبارہ زندہ کرنا) ناممکن یا مشکل نہیں ہے۔ (متاعا لکم...) یعنی اس قادر مطلق اور مہربان پروردگار نے یہ سب انتظامات

---

(۱) روح المعانی: ص:۳۴۶۔ سوّیٰ، کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو پورا پورا بنایا یعنی اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ حاشیہ ”بیان القرآن“ بحوالہ ”کشاف“ تحت قولہ تعالیٰ: فسوٰھن سبع سموات: پارہ:۱، ع:۳۔

(۲) رات کا وجود غروب آفتاب سے اور دن کا وجود طلوع آفتاب سے ہوتا ہے۔ اور آفتاب آسمان میں ہے، اس اعتبار سے رات اور دن کا تعلق آسمان سے ہوا۔ لہٰذا رات اور دن کی نسبت آسمان کی طرف کر دی گئی ہے۔ (بیان القرآن)

نوٹ: آسمان اور زمین میں سے کس کی تخلیق پہلے ہوئی اس بحث کے لیے بیان القرآن:۱/ پارہ:۱، رکوع:۳۔ میں آیت: ھو الذی خلق لکم مافی الارض...) کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز مشکل اور کوئی چیز آسان ہو ایسا نہیں ہے، اس کے لیے آسمان اور مچھر بنانا یکساں ہے، البتہ انسان کی نگاہ میں ایک چیز مشکل اور دوسری چیز آسان ہوتی ہے۔ اس لیے ”انسان کی نگاہ“ کی قید لگائی گئی ہے۔

(زمین کا بچھانا، اس سے پانی اور چارہ نکالنا وغیرہ) اس لیے کئے ہیں، تاکہ تم اور تمہارے مویشی فائدہ اٹھائیں۔

اللغۃ: (اَشَدُّ) زیادہ سخت، زیادہ مشکل(۱) صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر باب "ضرب" سے، شَدَّ الشَّیْءُ (ض) **شِدَّۃً:** سخت ہونا، بھاری ہونا، قوی و مضبوط ہونا(۲)۔ (خَلقًا) پیدا کیا جانا، مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول، باب "نصر" سے (بَنٰی) بنایا اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، بَنٰی (ض) بَنْیًا: بنانا۔ (رَفَعَ) اس نے اونچا کیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، رَفَعَ (ف) رَفْعًا: بلند کرنا، اونچا کرنا۔ (سَمْکَ) چھت، ابھار، (ج) سُمُوْکٌ۔ (سَوّٰی) "اس نے درست کیا" برابر کیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے، سَوّٰی تَسْوِیَۃً: برابر کرنا، درست کرنا۔ آیت پاک میں "سَوّٰھَا" (اس کو درست کیا) کے یہ معنی نہیں ہے کہ پہلے آسمان میں کچھ نقص وغیرہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو درست کیا بلکہ یہاں یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اس کو درست اور ٹھیک بنایا، اسی لیے ترجمہ کیا گیا ہے "اس کو درست بنایا" جیسا کہ "سُبْحَانَ مَنْ کَبَّرَ الْفِیلَ وَصَغَّرَ الْبَعُوْضَ" ہے (وہ ذات پاک ہے جس نے ہاتھی کو بڑا بنایا اور مچھر کو چھوٹا بنایا) یعنی شروع ہی سے ایسا بنایا، یہ معنی نہیں کہ ہاتھی پہلے چھوٹا تھا پھر اسکو بڑا کر دیا، اور مچھر بڑا تھا، پھر اسکو چھوٹا کر دیا(۳)۔ (اَغْطَشَ) تاریک بنایا اس نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب "افعال" سے، "اِغْطَاش" مصدر: تاریک بنانا، تاریک ہونا، لازم اور متعدی دونوں استعمال ہوتا ہے، وَغَطِشَ اللَّیلُ (س) غَطَشًا: تاریک ہونا (ضُحٰی) اسم جامد اور مذکر و مؤنث، اصلی معنی دھوپ پھیلنا، دن چڑھنا، پھر اس کا استعمال اس وقت میں زیادہ ہونے لگا۔ جس میں خوب دھوپ پھیل جاتی ہے اردو میں اس کو چاشت کا وقت کہا جاتا ہے، اور اگر اس لفظ کی اضافت شمس کی طرف ہو جیسے "وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا" تو اس وقت مجازاً روشنی کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن مطلق روشنی نہیں، بلکہ وہ روشنی مراد ہوتی ہے، جو سورج کے اُفق شرقی (آسمان کے مشرقی کنارہ) سے دور اور بلند ہونے کے وقت ہوتی ہے، اور دن کے معنی میں بھی مجازاً اس کا استعمال ہوتا ہے۔ یہاں "لیل" کے مقابلہ میں ہونیکی وجہ سے یہی معنی مراد ہے(۴)۔ (دَحٰی) بچھایا اس نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، دحا (ن) دَحْوًا و دَحٰی (ف) دَحْیًا: بچھانا۔ باب (ن) سے ناقص واوی اور باب (ف) سے ناقص یائی ہے(۵)۔ (مرعیٰ) گھاس، چارہ یعنی جانوروں کی خوراک۔ لیکن یہاں مقید بولکر مجازاً مطلق خوراک مراد ہے، خواہ جانوروں کی ہو جیسے برسیم، چری وغیرہ، یا انسان کی ہو، جیسے گیہوں وغیرہ(۶)۔ رَعَی الحیوانُ النباتَ (ف) رَعْیًا: جانور کا گھاس چرنا۔ (اَرْسٰی) قائم کر دیا، صیغہ واحد مذکر غائب۔ اَرْسَی الشیئُ یُرْسِی اِرْسَاءً (افعال): ثابت

---

(۱) اشق واصعب. (روح: ۱۵/ ۳۵۔ ملتان) (۲) المعجم الوسیط: ۴۷۵۔ (۳) روح: ۱/ ۳۴۶۔ (۴) روح: ۱۵/ ۳۶ و ۱۶۲ (ملتان) و ج ۶ ص ۱۸: (پارہ: ۹، رکوع: ۲:۶) اور مزید تفصیل "لغات القرآن وصرفہ" میں۔

(۵) روح: ۱۵/ ۳۷۔ (۶) روح: ۱۵/ ۳۹۔

کرنا، قائم کرنا۔ (متاعًا) اسم مصدر [1] بمعنی تمتیع (فائدہ پہنچانا) (انعام) اسم جامد، مویشی یعنی اونٹ، گائے، بکریاں، نَعَم، بمعنی اونٹ کی جمع ہے [2] (قالہ الراغب فی مفردات القرآن) البتہ جمع (انعام) کا اطلاق اونٹ، بیل، گائے پر ہوتا ہے، اور اس اطلاق کے لیے اونٹ کا مذکورہ جانوروں میں ہونا ضروری ہے اور "نعم" کے معنی چونکہ اونٹ کے ہے؛ لہٰذا دیگر مذکورہ جانوروں پر انعام کا اطلاق تغلیب کی بنا پر ہے [3]۔

ترکیب: (ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا○ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا○ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا○) ہمزہ برائے استفہام توبیخی، (انتم) مبتدا (اَشَدُّ) خبر (خَلْقًا) تمیز منقول عن المبتدا، اس لیے کہ اصل میں "ءَ خَلْقُكُمْ اَشَدُّ" تھا (اَم) حرف عطف (السَّمَآء) معطوف (انتم) پر اس وقت (اشد خلقا) دونوں کی خبر ہوگا۔ یہ ترکیب بھی ہوسکتی ہے کہ (السماء) مبتدا اور اس کی خبر (اشد خلقا) محذوف اور جملہ: "ءَ أنتم اشد خلقا" دونوں صورتوں میں مستانفہ (بنٰها) فعل اپنے فاعل (هُوَ) ضمیر پوشیدہ اور "ها" ضمیر مفعول بہ سے مل کر جملہ مستانفہ بیانیہ اسی طرح جملہ: "رفع سمكها" ہے۔ (سوّاها) یہ جملہ اور اسی طرح "اَخْرَجَ ضُحٰهَا" تک کے جملے ماقبل یعنی جملہ: "رَفَعَ سَمْكَهَا" پر معطوف ہیں۔ لہٰذا معطوف علیہ کی طرح ان کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ (وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ) واو مستانفہ (اعراب القرآن درویش) یا عاطفہ (اعراب القرآن محی الدین) (الارض) مفعول بہ فعل محذوف (دحیٰ) کا، جس کی تفسیر (دحیٰ) مذکور کر رہا ہے (بَعْدَ ذٰلِكَ) مرکب اضافی ہوکر مفعول فیہ (دحیٰ) مقدر کا، اور جملہ: "(دحیٰ) الارض" مستانفہ یا معطوف۔ (دحیٰ) فعل "ھو" ضمیر پوشیدہ محلا مرفوع فاعل، "ھا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، مفعول بہ، اور جملہ: "دحٰها" مفسرہ جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے [4] (اخرج منها) (اخرج) فعل ضمیر پوشیدہ فاعل (منها) متعلق (ماء ها) مفعول بہ اخرج کا (ومرعاها) واو عاطفہ اور (مرعاها) معطوف (ماء ها) پر اور جملہ: "اخرج" مستانفہ بیانیہ [5]۔ (والجبال ارسٰها) جملہ معطوف (دحیٰ الارض) پر باقی ترکیب (الارض بَعْدَ ذٰلِكَ دحٰها) کی طرح ہے، (متاعا) مفعول بہ فعل محذوف (فَعَلَ ذٰلِكَ) کا (لکم) متعلق (مَتَاعًا) کے (ولانعامکم) معطوف لکم پر، ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق ہے، اور یہ ترکیب بھی ممکن ہے کہ (متاعا) مفعول مطلق ہو، اس فعل محذوف کا جس پر

---

(۱) اسم مصدر کی وضاحت مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) اونٹ کو "نعم" کہنے کی یا تو یہ وجہ ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ بڑی نعمت ہے (اعراب القرآن: ۳/۱۷۱) یا یہ کہ اس کی چال نرم ہوتی ہے اس وقت یہ نُعُومۃ بمعنی نرم و نازک ہونے سے ماخوذ ہوگا۔ کما فی "الروح": لنعومة مشيها ولينه. (۳/۲۲۳ آل عمران) (۳) اعراب القرآن: ۲/۱۷۱ مائدہ رکوع ۱۔ (۴) بعض حضرات کے یہاں اگر جملہ مفسرہ (بالفتح) کے لیے محل اعراب ہے تو جملہ مفسِّرہ بالکسر کے لیے بھی محل اعراب ہوتا ہے جیسے: "اَنَا زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ" میں جملہ مُفسَّرہ (ضربتُ زیدا) (انا) کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے لہٰذا جملہ مفسرہ (ضربتہ) بھی محل رفع میں ہوگا (مغنی اللبیب ۲/۴۰۳) (۵) بیان وتفسیر لدحاها وتکملة له. فان السکنی لا تتأتی بمجرد البسط بل لا بد من تسوية المعايش من المآكل والمشارب. روح: ۱۵/۳۹۔

سیاق کلام دلالت کر رہا ہے یعنی مَتَّعَ کا، تقدیری عبارت ہوگی۔ مَتَّعَ مَتَاعًا لکم ولانعامکم (۱)۔

فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا یَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جاوے گی۔ فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی، فَإِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰى ۝ سو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ۝ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قیامت عقلاً ممکن ہے، محال اور ناممکن نہیں ہے اور مذکورہ بالا آیات میں قیامت کی شدت وسختی اور اس دن میں انسان کے اپنے اعمال کو یاد کرنے، نیز اس میں جزا و سزا کے جو واقعات ہوں گے، ان کا بیان ہے چنانچہ ارشاد ہے:- (فاذا جاءت الطامۃ الکبریٰ......) سو جب وہ بڑا ہنگامہ آویگا یعنی (۲) جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا۔ (مراد قیامت کا دن ہے جو کفار و مشرکین، اور منافقین و فجار کے لیے تصور سے بالاتر مصیبت اور بڑا ہنگامہ ثابت ہوگا، کہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی اور دوست واحباب سے؛ جن کے لیے وہ ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے بھاگے پھریں گے۔ اور اس وقت جب نیک اعمال پر انعامات ملیں گے، اور برے اعمال پر سزائیں ہوں گی تو انسان کو اپنا اچھا، برا، چھوٹا، بڑا ہر عمل یاد ہوگا۔ کوئی عمل ایسا نہ ہوگا جو اسے یاد نہ ہو، اس لیے کہ نامہ اعمال میں ہر عمل درج ہوگا، جس کو بے پڑھا لکھا آدمی بھی پڑھ لے گا (۳)۔

(وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فامن طغیٰ ۝ واثر الحیوة الدنیا الخ) اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی تو (اس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی۔ (اور آخرت کا منکر ہو کر اس پر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی یعنی ایسے کام کئے ہوں گے، جن میں دنیا کی تو لذت و راحت ہے، مگر آخرت میں عذاب مقرر ہے۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ یعنی دنیاوی زندگی اس طرح گزاری کہ ہر وقت یہ خوف لگا رہا کہ ایک روز خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر مجھے اپنے اعمال و حرکتوں کا جواب دینا ہے، بالفاظ دیگر آخرت اور حساب و کتاب پر اس کا کامل ایمان ہو۔ (وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى) اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا

---

(۱) روح: ۱۵/۳۹۔ (۲) یہ ترجمہ بدل کی وجہ سے ہے۔ (۳) والمراد یتذکر کل احد ما عمله من خیر او شر بان یشاهده مدونًا فی صحیفته (روح: ۱۵/۳۰۔ ملتان) وعن "قتادة" انه یقرأ فی ذلك الیوم من لم یکن قارئًا. روح: ۹/۴۹. تحت قوله تعالی: "اقرأ کتابك.." (پارہ: ۱۵، رکوع: ۲)

ہوگا یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہے، عمل صالح بھی اس نے کیا ہو (فإن الجنة هي المأوى) سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ کامل کامیابی (یعنی جنت میں دخول اولی) کے لیے اعتقاد صحیح اور عمل صالح دونوں کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ عمل صالح جنت میں دخول کا ذریعہ ہے، موقوف علیہ نہیں ہے (۱)۔

اللغة: (إذا): جب، اسم ظرف، مبنی علی السکون اور زمان مستقبل کے لیے ہے، گرچہ ماضی پر داخل ہو، جیسے "إذا جاءَ نصرُ اللهِ" جب خدا کی مدد پہنچے، تفصیلی کلام "لغات القرآن وصرفہ" (سورۂ انفطار میں ملاحظہ فرمائیں) (الطامة) بڑا ہنگامہ، بڑی مصیبت (دونوں ایک ہی مفہوم کی تعبیر ہے) صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، باب "ضرب" سے، اور "تا" اس کی مبالغہ کے لئے ہے، تانیث کے لیے نہیں ہے۔ اس کے اصلی معنی ہے: بہت بلند۔ چوں کہ بڑی مصیبت انسان پر بلند و غالب ہو جاتی ہے، اس لیے الطامة بڑی مصیبت کا اسم ہوگیا اور "الكبرى" صفت برائے تاکید ہے، اس لیے کہ بڑی کا مفہوم خود "طامة" سے سمجھ میں آرہا ہے۔ بعد میں "الطامة الكبرى" قیامت کے علم کے مانند ہوگیا (۲)۔ طَمَّ (ض) طَمًّا وطُمُومًا: بلند ہونا۔ (يتذكر) یاد کریگا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، تَذَكَّرَ تَذَكُّرًا: (تفعل): یاد کرنا۔ (ماسعى) وہ جو اس نے کیا، یعنی عمل۔ سعی صیغہ واحد مذکر غائب، باب (فتح) سَعْيًا: کام کرنا، کوشش کرنا سے۔ (بُرِّزَت) ظاہر کردی جائیگی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، بَرَّزَ تَبْرِيزًا (تفعیل): ظاہر کرنا سے۔ (يرى) دیکھتا ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف رأى (ف) رُؤْيَةً، ورأيًا: دیکھنا، سے۔ (آثر) ترجیح دے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، آثَرَ يُؤْثِرُ إيثارًا "افعال" ترجیح دینا، سے۔ (الجحيم) دہکتی ہوئی آگ، اصلاً فعیل بمعنی فاعل ہے (۳) جَحِمَتِ النارُ (س) جَحْمًا، جُحُومًا، وجَحَمًا: آگ بھڑکنا۔ (المأوى) ٹھکانا، اسم مکان (ج) المآوي، أَوَى البيتَ وإليه (ض) أَوِيًّا وإواءً: ٹھکانا لینا، پناہ دینا، اترنا۔ (أمّا) حرف شرط و تفصیل و تاکید۔ اور مفصل بحث احقر کی کتاب "لغات القرآن وصرفہ" میں مطالعہ فرمائیں۔

(خاف) ڈرے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، خافَ عليه ومنه وخَافَهُ (س) خَوْفًا، ومَخَافَةً وخِيفَةً: ڈرنا۔ (مقام) مصدر میمی بمعنی کھڑا ہونا (۴)۔ (نهى) اس نے روکا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، نَهَاهُ عَنْهُ باب (ف) نَهْيًا، روکنا، سے۔ (الهوى) مصدر۔ (۵) هَوِيَ يَهْوَى (س) (بمعنی) مائل ہونا، خواہش کرنا، یہاں یہی معنی مراد ہے۔ لیکن خواہش سے حرام خواہش مراد ہے (بیان القرآن) (الجنة) بہشت، آخرت میں مومنین کیلئے اللہ تعالی کی طرف سے تیار کیا ہوا راحت و آرام کا ٹھکانا ثواب، اور اچھے بدلے کا گھر ہے اس کو "جنة" اسلئے کہتے ہیں، کیونکہ یہ جنان (باغات) پر مشتمل ہے، یا اس لیے کہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے (مرقات شرح مشکوۃ: ۱۰/ ۲۸۱۔) (باب صفة الجنة وأهلها)

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۲۳۶، وروح المعانی: ۱۶/ ۶۱۔ (۳) لغات القرآن (مولانا عبدالرشید) ۲/ ۲۴۲۔

(۴) حضرت تھانویؒ کا مذکورہ بالا ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔ (۵) اعراب القرآن وصرفہ: ۳/ ۲۰۲۔ تحت قوله تعالى: "ولا تتبعوا الهوى" (نساء)

ترکیب: "فاذا جاءت" "فا" استینافیہ(۱)، "اذا" ظرفیہ متضمن معنی شرط محلا منصوب اذا کے جواب (وقع مالا یدخل تحت الوصف)(۲) کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے(۳) (الطامۃ الکبریٰ) فاعل اور جملہ: "جاءت....." محلا مجرور اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے (یَوْمَ) بدل (اذا جاءت) سے(۴) یا (الطامۃ الکبریٰ) سے اس وقت یہ محلا مرفوع ہوگا، مگر چونکہ فعل کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے فتحہ پر مبنی ہے (کماھو رای الکوفیین) (یَتَذَکَّرُ) فعل (الانسان) فاعل، اور جملہ: "یتذکر" محلا مجرور یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے (مَاسَعٰی) ما موصولہ سعی صلہ اور عائد محذوف تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "ماسعاہ" موصول صلہ سے ملکر مفعول بہ یتذکر فعل کا، اور ماسعیٰ میں "ما" میں موصول حرفی (حرف مصدر) ہونیکا بھی احتمال ہے۔ دونوں احتمالوں میں جملہ: "سعی" کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے (بُرِّزَتِ الجحیمُ) معطوف جملہ یتذکر پر "لِمَن" متعلق (بُرِّزَتْ) کے۔ (یریٰ) صلہ من کا (فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَآثَرَ الحیوۃ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی) فا استینافیہ(۵) "اما" حرف شرط وتفصیل۔ (من) موصولہ مبتدا، طغیٰ صلہ (آثر) معطوف طغیٰ پر (الحیوۃ الدنیا) موصوف صفت سے ملکر مفعول بہ آثر کا "فان الجحیم" "فا" جوابیہ (ان الجحیم) ان اور اس کا اسم ھی مبتدا "الماوی" خبر اور جملہ: "ھی الماوی" محلا مرفوع، خبر انکی اور جملہ: "ان الجحیم ......" محلا مرفوع خبر من کی،(۶) من مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ مستانفہ۔ (وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی) واو عاطفہ باقی ترکیب اَما من طغی الی آخرہ کی طرح ہے۔

فائدہ: "فان الجحیم ھی الماوی" جیسی ترکیب میں بعض حضرات "ھی" جیسی ضمیروں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں مانتے ہیں، کمافی الکافیہ، لہٰذا ان حضرات کے قول کے مطابق اس کو مبتدا نہیں قرار دیں گے؛ بلکہ یوں کہیں گے: "ھی" فاصلہ یا برائے فصل۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَاؕ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَاؕ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اسکے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَاؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ۔ (۲) یعنی: ایسی بات پیش آئیگی جو بیان سے باہر ہے، بعض حضرات نے "فامامن طغی" کو اذا کا جواب قرار دیا ہے۔ (۳) اذا کے سلسلہ میں یہ اکثر نحاۃ کا قول ہے، تفصیل لغات القرآن وصرفہ، سورہ "انفطار" میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) اختارہ "التھانوی" (۵) اعراب القرآن ج۔۸ص۔۲۱۴ (۶) یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جملہ "ان الجحیم ھی الماوی" من کی خبر ہے اور جملہ کے خبر ہونیکی صورت میں عائد کا ہونا ضروری ہے، جو یہاں نہیں ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ کوفیین کے نزدیک اصل عبارت اس طرح تھی "ھی ماواہ" مضاف الیہ ضمیر کو حذف کرکے اس کے عوض میں "ال" لایا گیا ہے، لہٰذا ال ء ئد کے قائم مقام ہے اور بصریین کے نزدیک عائد محذوف ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "ھی الماوی" ان حضرات کے یہاں "ال" مضاف الیہ کے عوض میں نہیں ہوگا۔ (روح: ۱۵/۴۱، واعراب القرآن: ۸/۲۱۴)

> مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۞ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۞ تیرے رب کی طرف پہنچ ہے اس کے علم کی آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو، ایسا لگے گا جس دن اس کو دیکھیں گے کہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر ایک شام یا اس کی صبح۔

ربط: ماقبل میں قیامت کی شدت وسختی کا بیان تھا، مذکورہ بالا آیات میں کفار کے ایک سوال کا جواب ہے جو وہ از راہ انکار واستہزا کرتے تھے، سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئیگی یعنی اسکا متعین وقت بتلائے۔

تفسیر: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ (یعنی قیامت کے واقع ہونے کا متعین وقت پوچھتے ہیں) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ کیونکہ بیان کرنے کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، اور قیامت کا متعین وقت ہم نے کسی کو بتلایا نہیں بلکہ تیرے رب کی طرف پہنچ ہے اس (کے علم) کی یعنی اس کے متعین وقت کے علم تک خدا تعالی کے علاوہ کسی کی حتی کہ آپ کی بھی رسائی اور پہنچ نہیں ہے (اور) آپ تو صرف (اجمالی خبر یعنی صرف قیامت کے آنے کی اطلاع دے کر) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو، یعنی قیامت کے بارے میں مذکورہ سوال کے جواب سے گرچہ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن یہ وظیفہ وذمہ داری بہرحال آپ کی ضرور ہے کہ قیامت کا تذکرہ کر کے اس شخص کو آپ ڈرائیں اور ہوشیار کریں، جو قیامت سے ڈرتا ہو اور ڈر کر ایمان لاتا ہو، گرچہ سبھی کو ڈرانا آپ کا کام ہے لیکن چونکہ فائدہ آپ کے ڈرانے سے اسی کو ہوگا، جو اس دن سے ڈرتا ہو، اور جو اس دن سے ڈرتا نہیں ہے اس کو آپ کے سمجھانے سے فائدہ نہیں ہوگا، لہٰذا اس کو ڈرانا نہ ڈرانے کے برابر ہوا، اس لیے "اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا" فرمایا گیا ہے۔ "كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا" (یعنی یہ لوگ آج گرچہ جلدی مچا رہے ہیں لیکن سمجھ رکھیں کہ) جس روز اس کو دیکھیں گے (تو ان کو) ایسا لگے گا کہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا اس کی صبح۔ یعنی آج تم قیامت کو جلدی مانگ رہے ہو، اور اس کے وقوع میں تمہیں تاخیر اور دیر محسوس ہو رہی ہے، لیکن جب وہ آجائیگی، تو اسکے آنے کے بعد دنیا میں رہنے کی مدت بہت تھوڑی معلوم ہوگی، ایسا محسوس ہوگا کہ دنیا میں صرف شام کے وقت یا صبح کے وقت کے برابر رہنا نصیب ہوا ہے۔ اور وجہ اس معلوم ہونے کی اس دن کی ہولناکی، پریشانی اور درازی ہے، لہٰذا جلدی مت مچاؤ؛ جب وہ واقع ہوگی جلدی ہی محسوس ہوگی۔

اللغة: (يَسْئَلُوْنَ) وہ پوچھتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، سَاَلَهٗ عَنْ كَذَا (ف) سُؤَالًا وَتَسْآلًا ومَسْئَلَةً پوچھنا، سے۔ (السَّاعَة) قیامت، اسم جامد، اصل میں "السَّوَعَةُ" بروزن الفَعَلَةُ (بفتح العین) تھا۔ واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہونیکی وجہ سے واؤ کو الف سے بدل لیا گیا الساعۃ ہوگیا۔ اصلی معنی: گھڑی، لمحہ، وقت تھوڑا ہو یا زیادہ، دن کا ہو یا رات کا؛ بعد میں یہ لفظ قیامت کے اسماء غالبہ(۱) میں سے ہوگیا۔ اور قیامت کو "ساعۃ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اچانک اور لمحہ میں واقع

---

(۱) **اسماء غالبہ:** ان اسماء کو کہا جاتا ہے جو اصلاً تو جنس ہوں اور بعد میں اس جنس کے افراد میں سے کسی ایک میں ان کا استعمال ←

ہو جائیگی (۱)۔ (مُرْسٰهَا) اس کا قائم کرنا، اس کا واقع کرنا، قائم کرنے کا وقت، زمانہ، مصدر میمی اور اسم ظرف دونوں کا احتمال ہے (۲) پہلا ترجمہ مصدر میمی کا ہے اور آخری اسم ظرف کا ہے۔ مزید دیکھئے "مُرْسٰهَا"۔ (فِيمَ انت) "فی" حرف جار اور "ما" اسم استفہام بمعنی "اَیُّ شَیْءٍ" ہے، جس کے الف کو حرف جر کے داخل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور "فیم انت من ذکراھا" کا لفظی ترجمہ ہے: آپ اس کے ذکر اور بیان کرنے سے کس چیز (تعلق) میں ہیں، اور استفہام چونکہ انکاری ہے (۳) اس لیے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اس کے ذکر اور بیان کرنے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ذِکْرٰی) مصدر، ذَکَرَ (ن) ذِکْرًا وذِکْرٰی: ذکر کرنا، بیان کرنا، یاد کرنا۔ "ذِکْرٰی" کے بعد "ھا" ضمیر سے پہلے "وقت" مضاف پوشیدہ ہے (۴) تقدیری عبارت ہے: مِنْ ذِکْرٰی وَقْتِهَا" (اس کا وقت بیان کرنا) (منتھاھا) اس کی انتہا، مصدر میمی، باب (افتعال) سے بمعنی "انتہاء" (منتہٰی) "ھا" ضمیر سے "علم" مضاف پوشیدہ ہے، تقدیری عبارت ہے "مُنْتَھٰی عِلْمِھَا" (اس کے علم کی انتہا) (۵)

ترکیب (يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا) جملہ: "یسئلونك" مستانفہ، عن الساعۃ، یسئلون کے متعلق، (ایان) ثابت محذوف کا ظرف ہو کر خبر مقدم (مرساھا) مرکب اضافی ہو کر مبتدا مؤخر اور پورا جملہ: (اَيَّانَ مُرْسٰهَا) "قائلین" محذوف کا مفعول بہ اور "قائلین" صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل "ھم" ضمیر پوشیدہ، اور مفعول بہ سے مل کر حال یسئلون کی ضمیر سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ "اَيَّانَ مُرْسٰهَا" "عن الساعۃ" (جار و مجرور کے مجموعہ سے نہ کہ صرف مجرور سے) سے بدل ہو، اس وقت "ایان مرساھا" "منصوب بنزع الخافض ہوگا، تقدیری عبارت ہوگی: "عن ایان مرساھا" (۶) (فیم انت مِنْ ذِکْرٰهَا اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا. اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا) (فیم) جار مجرور سے مل کر متعلق ثابت کے ہو کر خبر مقدم، (انت) مبتدا مؤخر، (من ذکراھا) متعلق ثانی ثابت کا اور جملہ: "فیم انت......" مستانفہ بیانیہ (الی ربك) "ثابت" محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم (منتھاھا) مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا مؤخر، اور پورا جملہ: (الی ربك الخ) تعلیلیہ (انما) کافہ مکفوفہ (انت) مبتدا (مُنْذِرُ) خبر (من) موصولہ محلًا مجرور مضاف الیہ (منذر) کا

← "لام" کے ساتھ ہو اور یہ استعمال کثیر ہو جائے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اس فرد کا علم ہو جائے۔ جیسے "البیت" اصلاً تو مطلق گھر کو کہتے ہیں لیکن اسکا استعمال "کعبہ" کے لیے کثیر ہو گیا ہے۔ قال تعالیٰ "ولله على الناس حج البيت" اسی طرح "النجم" مطلق ستارہ کو کہتے ہیں لیکن "ثریا" کے لیے کثرت استعمال کی وجہ سے اس کا علم ہو گیا ہے۔ رضی: ۱/۲۲۲۔ شرح کافیہ (اشرفی)۔

---

(۱) از "اعراب القرآن" لمحی الدین: ۸۳/۳۰۔ تحت قولہ تعالیٰ: يسئلونك عن الساعة: پ:۹، رکوع:۱۳۔ (۲) روح: ۴۲/۱۵۔ (۳) روح: ۴۲/۱۵۔ (۴) روح: ۴۲/۱۵۔ (۵) روح: ۴۲/۱۵۔ (۶) بعض نے "الساعۃ" سے بدل مانا ہے، اس وقت یہ جملہ محلًا مجرور ہوگا؛ لیکن تحقیقی بات بعض محققین کے نزدیک یہی ہے کہ جار مجرور کے مجموعہ سے بدل ہو۔ کما فی "الروح": والتحقيق عند بعض جلة المحققين أن محلها النصب بنزع الخافض لأنها بدل من الجار والمجرور، لا من المجرور فقط. (۱۹۳/۶، تحت قولہ تعالیٰ: "يسئلونك عن الساعة ايان مرساها قل انما علمها......" پ:۹، ع:۱۳)

(یخشاها) فعل ضمیر "هو" پوشیدہ محلا مرفوع فاعل اور "ها" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول به اور جملہ صلہ "من" کا، اور جملہ: (انما انت......مستانفہ [1] (کانهم یوم یرونها لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاها) (کان) حرف مشبہ بالفعل اور "هم" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب اسم (یوم) مفعول فیہ اس معنی تشبیہ کا جو (کانّ) سے سمجھے جا رہے ہیں، اور جملہ (لم یلبثوا......) محلا مرفوع خبر (کانّ) کی (عشیۃ) مفعول فیہ، (لم یلبثوا) کا (او ضحاها) (اَو) حرف عطف (ضحاها) مرکب اضافی ہوکر معطوف (عشیۃ) پر اور جملہ: "کانهم..." مستانفہ۔[2]

آیاتها ۴۲ (۸۰) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴) رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وہ چیں بجبیں ہوگئے اور منہ موڑ لیا اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ تو جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۙ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے۔ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ تو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔

ربط: سورۃ نازعات کے آخر (انما انت منذر الخ) میں آپ کی ذمہ داری ڈرانا اور ہوشیار کرنا بیان کی گئی ہے، اس سورت میں ان لوگوں کا بیان ہے، جن کو یہ انذار (ڈرانا) نافع ہوگا اور جن کو نافع نہیں ہوگا۔ (روح المعانی: ۱۵/۴۴)

شانِ نزول: ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بعض رؤسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے (ایک روایت کے مطابق ان کے نام یہ ہیں: ابوجہل ابن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، اُبی ابن خلف، اُمیہ ابن خلف، شیبہ بن ربیعہ) کہ اتنے میں عبداللہ ابن ام مکتوم جو نابینا صحابی تھے حاضر ہوئے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ اس لیے آتے ہی کہنے لگے: یارسول اللہ! ﷺ مجھ کو دین کی باتیں سکھلایئے۔ اور بار بار یہی کہتے رہے۔ نبی کریم ﷺ کو اس قطع کلامی سے ناگواری ہوئی، اور آپ کے ماتھے پر بوجہ ناراضگی شکن پڑ گئے، اور ان کی طرف آپ ﷺ نے توجہ نہ کی۔ جس کی وجہ آپ کا یہ اجتہاد اور سوچ تھی کہ ان کفار کا مرض شدید ہے، نیز ان کے ایمان لانے سے اوروں کے ایمان لانے کی بھی توقع ہے اور عبداللہ بن ام مکتوم کی جہاں تک بات ہے، وہ مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش ہیں، دوسرے وقت میں ان کو جواب دیا جا سکتا ہے، نیز ان کا سوال کسی فرعی مسئلہ سے متعلق تھا۔ لہٰذا موجودہ کفار پر اس وقت دھیان دینا اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا، اور جب آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے، اور سورہ "عبس" کی مذکورہ بالا آیتیں نازل

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۲۲۸۔ (۲) از اعراب القرآن لمحی الدین: ۸/۲۱۴۔ و اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۳۸۔

ہوئیں۔ اس کے بعد جب یہ صحابی آپ کے پاس آتے تو آپ ان کی بڑی خاطر کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "مَرْحَباً بِمَنْ عَاتَبَنِیْ فِیْهِ رَبِّیْ" "مرحبا و خوش آمدید ہو اس کو جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔"

تفسیر: (عَبَسَ وَتَوَلّٰی ان جاء ہ الْاَعْمٰی) وہ (پیغمبر) ﷺ چیں بجبیں (۱) ہو گئے اور منہ موڑ لیا اس بات سے کہ انکے پاس اندھا آیا۔ ان آیات میں اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے مذکورہ طرزِ عمل پر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا ہے، لیکن اس اظہارِ ناگواری کے لیے خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس میں رُو در رُو حضور ﷺ کی طرف مذکورہ امور کی نسبت نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس بات کا ایہام (۲) ہے کہ یہ کام کسی اور نے کیا ہے اور یہ طرزِ تعبیر حضور ﷺ کے اعزاز و اکرام کے پیشِ نظر اختیار کیا گیا ہے۔ اور ہر جگہ غائب کا صیغہ استعمال کرنے میں چوں کہ اس بات کا شبہ ہو سکتا تھا کہ آپ کا طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترکِ خطاب (۳) کا سبب بن گیا ہے، لہٰذا آگے آپ کی دل جوئی کے لیے خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ (وما یدریك......) اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا (یعنی ظاہری اور باطنی گندگیوں سے اپنے کو پاک صاف کر لیتا، یعنی اعلیٰ درجہ حاصل کر لیتا جو ابرار و اتقیاء کا مقام ہے) یا (کم سے کم کسی امر میں) نصیحت قبول کرتا سو نصیحت کرنا اس کو (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا۔ (اَمّا من استغنی...) تو جو شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالاں کہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے (لہٰذا جب وہ ایسا ہے، تو اس کی طرف زیادہ دھیان دینے کی اور اس کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے) (واما من جاء ك...) اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ان آیات میں آپ ﷺ کی اجتہادی لغزش کو بیان کیا ہے، آپ کے اجتہاد اور سوچ کی بنیاد یہ تھی کہ اہم کام کو مقدم رکھنا ایک طے شدہ بات ہے، لیکن اہم کام کو سمجھنے میں آپ سے اس طرح چوک ہوئی کہ کفر و شرک جس میں سردارانِ قریش مبتلا تھے چوں کہ بڑے گناہ اور بڑے مرض ہیں، اور بڑے مریض کے علاج کو اہمیت دینی چاہیے، جیسے دو بیماروں میں ایک کو ہیضہ اور دوسرے کو زکام ہو، تو ہیضہ والے کا علاج مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان کفار کی طرف توجہ کو اہمیت دی، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ بڑا مریض اس وقت اہمیت دیے جانے کے لائق ہے، جب وہ علاج کا مخالف نہ ہو ورنہ تو چھوٹا مریض جو علاج کا طالب ہے مقدم رکھنے اور اہمیت دیے جانے کے لائق ہے؛ لہٰذا عبد اللہ بن ام مکتوم کی تعلیم کو اہمیت دینا چاہیے تھا۔

اللغة: (عَبَسَ): وہ چیں بجبیں ہو گئے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ عَبَسَ (ض) عَبْساً، عُبُوْساً: چیں بجبیں ہونا (ماتھے پر بل ڈالنا) (۴)۔ (تَوَلّٰی) منہ موڑا، متوجہ نہ ہوئے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، تَوَلّٰی (تفعل) تَوَلِّیاً: اعراض کرنا۔ جس کی تعبیر اوپر منہ موڑنے اور متوجہ نہ ہونے سے کی گئی ہے۔

---

(۱) چیں بمعنی شکن، بل، چیں بجبیں ہونا: ماتھے پر بل ڈالنا جس کو تیور چڑھانا بھی کہتے ہیں۔ (۲) وہم ڈالنا۔ (۳) مخاطب بنانا چھوڑ دینا۔

(۴) المعجم الوسیط: ص: ۵۸۰۔

(اَلْاَعْمٰی) اندھا، صفت مشبہ ج عُمْیٌ، عُمْیَانٌ۔ عَمِیَ (س) عَمًی: اندھا ہونا۔ (مَایُدْرِیْكَ) آپ کو کیا خبر؟ "ما" استفہامیہ ہے بمعنی "اَیُّ شَیءٍ" اور "یُدْرِیْ" فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، باب (افعال) سے، "مایدریك" کا لفظی ترجمہ ہے: "کون سی چیز ہے جو آپ کو جتوا رہی ہے، بتلا رہی ہے، اور استفہام چونکہ انکاری ہے، اس لیے معنی ہوئے، ایسی کوئی چیز نہیں جو آپ کو بتلائے، اور اس مفہوم کی مختصر تعبیر ہوگی: آپ ﷺ کو معلوم نہیں [1] اور "آپ کو کیا خبر؟" یہ "مایدریك" کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ أَدْرٰی إِدْرَاءً: جتوانا۔ خبر دینا، (یَزَّكّٰی) سنورتا ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب (تفعل) سے، تَزَكّٰی الرَّجُلُ تَزَكِّیًا: پاک صاف ہونا، سنورنا، صدقہ دینا، (یَذَّكَّرُ) نصیحت قبول کرتا ہے وہ، صیغہ، بحث اور باب یَزَّكّٰی کی طرح۔ تَذَكَّرَ تَذَكُّرًا (تفعل): نصیحت قبول کرنا، یاد کرنا۔ (تَنْفَعَ) صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، منصوب بأن مقدرہ، نَفَعَهٗ (ف) نَفْعًا: فائدہ پہنچانا، سے۔ (اسْتَغْنٰی) بے پرواہی کرتا ہے [2] صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب "استفعال" سے۔ اِسْتَغْنٰی یَسْتَغْنِیْ اِسْتِغْنَاءً (استفعال) بے پرواہی کرنا، غنی ہونا۔ (تَصَدّٰی) آپ فکر میں ہیں، آپ اس کے درپے ہیں۔ صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب تفعل سے۔ صاحب "بحر" کی رائے یہ ہے کہ یہ "صَدَدٌ" بمعنی مقابل وسامنے سے بنا ہے، کہا جاتا ہے: دَارِیْ "صَدَدَدَارِہٖ" میرا گھر اس کے گھر کے مقابل ہے [3] اور تَصَدّٰی کی اصل "تتصدَّدُ" (تین دال) کے ساتھ تھی، تیسری (آخری) دال کو "یا" سے اور "یا" کو ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے "الف" سے بدل لیا گیا، اور شروع سے ایک "تا" کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا، تَصَدّٰی ہو گیا۔ اس کی نظیر سورۃ "شمس" میں "دَسّٰی" ہے، جو اصل میں دَسَّسَ (تین سین کے ساتھ) تھا تیسرے "سین" کو "یا" سے اور "یا" کو "الف" سے بدل لیا گیا: دَسّٰی ہو گیا۔ [4] تصدی له تَصَدِّیًا: کسی کے درپے ہونا، کسی کی فکر کرنا، (تَلَهّٰی) آپ بے اعتنائی کرتے ہیں، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب (تفعل) سے، اصل میں "تَتَلَهّٰی" تھا ایک تا کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور آخر میں "یا" کو الف سے بدل لیا گیا تَلَهّٰی ہو گیا۔ تَلَهّٰی عَنْهُ (تفعل) تَلَهِّیًا: توجہ ہٹانا، غافل ہونا، ذکر چھوڑنا۔

ترکیب: (عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی) (عَبَسَ) فعل بافاعل (اور جملہ مستانفہ ابتدائیہ) (تَوَلّٰی) عَبَسَ پر معطوف۔ (اَنْ جَآءَ) اس سے پہلے لام حرف جر پوشیدہ ہے، تقدیری عبارت "لِاَنْ جَآءَ" ہے، جاء مجرور سے ملکر کوفین کے مختار مسلک کے مطابق فعل اول (عَبَسَ) کے متعلق اور بصریین کے مختار مسلک کے مطابق فعل ثانی (تولی) کے متعلق (۵) (جَآءَ) فعل "ها" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ (الاَعْمٰی) فاعل (وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی. اَوْیَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

---

[1] والمعنی انك لاتدری (روح: ۱۵/۴۶) [2] یہ ترجمہ شرط کی وجہ سے ہے ورنہ ماضی کے صیغہ کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ ترجمہ ہوگا: "بے پرواہی کی" آگے آنے والے مقامات کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔ [3] روح: ۱۵/۴۷۔ [4] روح: ۱۵/۱۶۵ (شمس) [5] اس ترکیب کو سمجھنے کے لیے تنازع فعلان کی بحث ذہن میں رہنی چاہئے، اس لیے کہ "لان جاء" میں عبس اور تولی کا تنازع ہو رہا ہے۔

الذِّكْرىٰ) (وَمَا يُدْرِيْكَ) واؤ عاطفہ یا استینافیہ "ما" استفہامیہ بمعنی ایُّ شیءٍ مبتدا⁽¹⁾ یُدْرِیْ فعل ضمیر "ھو" پوشیدہ راجع "ما" کی طرف محلا مرفوع فاعل، کاف ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ، اور جملہ: "یُدْرِیْکَ..... " محلا مرفوع "ما" کی خبر اور جملہ: "ما یدریك..... " واؤ کے عاطفہ ہونے کی صورت میں جملہ ابتدائیہ پر معطوف۔ (لعلہ) "لعلّ" حرف مشبہ بالفعل "ھا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، اس کا اسم (یزکیٰ) فعل ضمیر پوشیدہ فاعل، اور جملہ محلا مرفوع خبر "لعل" کی اور جملہ: "لعلہ یزکی" محلا منصوب بنزع الخافض⁽²⁾ یدری کا مفعول بہ ثانی ہونے کی وجہ سے (اَوْ يَذَّكَّرُ) یزکی پر معطوف (فتنفعہ) فا عاطفہ (تنفع) فعل مضارع منصوب "فا" کے بعد پوشیدہ "ان" کی وجہ سے، "ھا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ (الذِّکریٰ) فاعل مرفوع ضمہ تقدیری کے ساتھ اور جملہ: "تنفعہ..... " محلا مرفوع یزکیٰ پر معطوف ہونے کی وجہ سے (اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لہ تَصَدّٰی. وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّکّٰی) "اما" حرف شرط و تفصیل "انت" مبتدا (تصدّٰی) فعل فاعل سے ملکر خبر اَنْتَ کی "لہ" "تَصدّٰی" کے متعلق اور جملہ: "انت لہ" خبر مَنْ کی (وما علیك..) واو حالیہ اور "ما" نافیہ (علیك) ثابت کے متعلق ہوکر خبر مقدم (الا یزّکّی) "ان" مصدریہ اپنے صلہ⁽³⁾ (لا یزکیٰ) سے مل کر بتاویل مصدر ہوکر مبتدا مؤخر اور جملہ: "ماعلیك..... " تصدیٰ کی ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے محلا منصوب۔ (واما مَن جَاءَ كَ) واؤ عاطفہ باقی ترکیب اَمَّامَنِ اسْتَغْنٰی کی طرح (یسعیٰ) حال "جاء" کی فاعل ضمیر سے (وَھُوَ یَخْشٰی) یسعیٰ کی ضمیر سے حال (فَاَنْتَ) "فا" جوابیہ "انت" مبتدا "تَلَھّٰی" فعل فاعل سے مل کر جملہ خبر اَنْتَ کی "عنہ" متعلق اور جملہ: "انت عنہ..... " محلاً مرفوع خبر من کی⁽⁴⁾۔

جملوں کے محل اعراب کی وضاحت

مذکورہ ترکیب کی روشنی میں جملوں کے محل اعراب کو بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

> كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ ہرگز ایسا نہ کیجئے بلاشبہ یہ نصیحت کی چیز ہے۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے۔ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ اونچے رکھے ہوئے ہیں، مقدس ہیں۔ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۗ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہیں جو مکرم ہیں، نیک ہیں۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو چھوڑ کر مشرکین کی طرف حضور ﷺ کی توجہ فرمانے کے

---

(1) اس میں دوسری ترکیب (کہ "ما" "خبر مقدم اور "ادراك" "مبتدا مؤخر ہو) کا احتمال نہیں ہے۔ جیسا کہ "ماالحاقۃ" اور "ماالقارعۃ" میں احتمال ہے۔ (روح: ١٦/ ٦٨، سورہ حاقہ) اس لئے کہ فعل مبتدا نہیں ہوتا ہے۔ (2) اس لئے کہ "اَدْرٰی" "فعل مفعول ثانی کی جانب "با" حرف جر کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے۔ (3) "ان" "حرف مصدر ہے، جس کو موصول حرفی بھی کہا جاتا ہے لہٰذا اس کے مدخول "لا یزکی" "کو موصول حرفی کا صلہ کہا گیا ہے۔ (4) ترکیب روح المعانی، اعراب القرآن لمحی الدین، واعراب القرآن وصرفہ سے ماخوذ ہے۔

ناپسندیدہ ہونے کو بیان کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس طرح کے مشرکین کی طرف توجہ کے غیر ضروری ہونے کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: (آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے (کیونکہ) یہ (قرآن) (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے (اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے، منوا دینا نہیں ہے۔) سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے (اور جو قبول نہ کرے وہ جانے۔ آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس لئے کہ تبلیغ کے بعد قبول نہ کرنے کی تمام تر ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، وہ خود بھگتے گا۔ لہٰذا اس قدر ان لوگوں کی فکر کی ضرورت نہیں ہے)

(فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ ......) (ان آیات میں قرآن کریم کے اوصاف مذکور ہیں جو اس کے منجانب اللہ ہونے پر دال ہیں کہ) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (جو عند اللہ) مکرم (یعنی مقبول و پسندیدہ) ہیں صحف سے مراد "لوح محفوظ" ہے، یہ اگرچہ فی واحد ہے مگر اس کے اجزاء کو صحف (جمع) سے تعبیر کیا گیا ہے (۱)۔ (وہ صحیفے یعنی لوح محفوظ) اونچے رکھے ہوئے ہیں کیونکہ لوح محفوظ کا مقام ساتویں آسمان کے اوپر تحت العرش ہے (۲) مقدس ہیں (یعنی شیاطین خبیثہ کی وہاں تک رسائی نہیں)۔ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہیں، جو مکرم ہیں، نیک ہیں۔ لکھنے والوں سے مراد "فرشتے" ہیں، جو بحکم الٰہی "لوح محفوظ" سے نقل کرتے ہیں۔ یہ فرشتے عند اللہ معزز ہیں، نیک ہیں کہ کسی امر میں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں۔

آیات کا حاصل: قرآن کریم کی مذکورہ صفات اس بات کی شدت سے نفی کرتی ہیں کہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے یا کسی شیطان نے اس میں کوئی تصرف کر دیا ہے۔ اس لیے کہ شیطان کی وہاں تک جہاں یہ کلام ثابت و موجود ہے، رسائی نہیں ہے۔ لہٰذا حاصل ان آیات کا یہ ہوا کہ یہ قرآن منجانب اللہ نصیحت کی چیز ہے، اور آپ کے ذمہ اس کی صرف تبلیغ ہے، تبلیغ کے بعد آپ کی ذمہ داری پوری ہو جائیگی، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ لہٰذا اس طرح کے کفار و مشرکین کو مقدم رکھنے اور ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔

اللغة: (اِنَّهَا) بلاشبہ یہ۔ ضمیر کا مرجع قرآن ہے (۳) (تَذْكِرَةٌ) نصیحت، یاددہانی کی چیز۔ اصلاً یہ مصدر ہے باب تفعیل کا، ذَكَّرَ تذكِيراً و تَذْكِرَةً: یاددہانی کرنا، نصیحت کرنا، یہاں مبالغۃً یاددہانی اور نصیحت کی چیز پر بولا گیا ہے (۴)۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ (فَمَنْ) جو شخص۔ اس کے شروع میں "فا" اعتراضیہ ہے، اور اس کے بعد جملہ معترضہ ہے (۵) جو قرآن کریم کی طرف رغبت دلانے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس "فا" کا ترجمہ "سو" یا "لہٰذا" یا اس کے مانند کسی لفظ سے کیا جائیگا (۶)۔ (ذَكَرَ) قبول کرے، یاد کرے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) بیان القرآن۔ (۳) مرجع گرچہ مذکر ہے لیکن ضمیر کو مونث خبر (تذکرۃ) کی رعایت میں لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب ضمیر کا مرجع مذکر اور خبر مؤنث ہو، یا اس کے برعکس ہو، تو ضمیر کی تذکیر و تانیث میں خبر کی رعایت اولیٰ ہوتی ہے۔ (غایۃ التحقیق شرح کافیہ: ص۹) (۴) روح: ۱۵/۴۸ (سورہ مدثر) (۵) روح: ۱۵/۴۸۔ (۶) جس طرح اعتراض کے لیے واؤ ہے، اسی طرح "فا" بھی آتی ہے، جیسے شاعر کے اس قول میں "فا" کو استعمال کیا گیا ہے۔ "واعلم فعلم المرء ینفعه" جان لو اس لیے کہ آدمی علم کا اس کے کام آتا ہے۔ (روح: ۱۵/۴۸)

ذَکَرَہٗ (ن) ذِکْرًا، وَذِکْرٰی وَتَذْکَارًا: نصیحت قبول کرنا، یاد کرنا۔ (صُحُفٍ) اسم جامد، صحیفۃ کی جمع، صحائف بھی جمع آتی ہے: وہ کاغذ جس میں کوئی چیز لکھی ہوئی ہو، اور کبھی صرف لکھی ہوئی چیز یا مضمون کو بھی صحیفہ کہہ دیا جاتا ہے، یہاں اس سے مراد حضرت ابن عباس رضی کی روایت کے مطابق جس کو حضرت تھانوی رح نے اختیار فرمایا ہے لوح محفوظ ہے، وہ اگرچہ ایک واحد ہے مگر اس کے اجزاء کو صحف (جمع) سے تعبیر کیا گیا ہے (۱)۔ (مُکَرَّمَۃٍ) معزز، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول۔ کَرَّمَ تَکْرِیْمًا (تفعیل) عزت کرنا، تعظیم کرنا۔ (مَرْفُوْعَۃٍ) اونچی جگہ رکھے ہوئے، بلند مرتبہ، صیغہ واحد مؤنث بحث اسم مفعول۔ رَفَعَہٗ (ف) رَفْعًا: اونچا کرنا، مرتبہ بلند کرنا، دونوں معنی کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ (مُطَهَّرَۃٍ) مقدس، پاک صاف کیے ہوئے، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول باب تفعیل سے طَهَّرَہٗ تَطْهِیْرًا: صاف کرنا، پاک کرنا، عیوب ونقائص سے پاک کرنا۔ (اَیْدِیْ) اسم جامد یَدٌ بمعنی ہاتھ کی جمع۔ (سَفَرَۃٍ) سافر صیغہ اسم فاعل کی جمع مکسر، لکھنے والے، سفیر و ایلچی۔ "مجاہد رح" اور ایک جماعت نے پہلے معنی کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے دوسرے معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے (۲)۔ سَفَرَ الْکِتَابَ (ض) سَفْرًا: لکھنا، وبین القوم (ض) سَفْرًا وسِفَارَۃً: واسطہ و ایلچی بننا (۳)۔ (کِرَامٍ) معزز، شریف "کریم" صفت مشبہ کی جمع مکسر، کَرُمَ الرجلُ (ك) کَرَمًا وکَرَامَۃً: صاحب عزت ہونا، شریف ہونا۔ (۴) (بَرَرَۃٍ) نیک بچے، "بَرّ" صفت مشبہ کی جمع مکسر (۵)۔ بَرَّ فلانٌ (س) بِرًّا: نیک ہونا، وفی یمینہ: سچا ہونا فھو بَرٌّ.

ترکیب: (کلا انّھا) کلا "حرف ردع" "انّھا" اِنَّ اور اس کا اسم "تذکرۃ" خبر اور جملہ "انّھا تذکرۃ" مستانفہ "فمن شاء" "فا" اعتراضیہ "من" "اسم شرط محلاً مرفوع مبتدا (شاء) فعل ضمیر ھُوَ پوشیدہ راجع من کی طرف محلاً مرفوع فاعل، فعل فاعل سے مل کر شرط اور جملہ شرط: "شاءَ" محلاً مرفوع خبر مَنْ کی۔ "ذکر" فعل ھو ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل "ھا" ضمیر متصل محلاً منصوب مفعول بہ، اور جملہ: "ذکرہ" جزاء (اور چونکہ "فا" سے مقرون نہیں ہے، اس لیے کوئی محل اعراب نہیں) اور جملہ "من شاء..." معترضہ موصوف (تذکرۃ) اور صفت (فی صحف) کے درمیان۔ "فی صحف" "کائنۃ" محذوف کے متعلق ہوکر صفت "تذکرۃ" کی یا خبر ثانی "اِنَّ" کی، مُکَرَّمَۃٍ مَرْفُوْعَۃٍ مُطَهَّرَۃٍ تینوں اپنے نائب فاعل سے مل کر صفات صحف کی "بایدی" محذوف (کائنۃ) کے متعلق ہوکر صفت صحف کی، "سَفَرَۃٍ" مضاف الیہ "ایدی" کا "کِرَامٍ" "بَرَرَۃٍ" دونوں سَفَرَۃٍ کی صفت۔

> قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ ۝ (ایسے) آدمی پر خدا کی مار ہو، وہ کیسا ناشکرا ہے۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ ۝
> مِنْ نُّطْفَۃٍ، اس (اللہ) نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے۔ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ۝ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ۝
> اس کی صورت بنائی پھر اس کو اندازے سے بنایا۔ پھر اس کا راستہ آسان کردیا۔ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ۝ پھر اس کو موت

---

(۱) روح: ۱۵/ ۴۸۔ وفیہ أقوال أخر، وفیما ذکرنا غنی و کفایۃ۔ (۲) دیکھیے۔ روح: ۱۵/ ۴۸۔ (۳) روح ۱۵/ ۴۸۔

(۴و۵) روح: ۱۲/ ۷۵ مزکریا۔

دی، پھر اس کو قبر میں لے گیا، ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝۲۲ پھر جب اللہ چاہے گا، اس کو دوبارہ زندہ کردے گا۔

ربط: ماقبل میں تبلیغ وتذکیر (نصیحت کرنے) کے آداب مذکور ہوئے، جن کا لحاظ مبلغ کو کرنا ضروری ہے، نیز قرآن کریم کی صفات مذکور ہوئیں۔ مذکورہ بالا آیات میں اُن کفار ومشرکین کی مذمت مذکور ہے، جو ایسے تذکرہ اور قرآن کو قبول نہیں کرتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

تفسیر: "قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝" (ایسے منکر) آدمی پر (جو ایسے تذکرہ سے نصیحت حاصل نہ کرے جیسے ابوجہل وغیرہ جن کو آپ سمجھا رہے تھے اور پھر بھی وہ نہ سمجھے) خدا کی مار ہو! وہ کیسا ناشکرا ہے!! (کیوں کہ اس پر اللہ تعالی کے انعامات ہیں، جن کا تقاضہ یہ ہے کہ منعم (اللہ تعالی) کی ناشکری کے بجائے اس کی شکرگذاری کی جائے۔ آگے کچھ انعامات کی تفصیل ہے۔ (مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝) اس (اللہ تعالی) نے اس کو کیسی حقیر (۱) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب ہے) نطفہ سے (پیدا کیا۔ اگلی آیات میں اس پیدا کرنے کی کیفیت مذکور ہے کہ بہت سے انقلابات وتغیرات کے بعد (۲) (خَلَقَهٗ) اس کو پیدا کیا یعنی اس کی صورت بنائی۔ اسی مراد کو سامنے رکھ کر مذکورہ بالا ترجمہ کیا گیا ہے۔ (فَقَدَّرَهٗ) پھر (اس کے اعضاء کو) اندازے سے بنایا (یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا، بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اس کے قد وقامت، جسامت، شکل وصورت، اعضاء کے طول وعرض، جوڑ بند اور آنکھ وکان ناک وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم فرمایا کہ ذرا اس کے خلاف ہوجاتا، تو انسان کی صورت بگڑ جاتی اور کام کاج مصیبت بن جاتا) ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝) پھر اس کا (نکلنے کا) راستہ آسان کردیا (یعنی حق تعالی نے اپنی حکمت بالغہ سے انسان کی تخلیق بطن مادر کی تین اندھیریوں (۳) اور ایسے محفوظ مقام میں فرمائی کہ جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہورہا ہے، اس کو بھی اس تخلیق کی تفصیل کی کچھ خبر نہیں ہے، پھر یہ زندہ تمام اعضاء اور جوارح سے مکمل انسان جس جگہ میں بنا ہے، وہاں سے اس دنیا میں آنے کا راستہ بھی باوجود تنگ ہونے کے حق تعالی کی قدرت کاملہ ہی نے آسان فرمادیا کہ چار پانچ پونڈ کا وزنی جسم صحیح سالم برآمد ہوجاتا ہے، اور ماں کے وجود کو بھی کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخلقين (۴) (ثُمَّ اَمَاتَهٗ) پھر اس کو موت دی (انعامات کے بیان میں موت کا ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی

---

(۱) اس کی طرف اشارہ ہے کہ استفہام تحقیر کے لیے ہے، حقیقی نہیں ہے۔ وذكر الجواب اعنى قوله (من نطفة) لايقتضى انه حقيقى لأنه ليس بجواب فى الحقيقة، بل على صورته. وهو بدل من قوله سبحانه (من اى شيئ خلقه) وجوزٌ ان يكون للتقرير. والتحقير مُستفاد من شيئ المنكر. روح: ۱۶/۷۶ (زکریا)

(۲) انقلابات وتغیرات یہ ہے کہ نطفہ کو خون بستہ بنایا اور اس کے بعد مضغہ (گوشت کی بوٹی بنائی) پھر اس میں ہڈیاں بنائی، پھر ان پر گوشت چڑھایا۔ کما قال تعالی "ولقد الانسان خَلَقْنَا من سلالة من طين ثم جعلنا ه نطفة فى قرار مكين الخ (سورہ مؤمنون) (۳) (۱) پیٹ کی اندھیری (۲) رحم کی اندھیری (۳) اس جھلی کی اندھیری، جس میں بچہ ہوتا ہے۔ (۴) معارف القرآن۔

مصیبت وآفت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی نعمت خداوندی ہے، اس لیے کہ خدا سے ملنے کا ذریعہ بھی موت ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: "تُحْفَةُ المؤمِنِ المَوتُ" (موت مومن کا تحفہ ہے۔) (فَاَقْبَرَهٗ ۞) پھر اس کو قبر میں لے گیا (خواہ اول ہی سے اس کو خاک میں رکھ دیا جائے، یا کچھ دنوں کے بعد مٹی میں مل جائے۔ یہ بھی حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے انسان کو عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا، تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا ہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے) ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۞ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

اللغۃ: (قُتِلَ) ای: لعن[1] اسی کا بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے "خدا کی مار ہو" یہاں یہ اپنے معروف معنی (قتل کیا جانا) میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول قَتَلَهٗ (ن) قَتْلًا: قتل کرنا، مار ڈالنا، سے مذکورہ جملہ میں منکر انسان کے لیے بددعاء کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ دعا یا بددعا وہ کرتا ہے، جو محتاج وعاجز ہو، اس لیے یہاں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بددعا کرنے پر محمول نہیں ہے، بلکہ استحقاقِ بددعا پر محمول ہے یعنی شخص مذکور اس بات کا مستحق ہے کہ لوگ اس کے لیے بددعا کریں[2] (مَآ اَكْفَرَهٗ) وہ کیسا ناشکرا ہے!! "مَا اَفْعَلَهٗ" کے وزن پر فعل تعجب کا صیغہ ہے، جیسے مَآ اَحْسَنَهٗ! وہ کتنا حسین ہے! لیکن یہاں یہ اپنے حقیقی معنی (تعجب کرنا) پر محمول نہیں ہے۔ اس لیے کہ تعجب ایسی چیز کے ادراک کو کہتے ہیں، جس کا سبب مخفی ہو، اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، لہٰذا تعجب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف درست نہیں ہے۔ اس لیے "ما اکفرہ" تعجب کے بجائے تعجیب (تعجب دلانا) پر محمول ہے۔ یعنی لوگوں کو ایسے شخص کے کفر وناشکری پر تعجب کرنا چاہیے۔ كَفَرَ النِّعْمَةَ وَبِهَا (ن) كُفْرًا وَكُفْرَانًا: ناشکری کرنا۔ (نطفۃ) اسم جامد، اصلاً صاف پانی کو کہتے ہیں مرد یا عورت کے پانی (منی) کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ج: نُطَف، نِطَاف۔ (قَدَّرَ) اندازہ کیا اس نے صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، قَدَّرَ تَقْدِيْرًا (تفعیل) اندازہ کرنا۔ (السبیل) اسم جامد، راستہ، مذکر ومؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ج سُبُلٌ وَاَسْبِلَةٌ. (يَسَّرَ) اس نے آسان کیا صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف (تفعیل) سے يَسَّرَهٗ تَيْسِيْرًا: آسان کرنا۔ مجرد میں اس کا استعمال سورہ "اعلیٰ" میں "اليُسْرٰى" کے تحت ملاحظہ فرمائیں (اَمَاتَ) موت دی اس نے صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف اَمَاتَ، اِمَاتَةً (افعال): موت دینا، مارنا، سے۔ (اَنْشَرَ) دوبارہ زندہ کرے گا[3]۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب (افعال) سے اَنْشَرَ اللّٰهُ المَوْتٰى اِنْشَارًا (افعال) ونَشَرَهُمْ (ن) نَشْرًا وَنُشُوْرًا: مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا۔ (اَقْبَرَهٗ) اس کو قبر والا بنا دیا[4]۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب افعال سے۔ اس میں باب "افعال" کی خاصیت "اتخاذ"

---

(۱) اعراب القرآن: ۲۱۹/۸۔ (۲) روح: ۵۰/۱۵ (ملتان) وحاشیہ بیان القرآن۔

(۳) یہ ترجمہ "اذا" کی وجہ سے ہے۔ (۴) ای: جعله ذاقبر توارى فيه جيفته. (روح: ۵۱/۱۵)

(صاحب ماخذ بنانا) پائی جارہی ہے۔ اَقْبَرَ اِقْبَارًا: کسی کو قبر والا بنانا، کسی کے لیے قبر بنانا، وَقَبَرَ الْمَيِّتَ (ن) قَبْرًا: مردہ کو قبر میں رکھنا، دفن کرنا۔

ترکیب: قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ، (قُتِلَ الْاِنْسَانُ) حسب معمول ترکیب ہوکر جملہ دعائیہ مستانفہ "ما اکفرہ" "ما" تامہ(۱) بمعنی "شیئ" مبتدا (اکفرہ) فعل "ھُوَ" ضمیر پوشیدہ راجع "ما" کی طرف محلا مرفوع فاعل "ہا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، مفعول بہ اور جملہ: "اکفرہ" محلا مرفوع خبر "ما" کی یا "ما" استفہامیہ بمعنی "ای شیئ" مبتدا اور "اکفرہ" حسب سابق خبر وار جملہ: "ما اکفرہ" دونوں صورت میں مستانفہ بیانیہ۔ (من ای شیئ) متعلق "خلقہ" کے، اور جملہ: "مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ" مستانفہ (من نُّطْفَةٍ) حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل "من ای شیئ" سے (اعراب القرآن والروح) اور جملہ: "خَلَقَ" ثانی تفصیلیہ (حضرت تھانویؒ کی تفسیر پر یہی ترکیب منطبق ہے) (فَقَدَّرَهٗ) خلقہ ثانی پر معطوف۔ "ثم السبیل" ثم حرف عطف "السَّبِیْلَ" مفعول بہ فعل محذوف (یَسَّرَ) کا جس کی تفسیر "یسّر" مذکور کررہا ہے(۲)۔ اور جملہ: (یسر) السبیل" معطوف "قَدَّرَهٗ" پر (یَسَّرَهٗ) فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ تفسیریہ، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (ثم اَمَاتَهٗ) ثم حرف عطف اور جملہ: "اماتہ" معطوف جملہ مقدرہ: (یسر السبیل) پر (ثم اذا شاء) ثم حرف عطف، اذا ظرفیہ متضمن معنی شرط مضاف محلا منصوب جواب (انشرہ) کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے اور جملہ: "شاء" محلا مجرور اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے (انشرہ) جواب اذا کا، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے اور شرط وجواب سے مل کر جملہ معطوف جملہ: اماتہ پر(۳)۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ ہرگز نہیں، اس (اللہ) نے اس کو جو حکم کیا تھا وہ اس کو بجا نہیں لایا۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجب طور پر پانی برسایا۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ پھر عجب طور پر زمین کو پھاڑا۔ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجور، گنجان باغ، میوے اور چارہ پیدا کیا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ تمہارے اور تمہارے مویشی کے فائدہ کیلئے۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ پھر جس وقت کان کو بہرا کرنے والا شور برپا ہوگا۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ جس روز آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی

---

(۱) یعنی موصولہ نہیں ہے جو صلہ کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح موصوفہ نہیں ہے، جو صفت کا محتاج ہوتا ہے، "ما" اسمیہ کی جو چھ قسمیں ہیں، ان کی تفصیل مبہمات کے بیان میں "کافیہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ واضح ہو کہ چند موقعے ایسے ہیں جہاں نکرہ بلا تخصیص مبتدا بن جاتا ہے؛ جن میں سے ایک "ما" تعجبیہ بھی ہے (رضی: ۱/۲۰۳) (۲) تقدیری عبارت ہوگی: ثم یسر السبیل یسرہ۔

(۳) ترکیب: روح: ۱۶/۷۶ (زکریا) اعراب القرآن محی الدین اور اعراب القرآن وصرفہ ۱۵/۲۲۷۔ سے ماخوذ ہے۔

سے، اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ۝ ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایسا مشغلہ ہوگا، جو اس کو اور طرف متوجہ ہونے دے گا۔ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ بہت سے چہرے اس دن روشن، ہنستے، شاداں ہوں گے۔ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ بہت سے چہروں پر اس دن گرد پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

ربط: ما قبل میں اللہ تعالی نے تخلیق انسانی کی ابتدا وانتہاء اور ان میں حق تعالی کی قدرت کاملہ اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ انسان ان آیات الٰہیہ اور انعامات میں غور کر کے اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا اس طرح کہ اس پر ایمان لاتا اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا۔ مگر اس بدنصیب نے ایسا نہیں کیا۔ "كَلَّا لَمَّا يَقْضِ" میں اس کی اسی غفلت اور احسان فراموشی کو بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر: (كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۝) ہرگز (اس نے شکر) نہیں (ادا کیا، اور) اس (اللہ تعالی) نے اس کو (ایمان وطاعت کا) جو حکم کیا تھا وہ اس کو بجا نہیں لایا۔ من ای شی خلقه سے "اذا شاء انشره" تک انسان کے پیدا کرنے، مارنے اور دوبارہ زندہ کرنے کا بیان تھا۔ اور ان آیات میں اللہ تعالی اس کو اس کی زندگی اور بقا کے سامان یاد دلا رہے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ سو انسان کو چاہئے کہ اپنی تخلیق کے ابتدائی حالات پر نظر کرنے کے بعد بقا و تعیش (زندہ رہنے) کے اسباب پر مثلاً اپنے کھانے کی طرف نظر کرے تاکہ یہ (نظر کرنا) حق شناسی، اطاعت اور ایمان کا باعث ہو۔ "أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا......" ان آیات میں نظر کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم نے عجیب طور(۱) پر پانی برسایا، پھر ہم نے عجیب طور پر زمین کو پھاڑا (ورنہ گھاس کے تنکے کی کہاں طاقت تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا، یہ قدرت ہی کا ہاتھ اور خدا تعالی ہی کا احسان و کرم ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، پھل، سبزی اور ترکاریاں وغیرہ نکالتا ہے جیسا کہ اگلی آیات میں بیان کیا گیا ہے) "فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا الخ" پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجور، گنجان باغ، میوے اور چارہ پیدا کیا (بعض چیزیں) تمہارے اور (بعض چیزیں) تمہارے مویشی کے فائدہ کے لیے ہیں۔ یہ سب تصرفات یعنی انسان کی زندگی اور بقا کے وہ اسباب و وسائل جن کا اللہ تعالی نے انتظام فرمایا ہے ایک طرف تو اللہ تعالی کی طرف سے بڑی نعمتیں ہیں، ایسی کہ اگر ان میں سے کوئی ایک نعمت نہ ہوتی تو مشکل اور پریشانی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا اور دوسری طرف اللہ تعالی کی قدرت کی دلیلیں بھی ہیں، یعنی اس بات کو بتلاتے ہیں کہ اس نظام کو چلانے میں بڑی قدرت کا ہاتھ ہے۔ نعمت کا ہونا بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ منعم کی شکر گزاری اور فرماں برداری کی جائے، اور ہم سب بڑی قدرت کے ماتحت ہیں، اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس قادر مطلق کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، لیکن

---

(۱) مفعول مطلق بیان نوع کے لیے ہے، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

کافر و ناشکرا انسان کا حال یہ ہے کہ اس منعم حقیقی رب جلیل اور قادر مطلق کی اطاعت اور اس کے شکر سے منہ موڑے ہوئے ہے، ظاہر ہے منعم کی ناشکری انتہائی بری چیز ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں اسی طرح کے انسان کی مذمت کی گئی ہے۔ آگے نصیحت کے قبول نہ کرنے پر آخرت کی سزا اور قبول کرنے پر اجر و ثواب مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ" (اب تو یہ لوگ کفر اور ناشکری کرتے ہیں) پھر جس وقت کانوں کو بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا اس سے مراد شور قیامت یعنی نفخ صور ہے، بہرحال جب ایسا ہوگا اس وقت ساری ناشکری کا مزہ معلوم ہوجائیگا۔(1) "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ......" (یہ اس دن کا بیان ہے کہ) جس روز (ایسا) آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا ہے) اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ یعنی ان رشتوں کی بنیاد پر بھی وہاں کوئی کسی کی ہمدردی نہیں کرسکے گا، لیکن یہ کفار کے بارے میں ہے، مومنین کے تعلقات ایک دوسرے کے وہاں کام آئیں گے۔ "لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ الخ" (اس آیت میں اس بھاگنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ) ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا (یہ تو کفار کا حال ہوگا، آگے مجموعۂ مومنین اور کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) ہنستے، شاداں (خوش) ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) گرد (غبار)(2) پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی(3) (یہ سیاہی فسق و فجور کی وجہ سے ہوگی۔ حاصل یہ کہ ان پر سیاہی بالائے سیاہی ہوگی۔ ایک کفر کی وجہ سے، دوسری فسق و فجور کی وجہ سے۔ یہی لوگ (یعنی یہ لوگ جن کے اخروی حال کو اوپر بیان کیا گیا ہے) کافر و فاجر ہیں۔

کافر سے عقائد کے فساد کی طرف اور فاجر سے اعمال کے بگاڑ کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اللغۃ: (لَمَّا) ابھی تک نہیں، حرف نفی جازم بمعنی لم۔ "لَمَّا" کی تین قسمیں ہیں: تفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن دو حرف۔ (لَمَّا يَقْضِ) ابھی تک پورا نہیں کیا، ابھی تک نہیں بجالایا۔ فعل مضارع مجزوم بلما، صیغہ واحد مذکر غائب، قَضٰى (ض) قَضَاءً: کرلینا (بجالانا)۔ (مَا اَمَرَهٗ) جو اس نے اس کو حکم دیا، (اَمَرَ) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف اَمَرَهٗ (ن) اَمْرًا: حکم دینا، سے۔ (طعام) کھانے کی چیز کوئی بھی ہو(4) ج: اَطْعِمَةٌ، اسم جامد۔ (صَبَبْنَا) برسایا ہم نے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، صَبَّ الْمَاءَ وَنَحْوَهٗ (ن) صَبًّا: پانی برسنا۔ والمَاءَ وَنَحْوَهٗ: بہانا، اوپر سے نیچے گرانا (برسانا) لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (شَقَقْنَا) پھاڑا ہم نے، صیغہ جمع متکلم بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف شَقَّ الشَّيْءَ (ن) شَقًّا: پھاڑنا۔ (اَنْبَتْنَا) اُگایا ہم نے، پیدا کیا ہم نے۔ صیغہ جمع متکلم، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف: اِنْبَاتٌ (افعال): اُگانا، پیدا کرنا سے۔ وَنَبَتَ الزَّرْعُ (ن) نَبْتًا وَنَبَاتًا: کھیتی اُگنا۔ (حَبًّا) اناج، دانہ، غلہ، اسم جامد اور اسم جنس ہے۔ واحد "حَبَّةٌ" ہے، وہ دانہ جس کو بطور غذا کھانے کے لیے بویا جائے،

---

(1) "اِذَا" کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ (2) ای: غبار و کدورۃ (روح:۳۰/۸۶)

(3) ترهقها قترة ای: سواد و ظلمة (روح:۳۰/۸۶) (4) (روح:۳۰/۸۰)

جیسے: گیہوں، جوار، مکئی وغیرہ، اس کی مختصر تعبیر اناج یا غلہ ہے۔ (اور زیادہ تر اس کا اطلاق گیہوں پر ہوتا ہے۔) اور جس دانہ (بیج) کو بطور غذا کھانے کے لیے نہ بویا جائے جیسے شلجم، مولی وغیرہ (جن کے بیج بطور غذا استعمال نہیں ہوتے ہیں) اس کو "حِبَّۃ" بالکسر کہا جاتا ہے(۱)۔ (قضبا) تر و تازہ سبزی و ترکاری تسمیۃ المفعول بالمصدر (مفعول پر مصدر کے اطلاق کرنے) کے قبیل سے ہے۔ خلق بمعنی مخلوق کی طرح(۲) قَضَبَ (ض) قَضبا: کاٹنا۔ (زَیْتُونًا) اسم جامد، واحد "زَیْتُونَۃ" ہے، زیتون کا درخت، اور زیتون کا پھل۔ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ (نخلاً) اسم جامد، کھجور کا درخت واحد "نَخْلَۃ" ہے ج: "نَخِیل" آتی ہے۔ (غُلْبًا) اَغْلَبُ" صفت مشبہ کی جمع۔ گھنے باغ، غَلِبَتِ الْحَدِیْقَۃُ (س) غَلَبًا: باغ کا گھنا ہونا۔

(فَاکِھَۃً) اسم جمع بمعنی پھل، یا وہ چیزیں جنھیں لطف و لذت کے طور پر کھایا جائے(۳)۔ ج: فواکہ۔ (اَبًّا) جانوروں اور چوپاؤں کی وہ گھاس اور چارہ جو از خود اُگا ہو، یعنی لوگوں نے اس کو نہ بویا ہو (مختصر تعبیر خودرو گھاس)۔ مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں۔ (الصَّاخَّۃ) کانوں کو بہرا کردینے والا شور، اصلاً صیغہ اسم فاعل واحد مذکر ہے اور "ۃ" اس میں مبالغہ کے لیے ہے تانیث کے لیے نہیں ہے یہاں قیامت (نفخۂ ثانیہ) کا شور مراد ہے، جو اپنی شدت اور سختی کی وجہ سے کانوں کو بہرا کردے گا۔ صَخَّ الصَّوْتُ الْاُذُنَ (ن) صَخًّا: آواز کا کان کو بہرا کردینا(۴)۔ (یَفِرُّ) بھاگے گا۔ صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع مثبت معروف، فَرَّ (ض) فَرًّا، فِرَارًا، مَفَرًّا: بھاگنا، سے۔ (اَلْمَرْءُ) مرد، اسم جامد، ج اَلْمَرْؤُوْنَ مؤنث اَلْمَرْأَۃ بمعنی عورت اس (المرءُ) میں میم کا فتحہ اور ضمہ دونوں منقول ہے۔ لیکن فتحہ افصح ہے(۵) (اخ) بھائی اسم جامد ج: اِخوان و اِخوۃ (اُمّ) اسم جامد، ج: اُمَّھَات: ماں، خواہ قریبی ہو، یعنی حقیقی والدہ یا دور کی، یعنی نانی پرنانی وغیرہ۔ سب کو عربی میں "اُمّ" کہتے ہیں یہاں تک کہ حضرت حواء تک کو "ام" کہا جاتا ہے۔ (اب) اسم جامد، ج: آباء: اصل میں "اَبَوٌ (بفتح الھمزۃ والباء) تھا، واو کو تخفیفاً حذف کردیا گیا اَبٌ ہوگیا(۶)۔ (صاحبۃ) بیوی، اصلاً اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی ساتھ رہنے والی، لیکن جامد کے حکم میں ہے اس لیے کہ جب اسم فاعل وغیرہ اسماء مشتقہ وصفی معنی میں استعمال نہ ہوں، بلکہ وہ کسی کا علم ہو جائیں، جیسے: ساجد، راشد وغیرہ یا ان پر اسمیت کا غلبہ ہو جائے، جیسے لفظ صاحبۃ (مذکورہ معنی میں) تو یہ جامد کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔(۷)

(بَنِیْہِ) اپنے بیٹوں (سے) اسم جامد "ابن" کی مشابہ بجمع تکسیر، جمع۔ "جمع تکسیر" کے مشابہ اس لیے ہے کہ مفرد کا وزن ٹوٹ گیا ہے، اسی لیے اس کے فاعل ہونے کی صورت میں اس کے فعل میں تانیث کی علامت لگائی جاتی ہے، چناں چہ "قالت

---

(۱) روح: ۳/ ۵۱ (پ: ۳، ع: ۴) و ۱۵/ ۵۳۔ (۲) روح: ۱۵/ ۵۳ (ملتان)

(۳) اسم جمع بمعنی الثمار او ما یُتَنَعَّمُ بأکلہ الخ۔ اعراب القرآن وصرفہ۔ ۱۳/ ۲۵۔ پ: ۲۳، ع: ۳۔ وفی اعراب القرآن لمحی الدین: ۶/ ۳۴۰: الثمر کلہ: (پ: ۲۳، ع: ۳) (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۵۴ و روح المعانی: ۱۵/ ۵۵۔

(۵) روح: ۱/ ۵۴۲ (زکریا) پ: ۱، ع: ۱۲۔ (۶) مزید دیکھیے لغات القرآن وصرفہ میں۔ (۷) النحو الوافی: ۳/ ۱۸۲ کا حاشیہ۔

هو فلان" کہا جاتا ہے، جب کہ "قالت مسلمون" کہنا درست نہیں ہے، اور چوں کہ اعراب وغیرہ کے سلسلہ میں اس پر جمع مذکر سالم کا حکم جاری ہوتا ہے، اس لیے مطلقاً جمع تکسیر بھی نہیں کہہ سکتے ہیں لہٰذا اس کو مشابہ جمع تکسیر کہا گیا ہے۔

(شأن) فکر، اہم معاملہ، حال اچھا ہو یا برا: اہم مشغلہ (۱)۔ (یغنیه) وہ مشغلہ اس کو بے نیاز کردے گا، یہ اس کا لفظی ترجمہ ہے، بامحاورہ حضرت تھانوی کا یہ ترجمہ ہے: "جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا" صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف۔ اغنی الشیءُ إغناءً (افعال): بے نیاز کردینا۔ (مسفرة) روشن، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، اسفر إسفارًا (افعال): روشن ہونا، سے۔ (ضاحكة) ہنستے ہوں گے۔ صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، ضحك (س) ضِحكًا، ضَحِكًا: ہنسنا، سے۔ (مُسْتَبْشِرَةٌ) شاداں (خوش)۔ صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل۔ اِسْتَبْشَرَ اِسْتِبْشَارًا (استفعال) وبَشِرَ بَشَرًا (س) وبَشَرَ بِه (ن) بُشُورًا: خوش ہونا۔ (غَبَرَةٌ) اسم جامد گرد وغبار، مٹی کے باریک اجزاء وذرات۔ (قَتَرَةٌ) اسم جامد، ظلمت وسیاہی، دھویں جیسی سیاہی، اوپر کی جانب اڑنے والی غبار (۲)۔ (الْكَفَرَةُ) الكافر صیغہ اسم فاعل کی جمع مکسر اور الکافر کے لیے دیکھیے سورہ "نبا" کا آخر۔ (الْفَجَرَةُ) الفاجر اسم فاعل کی جمع مکسر فَجَرَ (ن) فُجرًا وفُجُورًا: بے پرواہی کے ساتھ گناہ کرنا۔

ترکیب: "كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ" "كلا" حرف ردع (۳) "لَمَّا" حرف نفی وجازم، "يَقْضِ" فعل مضارع مجزوم حرف علت کے حذف کے ساتھ، هو ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع، فاعل، "ما" موصولہ مفعول بہ "أمَرَ" فعل با فاعل "ها" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب (۴) مفعول بہ اور جملہ: "أمره" "ما" کا صلہ اور جملہ: "لما يقض..." "مستانفہ تعلیلیہ (۵)۔

(فَلْيَنْظُرِ الانسان الى طعامه.....) "فا" استینافیہ، "لام" لام امر، "ینظر" فعل، "الانسان" فاعل، "الی طعامه" متعلق بـ ینظر کے، "انا" "انّ" اور اس کا اسم، "صببنا" فعل با فاعل، "الماء" مفعول بہ، "صبا" مفعول مطلق، برائے نوع اور جملہ: "صببنا..." خبر انّ کی، اور جملہ: "انا صببنا..." بتاویل مفرد ہو کر محلاً مجرور، طعام سے بدل اشتمال (۶) ہونے کی بنا پر

---

(۱) لغات القرآن: ۳/ ۲۶۳۔ (۲) اعراب القرآن محی الدین ج ۸/ ۳۲۶۔ و اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۲۵۱۔ والروح: ۱۵/ ۵۶۔

(۳) ردع کی مکمل (سورۂ نبا، آیت: ۴) میں تین شکلیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں تیسری شکل ہے اور وہ یہ ہے کہ متکلم کسی کے امر منکر کے ارتکاب کرنے کا ذکر کرے، اور بعد میں "کلا" کے ذریعہ اس کے منکر اور برے ہونے کو بیان کرے۔ مذکورہ آیت میں انسان کی ناشکری کا، (جو امر منکر ہے) تذکرہ کیا گیا اور "کلا" لاکر اس کے برے اور مذموم ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ہرگز ناشکری نہیں کرنی چاہیے یہ بری بات ہے۔ (۴) ها ضمیر مفعول بہ کی انسان کی طرف راجع ہے اور "ما" موصولہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر (عائد) محذوف ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "ما امره به" اور بھی ضمیر کے مرجع اور عائد کے سلسلہ میں احتمال ہیں، تفصیل درکار ہو تو روح المعانی کی مراجعت کریں۔ (۵) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۲۴۷۔ (۶) بدل اشتمال کی صورت میں عائد کا ہونا ضروری ہے، یہاں عائد محذوف ہے تقدیری عبارت ہے: "صببناه"۔

"ثم شققنا الارض شقاً" "ثم" حرف عطف، شققنا فعل با فاعل، "الارض" مفعول بہ "شقاً" مفعول مطلق، اور جملہ: "شققنا..." محلاً مرفوع جملہ: "صببنا ...." پر معطوف ہونے کی وجہ سے۔ "فانبتنا" "فا" عاطفہ اور جملہ: "انبتنا....." معطوف جملہ: "شققنا ......" پر "حبًا" اپنے تمام معطوفات "عنباً، نخلاً" وغیرہ سے مل کر مفعول بہ انبتنا کا۔

(مَتَاعاً) مفعول لہ فعل محذوف (فَعَلَ ذَالِكَ) کا، "لکُمْ" متعلق متاعاً کے، "ولانعامِكُمْ" معطوف لکم پر، "فاذا جاءتِ الصّاخة ....." "فا" عاطفہ، یا استینافیہ(۱) "إِذَا جَآءَتِ الصَّاخَّةُ" کی ترکیب "اذا جاءت الطامة الکبریٰ" کی طرح ہے۔ اور اذا کا جواب محذوف ہے لَقِيَ الْإِنْسَانُ عَمَلَهُ أَوْ كُفْرَانَهُ (انسان کو اپنے عمل یا ناشکری کا پتہ چل جائے گا)(۲) "یوم یفر المرءُ ....." اس کی ترکیب سورہ نازعات میں: "یوم یتذکر....." کی طرح ہے۔ "من اخیہ" اپنے تمام معطوفات سے مل کر متعلق "یفرُّ" کے، "لکل" خبر مقدم، "منھم" صفت امرئٍ کی۔ (شانٌ) مبتدا مؤخر، "یُغنی" فعل ضمیر پوشیدہ (ھو) محلاً مرفوع فاعل، "ھا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ اور جملہ: "یُغنیہ" محلاً مرفوع شانٌ کی صفت اور جملہ: "لکل امرئٍ ....." مستانفہ: جو بھاگنے کی وجہ کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ "وُجُوهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ......" (وجوہ) مبتدا(۳) "یَوْمَئِذٍ" ظرف مُسْفِرَةٌ کا، اور "مُسْفِرَةٌ" خبر اول "ضَاحِكَةٌ" خبر ثانی، "مُسْتَبْشِرَةٌ" خبر ثالث، اور جملہ: "وجوہ یومئذ....." مستانفہ "وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ..." واو عاطفہ "یَوْمَئِذٍ" "ثابتۃ" کے متعلق، علیھا متعلق ثانی، "ثابتۃ" دونوں متعلق سے مل کر خبر مقدم، "غَبَرَةٌ" مبتدا مؤخر، اور جملہ: یومئذ عَلَيْهَا..... محلاً مرفوع خبر اول، وُجُوهٌ کی، اور جملہ: "تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ" محلاً مرفوع خبر ثانی۔ "أُولٰئِكَ" مبتدا، ھم برائے فصل(۴) یا مبتدا، "الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ" دونوں خبر ھم کی، اور جملہ: "ھم الکفرة ..." محلاً مرفوع خبر اولئک کی، اور اگر ھم برائے فصل ہے تو الکفرة الفجرة دونوں اولئک کی خبر ہوں گے، اور جملہ: "اولئک ھم ....." مستانفہ۔(۵)

* * *

---

(۱) عاطفہ کی صورت میں بعد والے مضمون کو یہ فا ماقبل کی نعمتوں پر مرتب کرنے کے لیے ہوگی، یعنی "فا" برائے ترتیب ہے، اور استینافیہ کی صورت میں بعد والا جملہ مستانفہ ہوگا، جس کو قیامت کے دن کے احوال کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

(۲) حضرت تھانویؒ کی تفسیر سے اسی جواب کا پتہ چلتا ہے، اور وہ جواب بھی محذوف مانا جاسکتا ہے، جو سورہ نازعات میں "فاذا جاءت الطامة....." کا جواب ہے۔

(۳) نکرہ کے مبتدا بننے سے متعلق تحقیق سورہ "نازعات" میں "قلوب یومئذ" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) اس صیغۂ فصل کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ حرف ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک یہ اسم ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہوتا ہے۔ (کافیہ مع جامع الغموض: ۳۰/۲۵)

(۵) ترکیب روح: ۱۵/۲۳۹، و اعراب القرآن لمحی الدین: ۸/۲۲۷ سے ماخوذ ہے۔

(۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ اور جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ اور جب وحشی جانور جمع ہو جائیں گے۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ اور جب لوگوں کے جوڑے باندھے جاویں گے۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا۔ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ اور جب نامۂ اعمال کھول دئے جاویں گے۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ اور جب آسمان کھل جاوے گا۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ اور جب دوزخ دہکائی جاوے گی۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ اور جب جنت نزدیک کردی جاویگی۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ تو ہر شخص ان اعمال کو جان لےگا جو وہ لے کر آیا۔

ربط: سورہ عبس کے آخر میں قیامت کے واقعات کا بیان تھا، اس سورت میں بھی یہی بیان ہے۔

تفسیر: ان آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ جب بارہ واقعات پیش آجائیں گے تو ہر شخص کو اپنے اچھے برے اعمال کا پتہ چل جائے گا، ان میں سے اذا الشمس کورت سے واذا البحار سجرت تک چھ واقعات نفخۂ اولی (پہلی مرتبہ صور پھونکنے) کے وقت پیش آئیں گے، اور اذا النفوس زوجت سے "واذا الجنة ازلفت" تک کے چھ واقعات نفخۂ ثانیہ (دوسری مرتبہ صور پھونکنے) کے وقت پیش آئیں گے، مختصر وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

(اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ ......) جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ اور جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ جب پہاڑ چلائے جاویں گے کسی چیز کو چلانا اس کو اس کی جگہ سے ہٹانے کو مستلزم ہے، یہاں یہی لازمی معنی مراد ہے کہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی (مطلب یہ ہے کہ اس وقت اونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی حالت پر ہوں گی جن میں بعض بیانے کے بالکل قریب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بھی ہوں گی، جو عربوں کے نزدیک بچہ اور دودھ کی توقع پر ایک بڑی دولت سمجھی جاتی تھی اور اسی لئے وہ اس کی دم سے لگے پھرتے تھے، کسی وقت اس کو آزاد نہ چھوڑتے تھے، ہر طرح اس کا خیال رکھا جاتا تھا، لیکن قیامت کا ہولناک زلزلہ ایسا ہوگا کہ ایسے نفیس و عزیز مال کو کوئی نہ پوچھےگا اور مالک کو اتنا ہوش نہ ہوگا کہ ایسے بڑھیا مال کی خبر گیری کرے، واضح ہو کہ یہ مثال عربوں کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جو قرآن کریم کے پہلے مخاطب ہیں، دیگر لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ انہیں عمدہ سے عمدہ مال کی خبر و فکر نہیں ہوگی۔ اور جب وحشی

جانور سب جمع ہو جاویں گے یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں، مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے شہروں میں آگھسیں گے اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے، جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے، اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لپٹ رہے ہیں، ایک دوسرے سے کچھ نہیں کرتا، نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے۔(۱) اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے۔ سُجِّرَتْ تسجیر سے بنا ہے، جس کے معنی آگ لگانے اور بھڑکانے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں، اور اس کے معنی ملانے، خلط ملط کرنے کے بھی آتے ہیں، بعض ائمہ تفسیر نے یہ معنی مراد لئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ پہلے زمین میں شقوق (دراڑیں) واقع ہوں گی، شیریں اور شور دریا کے درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائے گی، جس سے سب شیریں اور شور (کھارے) دریاؤں کے پانی آپس میں مل جائیں گے، پھر حرارت سے سب کا پانی آگ ہو جاوے۔ شاید اول ہوا ہو جائے؛ پھر ہوا آگ بن جائے۔ اور جب لوگوں کے جوڑے باندھے جائیں گے۔ یعنی کافر کافر کے اور مسلم مسلم کے ساتھ، پھر ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا، اور عقائد، اعمال اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے الگ الگ جماعتیں بنا دی جاویں گی۔ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔ اسلام سے پہلے عرب میں یہ رسم تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو نہایت سنگ دلی اور بے دردی سے زندہ زمین میں گاڑ دیتا اور دفن کر دیتا تھا، بعض تو تنگدستی اور شادی کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے، اور بعض کو یہ عار تھی کہ اپنی بیٹی کسی کو دیں گے، تو ہمارا داماد کہلائے گا۔ قرآن نے آگاہ کیا کہ ایسی مظلوم بچیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوگا کہ انہیں کس گناہ اور پاپ کی بنا پر قتل کیا گیا تھا، تاکہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہِ رب العزت میں پیش کرے، تاکہ اس کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے اور انہیں ان کے کیفر کردار تک پہونچایا جائے۔

اور جب نامۂ اعمال کھول دئے جاویں گے۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کا نامۂ اعمال لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر حساب کیلئے قیامت کے دن اعمال نامے کھولے جائیں گے(۲)۔ اور جب آسمان کھل جائے گا۔ جس سے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی، نیز اس کے کھلنے سے غمام کا (جو بشکلِ سائبان بدلی ہوگی) نزول ہوگا، جس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرد ملائکہ ہوں گے، اور یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد حساب شروع ہونے کے وقت ہوگا(۳)۔ اور جب جہنم کو دہکایا جائے گا۔ جہنم تو اس وقت بھی دہک رہی ہے، اس لیے مراد زیادہ اور زور و شور کے ساتھ دہکانا ہے۔ اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔ (۱) جنت کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لایا جائے، اور اللہ کو سب قدرت ہے۔ (۲) حساب وغیرہ سے فراغت کے بعد مؤمنین کو جنت کے قریب پہنچا دیا جائے(۴)، اس طرح جنت مومنین کے قریب ہو جائے گی، لیکن مؤمنین کے احترام و اکرام کے پیش نظر "اُزْلِفَ الْمُؤْمِنُوْنَ" کے بجائے "ازلفت الجنة" سے تعبیر کیا گیا ہے(۵)۔

---

(۱) تفسیر عثمانی ص۷۷۹۔ (۲) روح المعانی: ۱۵/۶۴۔ (۳) بیان القرآن تحت قولہ تعالیٰ: ویوم تشقق السماء بالغمام الخ پ:۱۹ ع:۱۔ (۴) بیان القرآن سورہ ق۔ (۵) روح ۱۸۹/۱۳، تحت قولہ تعالیٰ: وازلفت الجنة للمتقین (س: ق: ع:۳)۔

اللغۃ: (الشمس) اسم جامد، سورج، سورج کی روشنی (دھوپ) پہلے معنی حقیقی اور دوسرے معنی مجازی ہے جو یہاں مراد ہے، جمع اس کی شموس آتی ہے۔ (كُوِّرَتْ) تہ کردی جائے، بے نور کر دیا جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب تفعیل سے، كَوَّرَ الثَّوْبَ (تفعیل): تہ کرنا، لپیٹنا، لیکن یہاں مجازی معنی مراد ہے، ''اٹھانا اور ختم کرنا'' اس لیے کہ جب کپڑے کو اٹھانا اور استعمال نہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو تہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے، لہٰذا سورج کی دھوپ یا روشنی کے تہ کرنے سے مراد اس کو ختم کرنا ہے، اسی مجازی معنی کو سامنے رکھ کر حضرت تھانویؒ نے اس کا مرادی ترجمہ کیا ہے: جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا۔ (النُّجُوْمُ) اسم جامد، نجم بمعنی ستارہ کی جمع، اَنْجُم اور نِجَام بھی جمع آتی ہیں۔ (انْكَدَرَتْ) ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ صیغہ واحد مؤنث غائب باب انفعال سے۔ اِنْكَدَرَ اِنْكِدَارًا: ٹوٹ کر گرنا(۱)۔ (العِشَارُ) دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں، عُشَرَاءُ صفت مشبہ کی جمع ہے، جیسے نِفَاس نُفَسَاءُ کی جمع ہے۔ واضح ہو کہ وضع حمل تک اونٹنی پر عشراء کا اطلاق ہوتا ہے گرچہ مدت دس ماہ سے بڑھ جائے(۲) عَشَرَتِ النَّاقَةُ ونحوُها، (ض) عَشْرًا وأَعْشَرَتْ وَعَشَّرَتْ: اونٹنی وغیرہ کا دس ماہ کی گابھن ہونا۔ (عُطِّلَتْ) بیکار چھٹی پھریں گی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول باب تفعیل سے عَطَّلَ الإِبِلَ وَنَحْوَهَا تَعْطِيْلًا (تفعیل): اونٹ وغیرہ کو بغیر چرواہے کے چھوڑ دینا۔ (الْوُحُوْشُ) اسم جامد، وحش کی جمع ہے، وہ جنگلی جانور جس کی طبیعت انسانوں سے مانوس نہیں ہوتی ہے، جیسے شیر، بھیڑیا، ہرن وغیرہ۔ (حُشِرَتْ) جمع کر دیے جاویں گے، رول پڑ جائے (اکٹھا ہو جاویں) صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مطلق مثبت مجہول، حَشَرَ النَّاسَ (ن) حَشْرًا: جمع کرنا۔ (البحار) اسم جامد، بحر، بمعنی دریا کی جمع، بُحُوْرٌ اور اَبْحُرٌ بھی جمع آتی ہے۔ (سُجِّرَتْ) بھڑکائے جاویں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب تفعیل سے، سَجَّرَ التَّنُّوْرَ تَسْجِيْرًا (تفعیل) وسَجَرَهُ (ن) سَجْرًا: تنور کو ایندھن بھر کر گرم کرنا، اسی کو جھونکنا اور بھڑکانا بھی کہتے ہیں۔ (النُّفُوْسُ) لوگوں، نفس بمعنی ذات وشخص کی جمع ہے، اور اسم جامد ہے۔(۳) (زُوِّجَتْ) جوڑے باندھے جاویں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب تفعیل سے، زَوَّجَ تَزْوِيْجًا (تفعیل): جوڑی بنانا: ایک شئی کے ساتھ دوسری شئی کو ملانا۔ (الْمَوْءُوْدَةُ) زندہ زمین میں دفن کی ہوئی لڑکی، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول، وَأَدَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهُ (ض) وَأْدًا: اپنی لڑکی کو زندہ دفن کرنا۔ (ذنب) گناہ، جرم، جمع ذنوب(۴)۔ (قُتِلَتْ): قتل کی گئی وہ، صیغہ واحد مؤنث غائب، قَتَلَهُ (ن) قَتْلًا: قتل کرنا، مارنا، سے (الصحف) سورہ عبس میں گذر چکا ہے۔ یہاں اعمال نامے مراد ہیں۔ (نُشِرَتْ)

---

(۱) روح ۱۵/۵۸۔ (۲) اعراب القرآن: ۸/۳۲۱، والروح: ۱۵/۵۸۔ (۳) روح، ۱۵/۶۰۔

(۴) ذنب کے اصلی معنی ہے: کسی چیز کی دم پکڑنا۔ دم چونکہ پیچھے ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا استعمال ہر اس فعل کے لیے ہوتا ہے، جس کا انجام برا ہو، گناہ کا انجام بھی چونکہ برا ہوتا ہے، اس لیے گناہ کو ذنب کہتے ہیں۔ (لغات القرآن ۳/۲۵، ومثلہ فی الروح، ۳/۲۵۷۔ تحت قولہ تعالیٰ: ربنا فاغفر لنا ذنوبنا الخ. پ:۳، ع:۱۱)۔

کھولے جاویں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، نَشَرَ الْکِتَابَ وَنَحْوَهٗ (ن) نَشْراً: کھولنا، پھیلانا۔ (کُشِطَتْ) کھول دیا جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، کَشَطَ الْجِلْدَ (ض) کَشْطاً: پوست (کھال) اتارنا، چونکہ کھال اتارنے کے بعد اندر کی چیز کھل جاتی اور نظر آجاتی ہے اس لیے یہاں یہ لفظ لازم (کھولنے کے معنی) میں استعمال ہوا ہے۔ (سُعِّرَتْ) دہکایا جائے۔ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول۔ سَعَّرَ تَسْعِیْراً (تفعیل) دہکانا۔ (أُزْلِفَتْ) نزدیک کردی جاویگی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول باب افعال سے، اَزْلَفَ اِزْلافاً: نزدیک کرنا۔ (نفس) ہر شخص، نکرہ گرچہ اثبات میں خاص ہوتا ہے، مثلاً جاءَ رجلٌ کے معنی ہے: میرے پاس ایک آدمی آیا، یہ معنی نہیں ہے کہ ہر شخص آیا، لیکن قرینہ کی بنیاد پر عام بھی ہوتا ہے، جیسا کہ یہاں عموم کا قرینہ ہے، اس لیے کہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کا علم ہوگا، اس قرینہ کی وجہ سے یہاں نفس عموم پر محمول ہے (۱)۔ (اَحْضَرَتْ) لیکر آیا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اَحْضَرَ الشَّيْ إِحْضَاراً (افعال) لانا، سے۔

ترکیب: (اذا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ) (اذا) ظرفیہ متضمن معنی شرط مضاف اور اکثر نحات کے قول کے مطابق (۲)، جواب (عَلِمَتْ نَفْسٌ) کا مفعول فیہ ہے۔ (الشَّمْسُ) جمہور بصریین کے نزدیک نائب فاعل فعل محذوف کورت کا، جس کی تفسیر فعل مذکور کُوِّرَتْ کررہا ہے۔ اور کوفیین اور بصریین میں سے "اخفش" کے نزدیک مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ (۳) (کُوِّرَتْ) فعل مجہول اپنے نائب فاعل پوشیدہ "هی" ضمیر سے مل کر جملہ تفسیریہ، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور کوفیین کے نزدیک محلا مرفوع "الشمس" مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ (وَاِذَا النُّجُوْمُ) واؤ عاطفہ باقی تمام معطوفات میں "الشمس کورت" کی طرح ترکیب ہوگی کہ اذا کے بعد والا اسم جمہور بصریین کے نزدیک فعل محذوف کا معمول ہونے کی وجہ سے، اور کوفیین کے نزدیک ابتداً کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ (بِاَیِّ ذَنْبٍ) "با" حرف جر "ای ذنب" مضاف مضاف الیہ

---

(۱) روح ۱۵/۶۱۔ (۲) اذا کے سلسلہ میں تفصیلی کلام لغات القرآن وصرفہ، سورہ انفطار میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جمہور بصریین کے نزدیک اذا شرطیہ فعل کے ساتھ خاص ہے، اور کوفیین اور "اخفش" کے نزدیک خاص نہیں ہے، لہذا بصریین کے نزدیک فعل کی ضرورت ہے، جس پر اذا کا دخول ہو، اور وہ موجود نہیں ہے، اس لیے محذوف ماننا پڑے گا، اور اس فعل محذوف کا "الشمس" نائب فاعل ہوگا۔ اور کوفیین کے نزدیک چونکہ اس کا اختصاص فعل کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ جملہ اسمیہ پر بھی اس کا دخول ہوسکتا ہے، اس لیے "الشمس" مبتدأ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوسکتا ہے۔ من الروح ۱۵/۵۷ واعراب القرآن، ۸/۲۲۳۔ لیکن "حاشیہ عبد الغفور" میں اختلاف اس طرح نقل کیا ہے کہ: سیبویہ اور اخفش کے نزدیک "اذا" شرطیہ کے بعد فعل مختار ہے، اور کوفیین کے نزدیک دونوں باتیں جائز ہیں، اور "مبرد" کے نزدیک فعل کا ہونا لازم ہے۔ (حاشیہ عبد الغفور علی شرح الجامی: ۲۳۸، تحت قول صاحب الكافيه ويختار النصب إلى قوله: "إذا الشرطية") ولعل هذا التفصيل هو الصواب.

سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر فعلت کے متعلق۔ (واذا الصحف) واؤ عاطفہ باقی ترکیب "الشمس کورت" کی طرح (علمت نفس) فعل با فاعل (ما) مفعول بہ (احضرت) فعل اپنے فاعل "ھی" پوشیدہ ضمیر سے مل کر صلہ۔

جملوں کی حیثیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

اذا الشمس الخ "اذا" کے بعد جمہور بصریین کے قول کے مطابق محذوف جملہ محلا مجرور ہے "اذا" کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، اور جو جملے اسم مرفوع کے بعد مذکور ہیں، مثلا کورت، الکدرت وغیرہ بصریین کے نزدیک مفسرہ ہیں، جن کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور کوفیین کے نزدیک محلا مرفوع ہیں، مبتدأ کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ اور جملہ: "قتلت" "سئلت" کا معنی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے (۱)، اور جملہ: "علمت نفس" کے لیے شرط غیر جازم کا جواب ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے؛ اسی طرح جملہ: "احضرت" کے لیے موصول کا صلہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے (۲)۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِۙ۝۱۵ سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں، الْجَوَارِ الْكُنَّسِۙ۝۱۶ چلتے رہنے والوں چھپ جانے والے ستاروں کی وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَۙ۝۱۷ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَۙ۝۱۸ اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے، اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍۙ۝۱۹ کہ یہ قرآن ایک معزز بھیجے ہوئے کا (لایا ہوا) کلام ہے، ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍۙ۝۲۰ جو قوت والا ہے، مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍؕ۝۲۱ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے، امانت دار ہے، وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍۚ۝۲۲ اور یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے مجنون نہیں ہے۔

ربط: مذکورہ آیات سے پہلے ایسے دن (قیامت) کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ نیکی یا بدی کا کیا سرمایہ اپنے ساتھ لایا ہے، اور جب ایسا ہونے والا ہے، تو اس کی تصدیق کر کے اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے، اللہ تعالی چونکہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے، اس لیے اس نے ازراہ فضل وکرم اس دن میں نجات اور کامیاب وسرخ رو ہونے کا یہ طریقہ بتلا دیا ہے کہ قرآن کریم کی تصدیق کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیا جائے مذکورہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کو چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کیا گیا ہے۔ مختصر تفسیر مندرجہ ذیل ہے۔

---

(۱) معنی مفعول بہ اس لیے کہا ہے، کیونکہ استفہام کی وجہ سے تعلیق (لفظی عمل کا ابطال) ہو چکا ہے، اس لیے کہ استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے؛ لہذا وہ اور جو اس کے ماتحت ہے، اپنے ماقبل کا لفظا معمول نہیں بن سکتا ہے۔ (اعراب القرآن، صرفہ ۲۵۴/۱۵)۔

(۲) ترکیب اعراب القرآن لمحی الدین، ۲۳۳/۸، اعراب القرآن وصرفہ، ۲۵۴/۱۵، اور روح، ۵۷/۱۵، سے ماخوذ ہے۔

تفسیر: فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الخ سو میں قسم کھاتا ہوں (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے ہٹ جانے والوں چلتے رہنے والوں چھپ جانے والے ستاروں کی، کچھ ستارے ایسے ہیں، جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں، اور پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں، اور کبھی پیچھے کو چلتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔ ایسا امر پانچ ستاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اور کبھی پیچھے کو چلتے ہیں، اور ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں زُحَل، مُشتری، عُطارِد[1]، مِرّیخ، زُہرہ، اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے قسم کا جواب ہے) کہ یہ قرآن ایک معزز بھیجے ہوئے (فرشتہ، مراد جبرائیل) کا (لایا ہوا اللہ کا) کلام ہے جو قوت والا ہے "فرشتہ کا لایا ہوا ہے" اس صراحت سے اس کی نفی کردی کہ یہ کلام کسی شیطان کے ذریعہ آپ تک پہنچا ہے کہ آپؐ کے کاہن ہونے کا احتمال ہو، اور فرشتہ کی یہ صفت کہ وہ طاقتور ہے ذکر کرنے سے اس احتمال کو ختم کردیا کہ کلام تو فرشتہ ہی لیکر چلا ہو مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہوگیا ہو، اس صفت نے بتلادیا کہ وہ انتہائی طاقتور ہے، شیطان کی کیا مجال کہ اس کے قریب بھٹکے۔[2] مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے (اور) وہاں (آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے (آسمانوں میں ان کے احکام کی پیروی کرنا شب معراج کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ جبرئیل امین آنحضرت ﷺ کو لے کر آسمانوں پر پہونچے اور آسمانوں کے دروازے کھلوانے کا ارادہ کیا تو دروازوں پر مقرر فرشتوں نے ان کے حکم کی اطاعت کی) امانت دار ہے (کہ وحی کو صحیح پہنچادیا، لہٰذا یہ وہم نہیں کیا جاسکتا کہ اپنی طرف سے انہوں نے کوئی کمی بیشی قرآن میں کردی ہو۔ یہ وحی لانے والے کی صفات ہیں) آگے جن پر وحی نازل ہوئی (محمد ﷺ) ان کے متعلق ارشاد ہے: اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے مجنون (دیوانہ) نہیں ہے۔ جیسا کہ کفار ومشرکین آپؐ کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ "صاحبکم" کا لفظ لاکر اس کے جواب کی طرف اشارہ کردیا کہ محمد ﷺ تمہارے لیے کوئی غیر متعارف شخصیت یا تمہارے میں کوئی نووارد نہیں ہیں، بلکہ بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم ان کے ساتھ رہے ہو، اتنی طویل مدت تک خوب تم نے ان کے شب وروز اور احوال کو دیکھا اور پرکھا ہے، کیا کبھی ایک مرتبہ بھی انکی طرف سے جھوٹ اور دیوانہ پن کی کوئی بات دیکھی ہے؟ ہمیشہ تم ان کے صدق وامانت اور عقل ودانائی کے معترف رہے ہو، اور اپنے مقدمات میں ان کو فیصل بناتے رہے ہو۔ کیا اب جب کہ یہ تمہیں کفر وشرک اور وضلالت وجہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور واجالے میں داخل کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہے، تو العیاذ باللہ! یہ دیوانہ وپاگل ہوگیا ہے؟ کیا اس کے ساتھ رہنا، اور اس کے احوال کو دیکھنا تمہیں اس طرح کے گستاخانہ کلمات کہنے سے باز نہیں رکھتا ہے؟(۳)۔

قسم و جواب قسم میں مناسبت:

قسم کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا، لوٹنا، چھپ جانا، وحی لانے والے فرشتے کے آنے اور واپس

---

[1] (۱) یہ لفظ عین کے ضمہ اور "را" کے کسرہ کے ساتھ (عُطارِد) ہے۔ (غیاث اللغات فارسی: ۲۹۹، وفیروز اللغات: ۸۹۸)

[2] (۲) بیان القرآن: ۱۱/۷۲۔ (سورہ نجم) (۳) فوائد عثمانی ص ۷۸۰۔

جانے اور عالم ملکوت (فرشتوں کی دنیا) میں چھپنے کے، اور رات کا گذرنا، اور صبح کا آنا، قرآن کریم کے سبب کفر وشرک کی ظلمت دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے(۱)۔

اللغة: (لَا اُقْسِمُ) میں قسم کھاتا ہوں، (لا) اس کے شروع میں زائد ہے، صیغہ واحد متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف، اَقْسَمَ بِهٖ اِقْسَامًا (افعال): قسم کھانا۔ (اَلْخُنَّسِ) پیچھے کو ہٹنے والے ستارے، موصوف (الکواکب) محذوف ہے، یہ خَانِس کی جمع ہے، جو اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خَنَسَ (ن) خَنْسًا خُنُوْسًا، خِنَاسًا: پیچھے ہٹنا، وفلانًا: پیچھے ہٹانا، یعنی لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہے۔ (الْجَوَارِ) چلنے والے، جاریۃ اسم فاعل کی جمع ہے۔ جَرَی (ض) جَرْیًا: دوڑنا، تیز چلنا۔ (الْکُنَّسِ) چھپنے والے، کَانِس اور کَانِسَة کی جمع ہے۔ کَنَسَ الظَّبْیُ (ض) کَنْسًا وکُنُوْسًا: ہرن کا اپنی پناہ گاہ میں جانا، یہاں ستاروں کے اپنے مطالع میں چھپ جانے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ (عَسْعَسَ) وہ جانے لگے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب "فعللة" سے عَسْعَسَ اللَّیْلُ یُعَسْعِسُ (رباعی مجرد) عَسْعَسَةً: رات کے اندھیرے کا آنا، رات کے اندھیرے کا چلا جانا، یعنی آنا اور جانا دونوں اس کے معنی ہیں، لہذا یہ لفظ اضداد میں سے ہے(۲)۔ (تَنَفَّسَ) دم (سانس) لے، آ جائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث ماضی مطلق مثبت معروف، تَنَفَّسَ تَنَفُّسًا: سانس لینا، سے۔ تنفس صبح سے مراد بطور استعارہ صبح کا روشن ہونا، اور آنا ہے(۳)۔ (رَسُوْلٌ) بھیجا ہوا، فَعُوْل (بمعنی مفعول) صیغہ صفت ہے، مذکر ومؤنث واحد وجمع سب کے لیے اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ ویسے اس کی جمع بھی آتی ہے، رُسُلٌ، اَرْسُلٌ، رِسَالَةً۔ اور بھیجنے کے معنی میں مجرد سے اس مادہ کا استعمال نہیں ہوتا ہے، بلکہ باب افعال سے استعمال ہوتا ہے۔ اَرْسَلَهٗ (افعال) اِرْسَالًا: بھیجنا، مسلط کرنا، فهو (اسم المفعول) مُرْسَلٌ وَرَسُوْلٌ(۴)۔ (ذی) والا، صاحب، مالک، اسم جامد ہے، اور اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے، جن کا اعراب حالت رفعی میں "واؤ" کے ساتھ اور حالت نصبی میں "الف" کے ساتھ اور حالت جری میں "یا" کے ساتھ ہوتا ہے۔ لفیف مقرون ہے، اور اس کی اصل فَعَلَ (بفتح الفاء والعین) کے وزن پر "ذَوَیٌ" ہے(۶)۔ (قُوَّة) طاقت، فُعْلَة، کے وزن پر مصدر ہے، اور لفیف مقرون بالواوین ہے، قَوِیَ (س) قُوَّةً: قوت وطاقت والا ہونا، "قَوِیَ" اصل میں قَوِوَ تھا، واؤ کسرہ کے بعد طرف میں واقع ہونے کی وجہ سے "یا" ہو گئی، قَوِیَ ہو گیا(۷)۔ (العَرْشِ) اس کے مختلف معانی آتے ہیں، یہاں عرش الٰہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۸) (مَکِیْنٍ) صاحب رتبہ ومقام، صفت مشبہ، جمع مُکَنَاءُ، مَکُنَ الرَّجُلُ (ك) مَکَانَةً: بلند رتبہ وبلند حیثیت ہونا، سے۔ (مُطَاعٍ) اس کی اطاعت کی جاتی ہے، اس کا کہنا مانا

---

(۱) بیان القرآن ۱۲/۸۱۔ (۲) اضداد: وہ الفاظ ہیں جو متضاد معنی رکھتے ہیں، جیسے شَرٰی (ض) شِرَاءً: بیچنا، خریدنا۔

(۳) روح ۱۶/۱۰۲۔ (۴) المعجم الوسیط ص ۳۴۲۔

(۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے احقر کی کتاب "لغات القرآن وصرفہ" (۶) حاشیہ تصریف زنجانی: ص ۸۳۔

(۷) تفصیلی گفتگو احقر کی کتاب لغات القرآن وصرفہ میں ملاحظہ کریں۔

جاتا ہے، أَطَاعَهُ ، يُطِيْعُهُ، إِطَاعَةً (افعال): اطاعت کرنا، کہنا ماننا، سے صیغہ اسم مفعول واحد مذکر ہے۔ (ثَمَّ) وہاں، اسم اشارہ مبنی بر فتح دور جگہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔ (أَمِيْنٍ) امانت دار، صفت مشبہ واحد مذکر، جمع : أُمَنَاءُ، أَمُنَ الرَّجُلُ(ك) أَمَانَةً : امانت دار ہونا۔ (صَاحِبِ) ساتھ رہنے والا، صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، جمع: صَاحِبُوْنَ ، صَحْبٌ، أَصْحَابٌ و صِحَابٌ، صَحِبَ الرَّجُلُ(س) صُحْبَةً، صَحَابَةً، وَصَاحَبَهُ مُصَاحَبَةً وَصِحَابًا (مفاعلہ) ساتھی ہونا، ساتھ رہنا، ساتھ لگنا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔

نوٹ: - ”صاحبکم“ کا ترجمہ ”یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے“ اس لیے کیا گیا ہے کیوں کہ اضافت عہد کے لیے ہے، (مَجْنُوْنٌ): دیوانہ، پاگل، صیغہ اسم مفعول واحد مذکر، جُنَّ (ض) جِنَّةً، جُنُوْنًا وَمَجَنَّةً : عقل زائل ہونا، پاگل ہونا۔ پاگل ہونے کے معنی میں ”جُنَّ“ مجہول ہی کا استعمال ہوتا ہے(۱)۔

ترکیب: - (فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ) ”فا“ استینافیہ ”لا“ زائدہ اور (اقسم) فعل با فاعل (بالخنس) متعلق اقسم فعل کے، (الجواری) صفت یا بدل (بِالْكُنَّسِ) صفت الخنس کی۔ (واللَّيْلِ) واؤ عاطفہ(۲) اللَّيْلِ معطوف الخنس پر (إِذَا عَسْعَسَ) اذا ظرفیہ مضاف عسعس کی جانب اور مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ اللَّيْلِ سے پہلے عظمة یا اس کے مانند پوشیدہ مضاف کا(۳) (والصبح اذا تنفس) واللَّيْلِ اذا عسعس کی طرح (انه) ان اور اس کا اسم (لقول) لام ابتدائیہ جس کو لام مزحلقہ بھی کہا جاتا ہے، (قول) خبر ”رسول“ مضاف الیہ (كَرِيْمٍ) رسول کی صفت (ذی قوة) صفت ثانی رسول کی، (عند ذی العرش) مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ مَكِيْنٍ کا ”مَكِيْنٍ“ صفت ثالث ”مُطَاعٍ“ صفت رابع ”ثَمَّ“ مفعول فیہ مُطَاعٍ کا ”أَمِيْنٍ“ صفت خامس، وَمَا صَاحِبُكُمْ واؤ عاطفہ ”ما“ نافیہ حجازیہ (یعنی مشابہ بلیس) (صاحبکم) اسم (بِمَجْنُوْنٍ) ”با“ زائدہ مجنون لفظاً مجرور محلاً منصوب ”ما“ کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

جملوں کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: ”اقسم......“ مستانفہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: ”عسعس“ اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے، یہی حال جملہ: ”تنفس“ کا ہے، اور جملہ ”إِنَّهٗ لقول الخ“ جواب قسم ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور جملہ: ”وماصاحبکم الخ“ جواب قسم پر معطوف ہے لہٰذا اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

---

(۱) المعجم الوسیط: ۵۰۷۔ (۲) الواو فی قوله تعالیٰ : واللَّيْلِ، والصبح علی مانقل عن ابن جنی للعطف. (روح ۱۵/۶۸، ملتان) (۳) اس کے متعلق تفصیلی کلام ”فائدہ“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ: (واللیل إذا عسعس) اور (واللیل إذا یغشی) اور اس کے مانند کلام میں "اذا" صرف ظرفیہ ہے، شرط کے معنی کو متضمن نہیں ہے؛ اور اس کی ترکیب چار طرح کی گئی ہے:

(۱) إذا بمضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ أقسم فعل کا(۱)۔

(۲) إذا مفعول فیہ "حاصلاً" یا "کائناً" کا اور حاصلاً حال مُقسَم بہ (اللیل وغیرہ) سے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "اقسم باللیل حاصلاً إذا عسعس"، اور "اقسم باللیل حاصلاً إذا یغشی"، ترجمہ ہوگا: میں قسم کھاتا ہوں رات کی درانحالیکہ وہ اس وقت حاصل وموجود ہو جب کہ وہ جانے لگے، اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی درانحالیکہ وہ اس وقت حاصل ہو جب کہ وہ چھا جائے، صاحب کافیہ نے بھی ترکیب کی ہے(۲)۔

(۳) اذا ظرفیت سے خارج ہے، اور مضاف مضاف الیہ سے مل کر مقسم بہ "اللیل" سے بدل ہے، اور معنی ہے: میں قسم کھاتا ہوں رات کی یعنی اس کے جانے کے وقت کی "واللیل اذا عسعس" میں اور اس کے چھا جانے کی وقت کی "واللیل اذا یغشی" میں۔ رضی اور روح المعانی میں بعض حضرات کی طرف سے اس ترکیب کو نقل کیا گیا ہے۔ لیکن تینوں ترکیب اعتراض سے خالی نہیں، پہلی ترکیب تو اسلئے کہ معنی فاسد ہو جاتے ہیں، وضاحت اس کی یہ ہے کہ مفعول فیہ یا ظرف وہ ہوتا ہے جس میں فعل کا وقوع ہوتا ہے، چنانچہ "سَافَرَ زَیْدٌ یومَ الجمعۃِ" کے معنی ہے: زید نے جمعہ کے دن میں سفر کیا، اور "أقسمت یومَ الجمعۃ" کے معنی ہیں: میں نے جمعہ کے دن میں قسم کھائی، لہٰذا اگر "إذا" کو "أقسم" فعل کا ظرف مانا جائے تو معنی ہوں گے، میں قسم کھاتا ہوں رات کی، اس وقت میں کہ وہ جانے لگے اور اس وقت میں کہ وہ چھا جائے، حالانکہ یہ بالکل مقصود نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے اس وقت میں قسم کھائی کیوں کہ اللہ تعالی نے یہ قسمیں ازل میں کھائی ہیں(۳)۔

دوسری ترکیب میں بھی معنی کا فساد ہے، اس لیے کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے، چنانچہ "جاء زید راکباً" میں "راکباً" کا عامل "جاء" ہے جو ذوالحال (زید) کا بھی عامل ہے لہٰذا حاصلاً (جس کا اذا ظرف ہے) کا عامل اقسم فعل ہوگا اور معنی ہوں گے: اور میں قسم کھاتا ہوں رات کی ایسی حالت میں کہ وہ اس وقت حاصل ہو جب کہ وہ جانے لگے یا چھا جائے، جیسا کہ: "مررت بزید صارخاً" کے معنی ہے: میں زید کے پاس اس کے چیخنے کی حالت میں گذرا، لہٰذا اللہ تعالی کا قسم کھانا رات کے واپس جانے کی حالت میں ہوگا (واللیل إذا عسعس) میں اور چھا جانے کی حالت میں ہوگا "واللیل إذا یغشی" میں حالانکہ ہرگز ایسا نہیں کہ اللہ تعالی نے یہ قسم رات کے جانے اور چھانے کی حالت میں کھائی ہے(۴)۔

---

(۱) اعراب القرآن لمحی الدین، ۸/ ۲۳٦، واعراب القرآن وصرفہ، ۱۵/ ۲۵۲۔ (۲) رضی ۳/ ۲۷۷۔

(۳) وإذا لیس معمولاً لفعل القسم لفساد المعنی، إذ التقیید بالزمان غیر مراد حالا کان او استقبالاً (روح: ۱۵/ ٦۸)۔

(۴) ملاحظہ ہو دوسری ترکیب پر علامہ "رضی" کا یہ تبصرہ: ولی فیہ نظر، إذ لاشئ ہنا یقدر عاملاً فی حاصلاً، إلا معنی القسم فہو حال من مفعول القسم "فیکون الإقسام فی حال حصول اللیل الخ (۳/ ۲۷۷)۔

تیسری ترکیب میں یہ خرابی ہے کہ "اذا" کا ظرفیت سے خروج لازم آتا ہے، جو بہت قلیل ونادر ہے، لہذا ان تینوں ترکیبوں سے ہٹ کر راجح ومختار ترکیب یہ ہے کہ مقسم بہ اللیل وغیرہ سے پہلے "عظمة" یا اس کے مانند مضاف پوشیدہ مانا جائے، اور اس پوشیدہ مضاف کا "اذا" کو ظرف مانا جائے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: اقسم بعظمة اللیل اذا عسعس": میں رات کے جانے کے وقت رات کی عظمت کی قسم کھاتا ہوں، اور (واللیل إذا یغشی) میں تقدیر عبارت ہوگی: "اقسم بعظمة اللیل اذا یغشی": میں رات کے جانے کے وقت رات کی عظمت کی قسم کھاتا ہوں اور "عظمة" مضاف اس لیے مقدر مانا گیا ہے، کیوں کہ قسم کسی بڑی چیز ہی کی کھائی جاتی ہے، لہذا کسی چیز کی قسم کھانا اس کی عظمت اور بڑے ہونے کو بتلاتا ہے، اس کی نظیر "عجباً من زید إذا رکب" ہے، یہاں إذا رکب عجبا کا ظرف نہیں ہے، اس لیے کہ متکلم انشاء تعجب (تعجب کا اظہار) زید کے سوار ہونے کے وقت نہیں کر رہا ہے، بالفاظ دیگر یہ کلام اس وقت نہیں بولا جا رہا ہے جب کہ زید سوار ہے، بلکہ دوسرے وقت میں بول کر بھی متکلم تعجب کا اظہار کر سکتا ہے، لہذا یہاں بھی "زید" سے پہلے عظمة مضاف پوشیدہ ہے، جس کا "إذا رکب" ظرف ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی: "عجباً من عظمة زید إذا رکب" کیوں کہ تعجب بھی کسی عظیم اور بڑی چیز ہی پر کیا جاتا ہے(۱)۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو صاف کنارہ پر دیکھا (بھی) ہے، وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۝ اور یہ (پیغمبر) مخفی باتوں پر بخل کرنے والے نہیں ہیں وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۝ اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے، فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ تو تم لوگ کدھر کو چلے جا رہے ہو اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ بس یہ تو جہاں بھر کے واسطے ایک بڑی نصیحت ہے، لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ۝ ایسے شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے، وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اور تم خدائے رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔

ربط: یہ آیات بھی صاحب وحی (ﷺ) سے متعلق ہیں۔

تفسیر: ایک بار حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے خواہش کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، انہوں نے "حراء" کے پاس اور "ترمذی" کی روایت کے مطابق محلہ "جیاد" میں دکھلانے کا وعدہ کیا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو، ان کو آسمان کے مشرقی کنارہ میں اس طرح دیکھا کہ ان کے "چھ سو" بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ آسمان کے مغربی کنارہ تک کو گھیر رکھا ہے، آپ بیہوش ہو کر گر پڑے، اس وقت جبرئیل علیہ السلام بصورت بشر ہو کر آپ کے پاس تسکین کے لیے آئے جس کا بیان سورہ "نجم" میں ہے، جبرئیل علیہ السلام کے اسی دیکھنے کا تذکرہ مذکورہ آیت "ولقد رَاٰهُ الخ" میں ہے،

---

(۱) هو على ما اختاره غير واحد معمول مضاف مقدر من نحو لعظمة لأن الإقسام بالشيء إعظام له كأنه قيل: ولا القسم بعظمة الليل زمان عسعس الخ (روح: ۱۵/ ۶۸۔ ورضی ۳/ ۲۷۷۔ اشرفی)۔

کہ آپ ﷺ نے اس (فرشتہ) کو صاف کنارہ پر دیکھا (بھی) ہے۔ صاف کنارہ سے مراد آسمان کا مشرقی بلند کنارہ ہے اس آیت نے بتلا دیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں بھی دیکھا ہے، اسلئے آپ ان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، لہذا یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبرئیل ہونا اس وقت معلوم ہوسکتا ہے کہ جب آپ ان کو پہچانتے ہوں؛ اور پوری صحیح پہچان اس وقت ہوسکتی ہے جب آپ نے ان کو اصلی صورت میں دیکھا ہو۔ (۱)

(وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ الخ) اور یہ پیغمبر مخفی باتوں پر بخل کرنے والے نہیں ہیں۔ یعنی یہ پیغمبر (ﷺ) مخفی باتوں مراد وحی کردہ باتوں کی خبر دیتے ہیں، اور پوری خبر دیتے ہیں، کوئی بات ناقص اور ادھوری نہیں چھوڑتے ہیں، اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے ہیں، اور نہ کسی اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پھر کاہن کا لقب ایسی مقدس ہستی پر کیسے چسپاں ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ کاہن اولاً تو غیب کی محض ایک جزئی اور نامکمل بات کو سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے، دوسرے اس کے بتلانے میں اس قدر بخیل ہوتا ہے کہ بدون اجرت، نذرانہ اور مٹھائی وصول کئے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا ہے؛ لہذا حضور ﷺ کی مذکورہ صفت آپ کے کاہن ہونے کی بڑی شدت کے ساتھ تردید کرتی ہے۔ (۲)

اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات (۳) نہیں ہے، بھلا شیطان ایسی نیکی، پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگے گا، جس میں سراسر بنی آدم کا (جن کو وہ اپنا ازلی دشمن سمجھتا ہے) فائدہ ہو؛ اور خود اس ملعون کی تقبیح و مذمت ہو۔

(فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ......) تو تم لوگ کدھر کو چلے جا رہے ہو۔ یعنی جب قرآن کہ کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہو رہا ہے، تو پھر اس کلام برحق اور سچے اور واضح راستہ کو چھوڑ کر کدھر چلے جا رہے ہو، کہ قرآن اور جس پر قرآن نازل ہو رہا ہے اسکی نبوت کا انکار کر رہے ہو، اور ان اعمال و اخلاق کو اپنی عملی زندگی کا حصہ نہیں بنا رہے ہو؛ جن کی طرف قرآن بلا رہا ہے۔ یہ تو ایک بڑی نصیحت ہے (۴) جہاں بھر کے واسطے یعنی قرآن کی نسبت جو باتیں تم بکتے ہو سب غلط ہیں۔ اگر اس کے مضامین وہدایات میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ ایک سچا نصیحت نامہ اور مکمل دستور العمل ہے، جس سے انسان کی دارین کی فلاح وابستہ ہے۔ ایسے شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ یعنی بالخصوص ان کے لیے نصیحت ہے، جو سیدھا چلنا چاہیں، عناد اور کج روی اختیار نہ کریں، کیوں کہ ایسے ہی لوگ اس نصیحت سے منتفع ہوں گے۔ اور تم خدائے رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔ یعنی فی نفسہ قرآن پاک نصیحت ہے، لیکن اس کی تاثیر اور اس کی آواز سے دل کی دنیا کا بدل جانا خدا تعالی کی مشیت و چاہت پر موقوف ہے، جو کچھ لوگوں کے لیے ہوتی ہے اور بعض لوگوں کے لیے کسی حکمت سے ان کے عناد اور بد استعدادی کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے۔ (۵)

---

(۱) ماخوذ از خلاصہ تفسیر بیان القرآن ۱۱/۲/۷ (تفسیر سورہ نجم) (۲) از تفسیر عثمانی ص۷۸۰۔ (۳) قول: مقول: (اسم مفعول کے) معنی میں ہے، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۴) "ذِکْرٌ" میں تنوین تعظیم کے لیے ہے اس لیے ترجمہ "بڑی" سے کیا گیا ہے۔

(۵) از تفسیر عثمانی۔

اللغۃ: (الأفق) کنارہ آسمان کا ہو یا زمین کا، اور جمل صاحب "روح" یہی اس کے اصلی معنی ہے(۱)۔ اور یہاں آسمان کے کنارہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (المبین) کھلا ہوا، واضح، صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، أبان یُبِیْنُ إبانَۃً (افعال): ظاہر ہونا، واضح ہونا، سے۔ (الغیب) اصلاً مصدر ہے، اور اسم فاعل (غائب) کے معنی میں ہے(۲)۔ یعنی مخفی و پوشیدہ بات۔ مراد اس سے وہ باتیں ہیں جو حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئیں؛ اور ان کو آپ ﷺ نے لوگوں کو بتلایا(۳)۔ غَابَ الأمرُ عن فلانٍ (ض) غَیبًا، وَغَیبَۃً وَغُیُوْبَۃً، وَغِیَابًا: پوشیدہ ہونا(۴)۔ (ضنین) اجمالی بخیل، کنجوس، صفت مشبہ ج أضِنَّاء، ضَنَّ بہ وعلیہ (س، ض) ضنًّا وضِنَّۃً وضَنَانَۃً: کسی چیز میں اجمالی بخل کرنا، عمدہ اور نفیس چیز میں بخل کے لیے اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔(۵) (شیطان) سرکش، شریر، اور عرف میں ابلیس (علیہ اللعنۃ) مراد ہوتا ہے(۶)، اور اصلاً صفت مشبہ کا صیغہ ہے "فَیْعَالٌ" کے وزن پر۔ شَطَنَ (ن) شُطُوْنًا (دور ہونا) سے، سرکش و شریر اور شیطان عرفی چونکہ رحمت الٰہی سے دور ہے؛ اس وجہ سے اس کو شیطان کہتے ہیں۔ (رَجِیْم) دھتکارا ہوا، ملعون، راندہ کیا ہوا، فعیل کے وزن پر صیغہ صفت ہے، اور معنی میں اسم مفعول (مرجوم) کے ہے، کیوں کہ شیطان بارگاہ خداوندی سے دھتکارا ہوا، راندہ کیا ہوا اور ملعون ہے؛ اس لیے یہ صفت اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ رَجَمَہٗ (ن) رَجْمًا: لعنت کرنا، دھتکارنا، راندہ کرنا، پتھر مارنا: اصلی معنی یہی ہے(۷)۔

(العالمین) سارے جہاں، عالَم کی ملحق جمع مذکر سالم، جمع ہے، اور "عالَم" اصل کے اعتبار سے فاعَل کے وزن پر "عِلْمٌ" سے اسم آلہ ہے، بمعنی جاننے کا آلہ؛ لیکن خدا کے علاوہ مخلوق وکائنات پر (جو خدا تعالیٰ کے جاننے کا آلہ ہے) اس کا غلبۂ اطلاق ہوگیا ہے، ہر جاننے کی چیز کو عالم نہیں کہا جاتا ہے۔ پھر کبھی تو عالم کا اطلاق مجموعہ اجناس پر ہوتا ہے، اس وقت اس کی جمع نہیں لائی جاتی ہے، اور کبھی اس کا اطلاق ہر ہر جنس پر ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: عالم انسان، عالم جنات، عالم ملائکہ وغیرہ، اور جب عالم کا اطلاق ہر جنس پر ہو تو اس وقت اس کی جمع لائی جاتی ہے،(۸) چنانچہ رب العالمین (سارے جہانوں کا رب) میں "عالم" واحد سے مخلوق کی ہر جنس مراد ہے؛ اس لیے جمع لائی گئی ہے۔(۹) اور "ان ھو الا ذکر للعالمین" میں "عالمین" سے مراد انسان اور جنات ہیں، جن کے لئے قرآن کریم نصیحت ہے، اور باقی حیوانات اس میں داخل نہیں ہیں (وھو ظاھر)۔(۱۰)

(ان یستقیم) سیدھا رہے، سیدھا چلے، فعل مضارع منصوب بأن، صیغہ واحد مذکر غائب، باب استفعال سے۔ اِسْتَقَامَ یَسْتَقِیْمُ اِسْتِقَامَۃً (افعال): سیدھا ہونا، درست ہونا، ثابت قدم ہونا۔

ترکیب:- (ولقد رآہُ بالافق المبین) "واؤ عاطفہ" "لام" قسم محذوف کے جواب میں، تقدیری عبارت اس طرح

---

(۱) روح ۱۳/۴۸ (سورہ نجم) واعراب القرآن لمحی الدین ۱۳/۷ (فصلت) واعراب القرآن وصرفہ ۱۳/۱۵۔

(۲) روح ۱/۱۸۸ (پ:۱، ع:۱) (۳) روح ۱۵/۷۰۔ (۴) المعجم الوسیط: ص ۲۶۷۔ (۵) لغات القرآن: ۴/۷۹۔

(۶) لغات القرآن: ۳/۳۰۲۔ (۷) اصل الرجم: الرمی بالحجارۃ: (روح: ۳/۲۲۰ پ: ۳، ع: ۱۳۔) (۸) روح ۱/۱۳۶ (سورۂ فاتحہ) (۹) بیان القرآن تفسیر سورۂ فاتحہ۔ (۱۰) لغات القرآن: ۴/۲۱۰۔

ہوگی: "واللہِ لَقَدْ رَاٰہُ......" (رای) فعل بافاعل، "ہا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ۔ (بالافق) رَاٰی فعل کا ظرف لغو، یا مفعول کی ضمیر سے حال، کائنا محذوف کے متعلق ہوکر، (المبین) صفت (وما ھو) "واؤ" عاطفہ "ما" مشابہ بلیس، (ھُوَ) اسم، (عَلَی الْغَیْبِ) (ضَنِیْنٍ) کے متعلق، (بضنین) "با" حرف جر زائد، (ضنین) لفظا مجرور محلا منصوب، خبر ما کی۔ (۱) (وَمَاھُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ) (وماھو) پہلے ماھو کی طرح، (بقول) بضنین کی طرح، (رجیم) صفت شیطن کی (فَاَیْنَ) "فا" فصیحہ شرط محذوف کے جواب میں۔ تقدیری عبارت ہوگی: "اذا تَبَیَّنَ لَکُمْ اَمْرُ مُحَمَّدٍ وَالْقُرْآنِ فَاَیْنَ......" (۲) (این) اسم استفہام مبنی علی الفتح محلا منصوب، مفعول فیہ تَذْهَبُوْنَ کا، (تَذْهَبُوْنَ) فعل، "واؤ" ضمیر مرفوع متصل محلا مرفوع فاعل، (اِنْ) نافیہ، (ھو) مبتدا، (الا) حرف استثناء ملغی (۳) (ذِکْرٌ) خبر، (لِلْعٰلَمِیْنَ) ذکر کے متعلق (۴) یا کائن محذوف کے متعلق ہوکر صفت ذکر کی۔ (لمن) بدل للعالمین سے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ، (شاء) صلہ، (ان یستقیم) بتاویل مصدر ہوکر مفعول بہ شاء کا۔ (منکم) کائنا کے متعلق ہوکر حال شاء کی ضمیر سے۔ (وماتشاء ون) "واؤ" استینافیہ "ما" "نافیہ" "الا" حرف استثناء ملغی، (اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ) اس سے پہلے "با" حرف جر برائے سببیت محذوف ہے، تقدیری عبارت: "بان یشاء اللہ" ہے، (ان) حرف مصدر (یشاءَ) صلہ ان کا، ان حرف مصدر اپنے صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہوکر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق تشاء ون کے، (تشاء ون) فعل بافاعل (رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ) صفت لفظ جلالہ کی (۵)۔

جملوں کی حیثیت اوران کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ قسمیہ مقدرہ: (اُقْسِمُ بِاللّٰهِ) معطوف جملہ: "لا اقسم بالخنس ......" پر اور جملہ: "لقد راٰہ" قسم محذوف کا جواب (۶) جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: "ما ھو علی الغیب ......" جملہ "لقدرای......" پر معطوف، اسی طرح جملہ: "ماھو بقول......" ہے اور اقرب یعنی جملہ: "ما ھو علی الغیب......" پر بھی معطوف ہوسکتا ہے۔ اور جملہ: "این تذھبون......" اذا کا جواب، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: "ان ھو......" تعلیلیہ، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور جملہ: "شاء ......" صلہ من کا، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور جملہ

---

(۱) نوٹ: حرف جر زائد کسی کے متعلق نہیں ہوتی ہے (حاشیہ النحو الوافی: ۱/۴۴۶) (۲) ترجمہ: جب محمد ﷺ اور قرآن کریم کا معاملہ تمہارے لئے واضح ہو چکا۔ (۳) جب کلام غیر موجب میں مستثنی منہ محذوف ہو، اس وقت حرف استثناء (الا) کی تعبیر "حرف استثناء ملغی" سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت مستثنی پر اعراب عامل کے مطابق آتا ہے۔ (۴) کیونکہ "ذکر" مصدر ہے، جیسا کہ صاحب روح کی تفسیر "موعظة وتذکیر" سے معلوم ہوتا ہے۔ (۱۶/۱۰۷)۔ (۵) ادب کے پیش نظر یہ تعبیر اختیار کی جاتی ہے، ہر جگہ اس کا لحاظ رہنا چاہئے۔ مثلاً "اللہ احد" کی ترکیب اس طرح کیجئے، لفظ جلالہ مبتدا، "احد" خبر۔ لفظ اللہ کہنے میں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ اس لیے کہ لفظ اللہ ملفوظ پھینکے ہوئے کے معنی میں ہے۔ (۶) کما فی الروح: ۱۶/۱۰۶: تاللہ لقدرای......۔

"يستقيم" "ان" موصول حرفی (حرف مصدر) کا صلہ، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور جملہ "ما تشاؤن ......" مستانفہ، جس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے(۱)۔

(٨٢) سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (٨٢)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ جب آسمان پھٹ جاوے گا، وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے، وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ اور جب دریا بہہ پڑیں گے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝ تو ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا، يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ جس نے تجھ کو بنایا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا، فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔

ربط: پہلی سورت کی طرح اس سورت میں بھی قیامت اور جزا وسزا کے واقعات کا بیان ہے۔

تفسیر: (اذا السماء انفطرت ......) جب آسمان پھٹ جاویگا۔ اور پھٹ کرفنا ہو جاوے گا۔ اور یہ نفخہ اولی کے وقت ہوگا(۲)۔ جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے۔ اور جب دریا بہہ پڑیں گے۔ یعنی شور وشیریں، دریاؤں کے درمیان کی رکاوٹ ختم ہوکر وہ بہہ پڑیں گے، اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے، جیسا کہ "سُجِّرَتْ" کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ دونوں واقعے بھی نفخۂ اولی کے وقت ہوں گے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی۔ یعنی ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے، یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔ (عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ) تو ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ یہ اس کا لفظی ترجمہ ہے، بامحاورہ ترجمہ اوپر آچکا ہے، آگے بھیجنے سے مراد اس پر عمل کرنا ہے، اور پیچھے چھوڑنے سے مراد ترک عمل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے اس عمل کا جو اس نے کر لیا، اچھا ہو یا برا، اسی طرح اس عمل کا جو اس نے نہیں کیا؛ پتہ چل جاوے گا۔ (يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ ......) سورت کے شروع میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، وہ انسان سے اس کا تقاضہ کرتے ہیں، کہ انسان غفلت کو چھوڑے، اور ایمان وطاعت کو اختیار کر کے اپنے رب کو راضی کرے، اور آخرت کی تیاری کرے۔ لیکن اس کے باوجود انسانوں کا ایک طبقہ ہے، جو غفلت کی چادر اپنے اوپر تانے ہوئے ہے۔ حالانکہ

---

(۱) اعراب القرآن لمحی الدین: ۸/ ۲۲۸، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۲۵۷، اور روح المعانی سے ترکیب ماخوذ ہے۔

(۲) کمافی بیان القرآن۔

اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے ساتھ لطف وکرم اور فضل واحسان والا ہے کہ:- (۱) اس کو انسان بنایا (۲) اس کو درست کیا (یعنی اعضاء کو ٹھیک کیا) (۳) اس کو (مناسب) اعتدال پہ بنایا۔ (یعنی اعضاء اور مزاج واخلاط میں تناسب رکھا) (۴) جس صورت میں چاہا اس کو ترکیب دے دیا۔ یعنی جیسی صورت چاہی ویسی بنادی۔

اللغۃ: (اِذَا) اسم ظرف، مبنی علی السکون، اور زمانہ مستقبل کے لیے ہے، گرچہ فعل ماضی پر داخل ہو، جیسے "اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ" (جب خدا کی مدد پہونچے) اور زمانہ ماضی کے لیے بھی ہوتا ہے، جیسے "حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ" (یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہونچ گئے) اور کبھی استمرار کے لیے بھی آتا ہے، جیسے "اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا......" (پ:۱، ع:۲، ترجمہ: جب بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت مچاؤ، تو کہتے ہیں......) یعنی ان کی یہ عادت مستمرہ ہے اور عام طور پر یہ شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، اور شرط کے معنی سے مراد ایک جملہ کے مضمون کا دوسرے جملہ کے مضمون پر مرتب ہونا ہے۔ جیسے "اِذَا اجْتَهَدْتَ نَجَحْتَ فِی الاختبارِ" (جب تم محنت کروگے، تو امتحان میں کامیاب ہوجاؤگے) اور چونکہ شرط کے مناسب فعل ہے، اس لیے اس کے بعد میں فعل کا ہونا مختار ہے(۱)۔

جمہور کے نزدیک "اذا" ہمیشہ ظرف (مفعول فیہ) بنتا ہے۔ جواب یا جو جواب کے تحت واقع ہے، وہ اس میں عامل ہوتا ہے۔ اکثر نحویوں کا یہی قول ہے(۲)۔ تفصیلی کلام "اذا" کے سلسلہ میں احقر کی کتاب لغات القرآن وصرفہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(اِنْفَطَرَتْ) پھٹ جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب انفعال سے، مصدر "انفطار": پھٹنا، لمبائی میں ہو، یا چوڑائی میں۔ اکثر حضرات کا یہی قول ہے، اور امام "راغب" نے اس کے معنی لمبائی میں پھٹنا بیان کیے ہیں(۳)۔ (اَلْکَوَاکِبُ) کَوْکَبٌ بمعنی ستارہ کی جمع، اور اسم جامد۔ (اِنْتَثَرَتْ) جھڑ جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اِنْتِثَارٌ (افتعال): جھڑنا، سے۔ (فُجِّرَتْ) بہہ پڑیں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب تفعیل سے، فَجَرَ الْمَاءَ (ن) فَجْراً وَفُجُوْراً تَفْجِیْراً (تفعیل): بہانا البتہ "فَجَّرَ" بالتشدید میں "فَجَرَ" کے مقابلہ میں مبالغہ ہے۔ (اَلْقُبُوْرُ) قَبْرٌ کی جمع، (بُعْثِرَتْ): اکھاڑی جاویں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، بَعْثَرَ، یُبَعْثِرُ بَعْثَرَةً (رباعی مجرد): بکھیرنا، الٹ پلٹ کرنا، ایسا چونکہ اندر کی چیز کو نکالنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے کبھی تو یہ لفظ بول کر حقیقی اور لازمی معنی (نکالنا) دونوں مراد ہوتے ہیں، مذکورہ آیت میں یہی مراد ہے، کہ قبر کو الٹ پلٹ کر اس کے اندر دفن کیے ہوئے مردوں کو نکالا جائے گا۔ اور کبھی یہ لفظ بول کر اس کے لازمی معنی زندہ کرنا اور نکالنا، مراد ہوتے ہیں، جیسا کہ سورہ "عادیات" میں "اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ"(۴) میں یہی معنی مراد ہے(۵)۔

---

(۱) از شرح جامی ص/۲۳۰۔ وکافیہ۔ لیکن اس کے بعد فعل کا مختار ہونا بصریین کے یہاں ہے، نہ کہ کوفیین کے یہاں جیسا کہ "اذا الشمس کورت" کی ترکیب کے تحت گذرا۔ (۲) رضی:۳/۲۷۶۔ (۳) روح:۹/۱۳۹۔ پ:۱۶، ع:۹۔

(۴) عادیات ترجمہ: جب قبروں میں موجود مردوں کو نکالا جائے گا، یعنی زندہ کیا جاوے گا۔ (۵) روح:۱۵/۷۳۔

(قَدَّمَتْ) اس نے آگے کیا، آگے بھیجا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، قَدَّمَ تَقْدِیْمًا (تفعیل): آگے کرنا، آگے بھیجنا، سے۔ (اَخَّرَتْ) اس نے پیچھے چھوڑا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ اَخَّرَ تَاخِیْرًا (تفعیل): پیچھے کرنا، پیچھے چھوڑنا سے۔ (غَرَّ) دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، بھول میں ڈال رکھا ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، غَرَّہٗ (ن) غَرًّا وغُرُوْرًا: دھوکہ دینا، بیہودہ امید دلانا، سے۔ (الْکَرِیْمِ) فضل واحسان والا، صفت مشبہ، جمع: کِرَام، کَرُمَ (ك) کَرَمًا: فضل واحسان والا ہونا، سے۔ مزید تفصیل دیکھیے لغات القرآن وصرف میں۔ (سَوّٰی) درست بنایا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے، مصدر "تَسْوِیَۃ" ہے جس کے اصلی معنی ہے: برابر کرنا، برابر بنانا، پھر کبھی اس کا استعمال خلق وایجاد (پیدا کرنا) کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ "ونفس وماسوّٰھا" میں "سوّٰھا" اَنْشَاھا واَوْجَدَھا کے معنی میں ہے۔ اور اگر خلق وایجاد کے ساتھ اس کا استعمال ہو، جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے تو پھر ٹھیک ٹھیک یعنی بتقاضائے حکمت بنانا مراد ہوتا ہے(۱)۔

(عَدَلَ) اعتدال پر بنایا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، عَدَلَ (ض) عَدْلًا: برابر کرنا، معتدل بنانا۔ (صُوْرَۃٍ) اسم جامد، وہ شی جس کے ذریعہ اعیان (اشیاء کی ذوات) کا نقشہ اتارا جاتا ہے، اور اس سے اشیاء ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں۔ مثلاً زید اپنی صورت سے عمرو وغیرہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ اردو میں اس کو شکل اور پیکر کہا جاتا ہے(۲)۔ (رَکَّبَ) ترکیب دیا، جوڑ دیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب (تفعیل) سے، رَکَّبَہٗ تَرْکِیْبًا: ترکیب دینا، جوڑنا، بعض کو بعض پر رکھنا، سے۔

ترکیب: (اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ......) اس کی ترکیب اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کی طرح، اور اس کے معطوفات کی ترکیب اذا الشمس کورت کے معطوفات کی طرح ہے، (عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ) "اَخَّرَتْ" "قَدَّمَتْ" پر معطوف، اور باقی ترکیب عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ" کی طرح، اور جملہ "عَلِمَتْ......" اذا کا جواب، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (یٰۤاَیُّھَا الْاِنْسَانُ) "یا" حرف نداء، قائم مقام ادعو، (اَیُّ) منادی مبنی علی الضم محلا منصوب ادعو فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، (ھا) برائے تنبیہ، (اَلْاِنْسَانُ) صفت، یا بدل، یا عطف بیان، "اَیُّ" کا(۳)۔ اور جملہ (اَدْعُوْ) بالفاظ دیگر جملہ ندائیہ مستانفہ۔ (مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ) "ما" استفہامیہ بمعنی "اَیُّ شَیْءٍ" مبنی علی السکون، محلا مرفوع، مبتدا، (غَرَّ) فعل "ھو" ضمیر پوشیدہ راجع "ما" کی طرف محلا مرفوع فاعل، (بِرَبِّکَ) متعلق (الکریم) صفت، اور جملہ: "غَرَّکَ......" محلا مرفوع خبر "ما" کی، اور جملہ: "ماغرک" جواب ندا، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (الَّذِیْ) صفت ثانی رب کی، (خَلَقَکَ) صلہ (فَسَوّٰکَ) معطوف (خلقک) پر، (فَعَدَلَکَ) معطوف، (سَوّٰکَ) پر، (فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ)

---

(۱) روح: ۹/ ۳۹۹، پ: ۱۵، ع: ۱۷ تحت قولہ تعالیٰ: "ثُمَّ سَوّٰکَ رجلاً"۔ (۲) از لغات القرآن: ۳/ ۲۷۔

(۳) تینوں قول ہیں، اور اکثر حضرات صفت کے قائل ہیں۔ (رضی: ۲/ ۳۳۱)

رکّبَ کے متعلق ہے (ما شاء) "ما" زائدہ اور جملہ "شاء" محلاً مجرور صفت صُوْرَةٍ کی اور جملہ "رکّبک......" مستانفہ(۱)۔

فائدہ: "ایّ" اصل میں اگرچہ نکرہ ہے اس لیے کہ کل میں سے بعض غیر معین کے لیے موضوع ہے لیکن ندا کی وجہ سے معرفہ ہو چکا ہے لہٰذا یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ "ایّ" تو نکرہ ہے، "الانسان" معرفہ اس کی صفت کیسے بن سکتا ہے۔ (الہی زادہ علی الکافیہ ص۹۳)

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ ہرگز نہیں بلکہ تم جزا اور سزا کو جھٹلاتے ہو، وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ اور تم پر یاد رکھنے والے، كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ معزز لکھنے والے مقرر ہیں، يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں، اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے، وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے، يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ بدلے کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے، وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝ اور وہ اس سے باہر نہ ہوں گے، وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ بدلے کا دن کیسا ہے؟ ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ بدلے کا دن کیسا ہے؟ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ وہ ایسا دن ہے، جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لیے کچھ بس نہ چلے گا۔ اور تمام تر حکم اس دن اللہ ہی کا ہوگا۔

ربط و تفسیر: ماقبل میں انسان کی جو غفلت بیان کی گئی ہے، مذکورہ بالا آیات میں اسی غفلت و بھول پر زجر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: (کلا بل تکذبون الخ) (تم کو) ہرگز (مغرور) نہیں (ہونا چاہیے مگر تم اس اغترار و غفلت سے باز نہیں آتے) بلکہ (اس درجہ غافل ہو گئے ہو کہ) تم (خود) جزا و سزا (ہی کو) جس پر نظر کرنے سے انسان کی غفلت دور ہو اور اس کی آنکھیں کھل سکتی ہیں، جھٹلاتے ہو (اور یہ تمہارا جھٹلانا خالی نہ جاوے گا، اس لیے کہ ہماری طرف سے) تم پر (تمہارے سب اعمال کے) یاد رکھنے والے (فرشتے جو ہمارے نزدیک) معزز (اور تمہارے اعمال کے) لکھنے والے (ہیں) مقرر ہیں، جو تمہارے سب افعال (و حرکتوں) کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں۔ پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہوں گے، جن میں تمہاری تکذیب اور کفر بھی ہے، اور سب پر مناسب جزا ملے گی۔ جس کی تفصیل آگے ہے: (اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ......) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے، بدلے کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہوں گے۔ (بلکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) (وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ الخ) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ بدلے کا دن کیسا ہے؟ (اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ بدلے کا دن کیسا ہے؟ (اس میں خطاب عام انسان کو ہے اور مقصود استفہام سے اس دن کی ہولناکی اور عظمت کو بیان کرنا

---

(۱) ترکیب اعراب القرآن الکریم المدیح ۲۷۲/۳ اور اعراب القرآن و صرفہ ۴۷۸/۱۰ اور اس کے حاشیہ سے ماخوذ ہے۔

ہے۔ آگے جواب ہے): (يَوْمَ لَا تَمْلِكُ الخ) وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لیے کچھ بس نہ چلے گا، اور تمام تر حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔ یعنی کوئی شخص بااختیار خود کسی دوسرے کو محشر میں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی کی کوئی تکلیف کو کم کر سکے گا، اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی ہے، کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہوگی، جب تک اللہ تعالی کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں، اس لیے کہ اصل حکم کے مالک اللہ تعالی ہی ہیں، وہ ہی اپنے فضل سے کسی کی شفاعت کو قبول فرمالیں؛ تو وہ بھی اسی کا حکم ہے۔ (۱)

اللغۃ: (كَلَّا) اس کی تفصیل سورہ "نبأ" کے شروع میں آچکی ہے، اور یہاں یہ کلمہ انسان کی ماقبل میں جس غفلت کا تذکرہ ہوا ہے، اس سے زجر کے لیے ہے۔ (بَلْ) حرف اضراب واعراض ہے، اور جملہ پر دخول کی شکل میں یہ حرف عطف نہیں ہوتا ہے بلکہ حرف ابتدا ہوتا ہے، یعنی اس کے بعد نیا کلام آتا ہے۔ البتہ مفرد پر دخول کی صورت میں عاطفہ ہوتا ہے (۲)۔

یہاں (سورہ انفطار) میں "بل" کا دخول چونکہ جملہ پر ہے، لہٰذا یہ عاطفہ نہیں ہے، بلکہ حرف ابتداء ہے، اور جس جملہ سے اعراض وانتقال ہے، وہ مقدر ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "وَأَنْتُمْ لَا تَرْتَدِعُوْنَ عَنْ ذَالِكَ......" اور تم اس اغترار وغفلت سے باز نہیں آتے ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر جزا وسزا کی تکذیب کرتے ہو۔ (الدِّيْن) بدلہ بشکل جزا ہو یا بشکل سزا (۳) اصلاً مصدر ہے، دَانَ، دِيْنًا، دَيْنًا: جزاءً (بدلہ دینا) (۴) (حَافِظِيْنَ) یاد رکھنے والے، نگہبان، "حافظ" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی، حَفِظَ الشَّيْءَ (س) حِفْظًا: نگہبانی کرنا، حفاظت کرنا، وَالْعِلْمَ او الْكَلَامَ: یاد کرنا۔ (كَاتِبِيْنَ) لکھنے والے، کاتب اسم فاعل (بمعنی لکھنے والا) کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی، "كُتَّابٌ" اور "كَتَبَةٌ" بھی جمع آتی ہیں۔ كَتَبَ (ن) كَتْبًا، كِتَابًا، وكِتَابَةً: لکھنا۔ (تَفْعَلُوْنَ) تم کرتے ہو، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف، فَعَلَهُ (ف) فَعْلًا، وفِعَالًا: کرنا، (الْأَبْرَارَ) نیک، یا تو "بَرٌّ" صفت مشبہ کی جمع ہے، جیسے ارباب رب کی جمع ہے، یا "بَارٌّ" اسم فاعل کی جمع ہے، جیسے: صحاب صاحب کی جمع ہے، قرآن کریم اور شریعت کی زبان میں بررۃ" کا اطلاق فرشتوں کے لیے اور "ابرار" کا اطلاق نیک انسانوں کے لیے ہوتا ہے، (۵) "بَرَّ فُلَانٌ" (س) بِرًّا: نیک ہونا، فهو بَرٌّ"۔ (۶) (نَعِيْم) حسن وسکون، آسائش وآسودہ حالی، اصلاً مصدر ہے، نَعِمَ الرَّجُلُ وَنَعِمَ عَيْشُهُ (س) نَعْمًا، وَنَعْمَةً، وَنَعِيْمًا: خوش حال وآسودہ ہونا۔ (۷) (الْفُجَّارَ) فاجر اسم فاعل کی جمع، بدکار، دیکھیے سورہ عبس میں "الفجرۃ"۔ (يَصْلَوْنَ) وہ داخل ہوں گے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب (س) سے، صَلِيَ النَّارَ وَبِهَا (س) صَلًى وصِلِيًّا: آگ میں جلنا، آگ میں داخل ہونا (۸)۔ (غَائِبِيْنَ) الگ ہونے والے، غائب ہونے والے، "غائب" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری،

---

(۱) معارف القرآن ۶۸۸/۸۔ (۲) مغنی اللبیب ۱۱۲/۱۔ (۳) روح ۱۳۰/۱ سورہ فاتحہ۔ (۴) المعجم الوسیط ص ۳۰۷۔

(۵) روح: ۳۹/۱۵۔ (۶) بَرَّ فلانٌ (س): صلح، ضد فجر (المعجم الوسیط ص ۴۸)۔ (۷) المعجم الوسیط ص ۹۳۵۔ والقاموس الوحید ۱۶۷۴/۲۔ (۸) المعجم الوسیط ص ۵۲۳۔

غَابَ عَنِ الْبَلَدِ (ض) غَيْباً وَغَيْبَةً وَغِيَاباً، غائب ہونا، دور ہونا، سے۔ (ما ادراك) آپ کو کیا خبر؟ ادری: صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ عبس میں "ما یدریك"۔(۱) (النفس) اس کے شروع میں "لام" "استغراق" کے لیے ہے۔ (شیئاً) اسم جامد، ج: اشیاء، بمعنی چیز۔ (الامر) حکم، ج: اَوَامِر، امر بمعنی شیٔ ومعاملہ بھی آتا ہے، اس کی جمع "امور" آتی ہے۔ یہاں اول معنی میں استعمال ہوا ہے(۲)۔ اور اس کے شروع میں "ال" "استغراق" کے لیے ہے۔

ترکیب:۔ (كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ......) کلا) حرف ردع (بل) حرف اضراب وانتقال، (تکذبون) فعل با فاعل (بالدین) متعلق اور جملہ: (تکذبون) مستانفہ، واؤ حالیہ(۳)۔ (ان) حرف مشبہ بالفعل (علیکم) کائنون کے متعلق ہو کر خبر مقدم، (لحافظین) لام برائے تاکید (حافظین) اسم مؤخر، (کراما) صیغہ صفت، "هم" ضمیر پوشیدہ محلا مرفوع فاعل، صیغہ صفت اپنے فاعل سے مل کر صفت اول حافظین کی(۴)۔ (کاتبین) صفت ثانی (یعلمون ماتفعلون) "ما" اسم موصول مبنی علی السکون محلا منصوب مفعول بہ یعلمون کا، اور جملہ: "تفعلون" صلہ اور عائد محذوف، تقدیری عبارت "تفعلونہ" ہے۔ اور جملہ: "یعلمون......" محلا منصوب، صفت ثالث حافظین کی اور جملہ: "ان علیکم ......" محلا منصوب حال تکذبون کی ضمیر سے۔ (ان الابرار لفی نعیم) "لام" مزحلقہ (فی نعیم) کائنون کے متعلق ہو کر خبر ان کی، اور جملہ: "ان الابرار......" مستانفہ اور جملہ: "ان الفجار......" معطوف جملہ مستانفہ پر، لہذا معطوف علیہ کی طرح اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ (یصلونہا) (یصلون) فعل با فاعل "ها" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول فیہ یا مفعول بہ(۵) اور جملہ: "یصلونہا......" محلا مجرور صفت "جحیم" کی، یا محلا منصوب حال جحیم سے، یا "فی جحیم" کی اس ضمیر سے جو "فجار" کی طرف راجع ہے۔(۶) یا مستانفہ(۷)۔ (وماهم عنها بغائبين) واؤ حالیہ "ما" مشابہ بلیس (عنها)

---

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "قرآن کریم میں جس چیز کے متعلق "ما ادراك" فرمایا گیا ہے وہ تو آپ کو بتلا دی گئی ہے، اور جس چیز کے متعلق "ما یدریك" فرمایا گیا ہے وہ چیز آپ کو نہیں بتلائی گئی ہے۔ (روح: ۱۵/۷۶ ملتان)

(۲) الامر: کما قال فی "الکشف" واحد الأوامر۔ (مذکورہ)   (۳) استینافیہ کا بھی احتمال ہے۔

(۴) فائدہ: صفت کے تمام صیغے اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر ہی ماقبل کی صفت وغیرہ بنتے ہیں، ہر جگہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے۔ (زینی زادہ علی الکافیہ تحت اعراب لفظ "مفرد")

(۵) فائدہ: "دخلت" اور اس کے ہم معنی فعل مثلاً نزلت، سکنت وغیرہ کے مابعد کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ "مفعول فیہ" ہے" یا "مفعول بہ"۔ اصح قول ان کا "مفعول فیہ" ہونا ہے۔ (کافیہ) اور علامہ "رضی" نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (رضی: ۲/۱۵)۔

(۶) اصل ضمیر تو "کائنون" محذوف میں ہے، جس کے متعلق "فی جحیم" ہے، مگر چونکہ ظرف خبر کے قائم مقام ہے، اس لیے ضمیر بھی اس کی طرف منتقل ہو گئی ہے، اس لیے ظرف (فی جحیم) میں پوشیدہ ضمیر سے تعبیر کر دی گئی ہے۔

(۷) جو اس سوال کا جواب دینے کے لیے لایا گیا ہے کہ "فجار" کا دوزخ میں کیا حال ہوگا؟۔

غالبين کے متعلق "با" زائدہ (غالبين) لفظاً مجرور، محلاً منصوب خبر "ما" کی، اور جملہ: "ما هم......" محلاً منصوب حال "فی جحیم" کی ضمیر سے، جو فجار کی طرف راجع ہے۔ اور واؤ عاطفہ بھی ہوسکتی ہے، اس وقت جملہ: "ما هم......" کا عطف "یصلونها" پر ہوگا۔ (وما ادراك ما یوم الدین) واؤ استینافیہ، اور (ما ادراك) کی ترکیب سورہ "عبس" میں "ما یدریك" کی طرح (ما) اسم استفہام، مبنی علی السکون، محلاً مرفوع، مبتدا، (یوم الدین) خبر[1]۔ اور جملہ: "مایوم الدین......" محلاً منصوب ادری کے مفعول بہ ثانی کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اور جملہ: "ما ادراك ......" مستانفہ[2]۔ (ثم ما ادراك......) معطوف، پہلے جملہ پر۔ (یوم) منصوب اذکر فعل محذوف کا مفعول بہ یا "یُجْزَوْنَ" (انہیں بدلہ دیا جائے گا) فعل محذوف کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے۔ (لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ) (لنفس) لاتملك کے متعلق اور جملہ: "لاتملك......" محلاً مجرور مضاف الیہ یوم کا، اور جملۂ مقدرہ: "اذکر" یا (یجزون) یوم......" مستانفہ۔ (والامر) واؤ استینافیہ[3]، (الامر) مبتدا (یومئذٍ) اس کی ترکیب سورہ "نازعات" میں "قلوب یومئذٍ" میں یومئذٍ کی طرح ہوکر، مفعول فیہ کائناً محذوف کا، اور کائناً حال مبتدا سے[4] (لله) خبر، اور جملہ: "الامر......" مستانفہ[5]۔

(٨٣) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (٨٦)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۝ بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ۝ کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لیں۔ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ۝ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کردیں تو گھٹادیں۔ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ۝ کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں کہ وہ زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ۝ ایک بڑے سخت دن میں۔ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ

---

(١) مشہور یہی ہے اور اس کے برعکس بھی ترکیب جائز ہے کہ "ما" خبر مقدم اور "یوم الدین" مبتداء مؤخر۔ (شرح جامی)۔

(٢) مفعول بہ صرف معنی ہوگا، لفظاً نہیں، اس لیے کہ استفہام افعال قلوب اور ان کے ہم معنی افعال کو لفظی عمل سے رد کردیتا ہے؛ جس کو "تعلیق" کہتے ہیں۔ (کافیہ ص ر١٠٥)

(٣) واؤ کے حالیہ ہونے کا بھی احتمال ہے، اس وقت جملہ: "الامر......" لا تملك کے فاعل سے حال ہوگا اور رابط مقدر ہوگا۔ (اعراب القرآن وصرفہ، ١٥/٢٦٦)

(٤) ان لوگوں کے یہاں جو مبتداء سے حال ہونے کے قائل ہیں جیسے سیبویہ، مالکی (ابن مالک) اور علامہ رضی وغیرہ (کما فی زینی زادہ علی الکافیۃ، ص: ١٥ و النحو الوافی: ٢/٣٦٤ مع الحاشیۃ)، اور جن لوگوں کے یہاں فاعل یا مفعول بہ ہی سے حال ہوسکتا ہے، ان کے یہاں ثابت کی ضمیر سے حال ہوگا؛ جس سے لله متعلق ہے۔

(٥) ترکیب روح: ١٥/٧٥، و اعراب القرآن وصرفہ مع الحواشی: ١٥/٢٦٦، و اعراب القرآن لمحی الدین: ٨/٢٣٣ سے ماخوذ ہے۔

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ جس میں تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦ ہرگز نہیں بدکار لوگوں کا نامۂ عمل سجین میں رہے گا۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے۔ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨ وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔

ربط: پہلی سورت کی طرح اس سورت میں بھی اعمال کی جزا و سزا کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے حقوق العباد سے متعلق بعض اعمال (ناپ تول میں کمی کرنے) پر بطور خاص شروع سورت میں وعید کو بیان کیا گیا ہے۔ اور ان بعض اعمال کی تخصیص کی ایک وجہ تو ان کی اہمیت ہے، اور دوسری وجہ ان کا مقام کے مناسب ہونا ہے۔ اس لیے کہ مقام عدل کا بیان ہے اور ناپ تول میں کمی عدل میں مخل ہے(۱)۔

تفسیر: (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الخ) بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔ آیات کا مفہوم واضح ہے، البتہ دو باتیں سمجھ لینی چاہئے:- (۱) اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں ہے، لہذا یہاں اس کو لانے سے اس پر مذمت مقصود نہیں ہے، بلکہ کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے، یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم اور برا ہے، لیکن اس کے ساتھ اگر اپنا حق لیتے وقت دوسروں کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ برا ہے، بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اس میں ایک عیب ہے، تو ایک خوبی بھی تو ہے کہ دوسرے کی رعایت کرتا ہے، لہذا پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہے، اور چونکہ مقصود مذمت ہے کم دینے کی اس لیے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا گیا ہے، تاکہ خوب تصریح ہو جائے کہ ناپنے میں بھی کمی کرتے ہیں اور تولنے میں بھی، اور پورا لینا فی نفسہ برا نہیں ہے اس لیے وہاں ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور ناپ کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ عرب میں اور خصوصاً "مدینہ" میں زیادہ رواج کیل کا تھا(۲)۔

(۲) آیات کا مقصود یہ ہے کہ حقدار کو اس کا حق نہ دینا انتہائی مذموم اور مستحقِ وعید عمل ہے، کسی بھی طرح اس جرم کا ارتکاب کیا جائے ناپ تول میں کمی کر کے ہو یا عدد و شمار میں کمی کر کے، یا رائج شدہ کسی پیمانہ میں ہاتھ کی صفائی اور تکنیکی تصرف کر کے ہو حتی کہ آقا کا اپنے غلام کا، زوجین میں سے ایک دوسرے کے حقوق کو ادا نہ کرنا، نوکر دار کا نوکر و مزدور کو اس کا پورا حق نہ دینا اور ملازم کا ملازمت کے وقت میں وقت کا چرانا اور پورے وقت مقرر میں ڈیوٹی اور مفوضہ خدمت کو انجام نہ دینا؛ وغیرہ وغیرہ حق تلفی کی سبھی شکلیں بحکم تطفیف آتی ہیں۔ مگر چونکہ لین دین اور حقدار کے حق کی ادائیگی عام طور سے کیل اور وزن سے ہوتی ہے اس لئے کیل اور وزن میں کمی کرنے کا بطور خاص تذکرہ کیا گیا ہے(۳)۔

(اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ الخ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے۔ اس آیت میں اس طرح کے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے، کہ ان کو مذکورہ دن سے ڈرنا چاہئے، جس میں لوگوں کو اپنے خدا کے سامنے

---

(۱) از بیان القرآن: ۸۲/۱۲۔ (۲) از فوائد عثمانی: ص ۷۸۱۔ (۳) از معارف القرآن: ۶۹۳/۸۔

کھڑے ہو کر ناپ تول میں کمی اور تمام حرکتوں کے سلسلے میں حساب دہ ہونا ہے مومن چونکہ اس بعث وجزا کو حق گردانتے ہیں اور کافر انکار کرتے ہیں، اس لیے آگے ان کے انکار پر زجر و تنبیہ فرما کر فریقین کی جزا کی تفصیل بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: (كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ......) (جیسا کفار لوگ جزا و سزا کے منکر ہیں) ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا و سزا نہ ہو بلکہ جزا و سزا ضرور ہونی ہے، اور جن اعمال پر جزا و سزا ہونی ہے، وہ اعمال بھی محفوظ ہیں، ان ہی دونوں باتوں کا بیان اگلی آیت میں ہے کہ) بدکار (یعنی کافر) لوگوں کا نامۂ عمل سجین میں رہے گا۔ ("سجین" ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام کا نام ہے جہاں کفار و فجار کی روحیں رہتی ہیں، اسی میں ان کے اعمال نامے محفوظ کردیئے جاتے ہیں، آگے ڈرانے کے لیے سوال ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین (میں رکھا ہوا نامۂ عمل[1] کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے (نشان سے مراد مہر ہے جو انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامے پر لگا دی جاتی ہے، اور مہر لگانے کے بعد چونکہ کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا ہے اس لیے مقصود یہ ہے کہ اس اعمال نامے میں کوئی کمی بیشی اور تبدیلی نہیں ہوگی۔ پس حاصل یہ نکلا کہ اعمال محفوظ ہیں، جس سے جزا کا برحق ہونا ثابت ہوا)

اللغة: -(ویل) مصدر، لیکن اس سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں:- بڑی خرابی، ہلاکت، عذاب کی شدت، رسوائی، تفصیلی کلام لغات القرآن دمرفہ میں دیکھیے۔ (اَلْمُطَفِّفِيْنَ) ناپ تول میں کمی کرنے والے (المطفف) اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری، طَفَّفَ (تفعیل) تَطْفِيْفاً: ناپ تول میں کمی کرنا۔ (اِكْتَالُوْا) انہوں نے ناپ کرلیا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب افتعال سے، اِكْتَالَ مِنْهُ اِكْتِيَالاً: ناپ کرلینا، یہاں "من" کے بجائے "علی" کے ساتھ اس لیے استعمال ہوا ہے چونکہ اس میں "استیلاء" کے معنی کی تضمین ہے[2] اور استیلاء کا صلہ "علی" آتا ہے۔ (يَسْتَوْفُوْنَ) وہ پورا لیتے ہیں۔ صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب استفعال سے، استیفاء مصدر: پورا لینا، وصول کرنا۔ (كَالُوْا) انہوں نے ناپ کردیا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ كَالَهُ الطَّعَامَ وَكَالَ لَهُ الطَّعَامَ (دونوں طرح) (ض) كَيْلاً وَكَالاً: کیل سے ناپ کردینا۔ (وَزَنُوْا) انہوں نے تولا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، وَزَنَ الشَّيْءَ (ض) وَزْناً وَزِنَةً

---

(۱) سجین مذکورہ تفسیر کے مطابق چونکہ مقام کا نام ہے، لہٰذا اس سے متعلق سوال کے جواب میں کوئی مقام آنا چاہیے، لیکن یہاں جواب میں کتاب مذکور ہے جو مقام نہیں ہے، اس لئے بہت سے مفسرین نے کتاب مضاف پوشیدہ مانا ہے، اور تقدیری عبارت: "ما ادراک ما کتاب سجین" قرار دی ہے، اور یہ اضافت بہ تقدیر "فی" ہے، اس پوشیدہ مضاف کو سامنے رکھ کر حاصل ترجمہ کیا گیا ہے: "سجین میں رکھا ہوا نامۂ عمل" اس وقت جواب سوال کے مطابق ہو جائے گا۔ (حاشیہ بیان القرآن: ۱۲/۸۴، و روح المعانی: ۱۵/۸۲)

(۱) تضمین کہتے ہیں کسی فعل یا شبہ فعل کے معنی کا کسی دوسرے فعل یا شبہ فعل میں لحاظ کرنا، اور "متضمن فیہ" (جس میں تضمین کی گئی ہے) کو "مُتَضَمَّنْ" (جس کی تضمین ہوئی ہے) کا عمل دلانا (جامع الغموض شرح کافیہ: ۱/۵۹)۔

قولہ (یُخْسِرُوْنَ) وہ گھٹا دیتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب (افعال) سے۔ أَخْسَرَ الشَّيْئَ إِخْسَاراً (افعال) وَخَسَّرَهٗ (تفعیل): گھٹانا، کم کرنا۔ (أَلَا) کیا نہیں؟، اس کے شروع میں ہمزۂ استفہام(۱) اور "لا" نافیہ ہے، یہ وہ "الا" نہیں ہے: جو حرف تنبیہ ہوتا ہے۔ (لَا یَظُنُّ) گمان نہیں کرتے ہیں، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف۔ ظَنَّ الشَّيْءَ (ن) ظَنّاً: گمان کرنا، یقین کرنا۔ بعض مفسرین نے یقین کے معنی لئے ہیں، جب کہ بہت سے مفسرین نے اس کے معروف معنی (گمان کرنا) کو مراد لیا ہے(۲)۔ (أُولٰئِكَ) یہ لوگ، اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو مذکورہ صفت (تطفیف) کے ساتھ متصف ہیں۔ (مَبْعُوْثُوْنَ) وہ دوبارہ زندہ کئے جاویں گے، مبعوث اسم مفعول کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی۔ بَعَثَ اللّٰہُ الخلقَ بعد مَوْتِہِم (ف) بَعْثاً: دوبارہ زندہ کرنا۔ (عَظِیْمٍ) بڑا، یہاں بڑے سے مراد سختی میں بڑا ہونا ہے، اس لئے "یوم عظیم" کا ترجمہ سخت دن سے کیا گیا ہے۔ (النّاس) لوگ، اسم جامد انسان کی جمع یا اسم جمع، سیبویہ اور جمہور کے نزدیک اس کی اصل "أُنَاسٌ" ہے بروزن "فُعَال"،(۳) ہمزہ، نون، اور سین اصلی ہیں، اور الف زائد، "فا" کلمہ (ہمزہ) کو تخفیفاً حذف کردیا گیا "ناس" ہوگیا۔ نکرہ کی صورت میں ہمزہ کے حذف اور بلا حذف (أناس اور ناس) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اور معرف باللام کی صورت میں بلا ہمزہ کے (الناس) ہے۔ یہ "أُنْس" بمعنی مانوس ہونا، سے ماخوذ ہے، چونکہ انسان اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے، اس لیے واحد کو انسان اور جمع کو "الناس" کہتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر استعمال بنی آدم (آدم کی اولاد) میں ہوتا ہے، اور بعض عرب سے "أُناس من الجنِّ" بھی سنا گیا ہے؛ لیکن یہ استعمال قلیل اور بقول "ابوحیان" مجاز ہے۔(۴)

(کِتَاب) نامۂ عمل، کتاب اصلاً مصدر ہے باب (ن) سے، اور یہاں اسم مفعول "مکتوب" (لکھا ہوا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۵)۔ اور اس سے مراد اعمال نامہ ہے، جس کو مقررہ فرشتوں نے لکھا ہے۔ (سِجِّیْن) ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام کا نام ہے، جس میں فساق وفجار کی روحیں رہتی ہیں، اور "سَجْنٌ" (ن) بمعنی قید کرنا، سے ماخوذ ہے اور اصلاً فِعِّیْلٌ کے وزن پر صیغہ صفت ہے اور وہ جگہ چونکہ فساق وفجار کو قید کرنے اور محبوس کرنے والی ہے، اس لئے سجین اس کا علم قرار پایا۔(۶)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب لغات القرآن وصرف۔

ترکیب:۔ (ویل) مبتدا (للمطففین) خبر، اور جملہ: "ویل......" ابتدائیہ (الذین) صفت (اذا) ظرفیہ متضمن معنی شرط

---

(۱) اور یہ استفہام انکار وتعجیب (تعجب دلانا) دونوں کے لیے ہے، یعنی ان کا یقین نہ کرنا قابل تعجب ہے، اور ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس دن کا یقین کرنا چاہئے: یہ استفہام انکاری کا مفہوم ہے۔ (روح المعانی: ۱۵/۸۰)۔ (۲) بقول صاحب روح یہی اولی وابلغ ہے، اس لیے کہ یہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ قیامت (دوبارہ زندہ ہونے) کا خیال بھی ان لوگوں کو اگر ہوتا، تو اس طرح کی حرکت سے روکنے کے لیے کافی تھا؛ لیکن ان بدنصیبوں کو گمان وخیال تک بھی اس دن کا نہیں ہے۔ (روح المعانی: ۱۶/۱۲۵)۔ (۳و۴) روح المعانی: ۱/۲۳۲۔ پ: ۱، ع: ۲۔ (۵) روح: ۱/۱۷۵۔ پ: ۱، ع: ۱، و۱۶/۱۲۶۔ (۶) روح المعانی: ۱۶/۱۲۶، واعراب القرآن: ۸/۲۲۷، ومظہری: ۱۰/۲۱۹۔

محلاً منصوب مفعول فیہ اذا کے جواب کا، (على الناس) اكتالوا کے متعلق اور جملہ: "اكتالوا......" محلاً مجرور مضاف الیہ اذا کا (يستوفون) اذا کا جواب، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ شرط و جواب کا مجموعہ صلہ الذین کا (و اذا كالوهم او وزنوهم يخسرون) واؤ عاطفہ (اذا كالوا) "اذا اكتالوا" کی طرح "او" عاطفہ (وزنوا) فعل با فاعل، "هم" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب، مفعول بہ، اور جملہ: "وزنوا......" محلاً مجرور معطوف "كالوهم" پر "يخسرون" اذا کا جواب، اور "اذا كالوا......" اپنے جواب سے مل کر معطوف "اذا اكتالوا......" پر (الا يظن اولئك انهم مبعوثون) ہمزہ استفہام برائے انکار و تعجب، "لا" نافیہ "يظن" فعل "أولاءِ" اسم اشارہ مبنی علی الکسر، محلاً مرفوع فاعل، "کاف" حرف خطاب جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ (أَنَّهُمْ) انّ اور اس کا اسم، (مَبْعُوْثُوْنَ) صیغہ اسم مفعول "هم"(۱) ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع، نائب فاعل (ليوم) متعلق "مبعوثون" کے، اور جملہ: "انهم ......" بتاویل مفرد ہو کر محلاً منصوب "يظن" کے دو مفعولوں کے قائم مقام، اور جملہ: "ألا يظنُّ......" مستانفہ، (يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ) "يوم" بدل "ليوم" میں "يوم" سے اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے، اس لئے کہ مجرور معنی مفعول ہوتا ہے۔ یا مفعول بہ "اعنی" فعل محذوف کا۔ (لرب العالمين) "يقوم" کے متعلق، اور جملہ: "يقوم......" محلاً مجرور مضاف الیہ يوم کا (كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ) "كَلَّا" حرف ردع (كتاب الفجار) "انّ" کا اسم "لام" برائے تاکید (في سجين) خبر، اور جملہ: "ان كتاب الفجار ......" مستانفہ، (وما ادراك ماسجين) "واؤ" استینافیہ یا اعتراضیہ اور جملہ: "ما ادراك......" پہلی صورت میں مستانفہ، اور دوسری صورت میں معترضہ، (۲)(كِتَابٌ) خبر "هو" مبتدا محذوف کی، (۳)(مرقوم) صفت "كتاب" کی، اور جملہ: "(هو) كتاب......" مستانفہ بیانیہ۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ جو کہ بدلہ کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اور اس کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے، جو حد سے گذرنے والا ہو، مجرم ہو۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ اگلوں سے منقول بے سند باتیں ہیں۔ كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ہرگز ایسا نہیں، یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جاویں گے۔ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ پھر یہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ پھر کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

---

(۱) **فائدہ**: صفت کے تمام صیغوں میں غائب ہی کی ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے، متکلم اور مخاطب کی نہیں، تفصیل سورہ "کافرون" میں "لا انتم عابدون......" کے تحت آرہی ہے۔ (۲) تفصیلی ترکیب کے لئے دیکھئے سورہ "انفطار" میں "وما ادراك مايوم الدين" کی ترکیب۔ (۳) تفسیر کے مطابق یہی ترکیب ہے، اور بھی ترکیبیں کی گئی ہیں۔

ربط وتفسیر:۔ ماقبل میں اعمال کے محفوظ ہونے کو بیان کیا گیا ہے، جس سے جزاء کا برحق ہونا ثابت ہوا، اور مذکورہ آیات میں برے اعمال میں سے ایک انتہائی قبیح اور برے عمل (تکذیب) کی سزا اور اس پر قیامت میں پیش آنے والی خرابی اور تباہی کو بیان کیا گیا ہے(۱)۔ اور پھر یہ جتلایا گیا ہے کہ بدلہ کے دن کی تکذیب وہی شخص کرسکتا ہے، جس میں یہ تین صفتیں ہوں:۔ (۱) وہ حد عبدیت سے گزرنے والا ہو، (۲) وہ بڑا مجرم ہو، (۳) جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو، کہ یہ اگلوں سے منقول بے سند باتیں ہیں، یعنی قرآن اور نصیحت کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ ایسی بے سند باتیں لوگ پہلے سے کرتے چلے آئے ہیں، وہی پرانی کہانیاں، اور فرسودہ افسانے انہوں نے نقل کرلئے ہیں۔ اس کے بعد "یوم جزاء" کی تکذیب پر جو صراحۃً مذکور ہے، زجر وتنبیہ ہے کہ جیسا یہ لوگ اس کو غلط اور غیر واقع سمجھتے ہیں، ہرگز (ایسا) نہیں، بلکہ قیامت برحق ہے، اور اپنے وقت پر آئے گی، اور ایسا بھی نہیں کہ اس کی نفی کی ان کے پاس کوئی دلیل ہو، بلکہ (اصل وجہ تکذیب وانکار کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (لوہے پر زنگ چڑھ کر اس کو ختم کردیتا اور مٹی بنادیتا ہے، اسی طرح ان مکذبین کا حال ہے کہ دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے زنگ چڑھ گئے ہیں، اور ان زنگوں نے ان میں قبول حق اور بھلے برے کی تمیز کی استعداد وصلاحیت کو ختم کردیا ہے۔ اسی لیے حق بات، اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے دل پر زنگ لگتا ہے، اور اس زنگ کے اعتبار سے اس کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ آگے پھر اس انکار وتکذیب پر زجر وتنبیہ ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت نہیں ہوگی) (کَلَّا) ہرگز (ایسا) نہیں۔ اس کے بعد "ویل للمکذبین......" میں جس خرابی کا تذکرہ ہے، اس کی تفصیل ہے، (اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ) یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جاویں گے۔ اس سے بڑی خرابی، بدنصیبی اور محرومی کیا ہوسکتی ہے، کہ انسان اپنے خالق ومالک کے دیدار سے محروم ہوجائے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ مؤمنین اور اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ ورنہ پھر کفار کے محجوب ومحروم رہنے کا کوئی فائدہ نہیں(۲)۔ (الٰہی! ہمیں بھی یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائے گا) (ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ الخ) خرابی میں ایک چیز تو اوپر بیان کی گئی کہ یہ دیدار خداوندی سے محروم کردیئے جاویں گے، آگے اس کا بیان ہے کہ پھر (اسی پر بس نہیں ہوگا، بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہونگے، پھر (ان سے) کہا جاوے گا کہ یہی (وہ عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، آج وہ عذاب تمہیں گرفت میں لئے ہوئے ہے، لہٰذا اس کا مزہ چکھو۔ یہ کہنا ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہوگا، اور کہنے والے "خزنہ" (جہنم کے انتظام پر مسلط فرشتے) ہوں گے، یا اہل جنت۔ حاصل یہ کہ جس خرابی کا تکذیب کرنے والوں کو سامنا کرنا پڑے گا، وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی:۔ (۱) دیدار خداوندی سے محرومی (۲) دوزخ میں داخل ہونا

---

(۱) اس خرابی کی تفصیل "انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون" میں آرہی ہے۔ (۲) روح المعانی: ۲۹/۱۳۰۔

(۳) تکذیب پر ڈانٹ ڈپٹ۔

اللغة:- (مُعْتَدٍ) حد سے تجاوز کرنے والا، صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، باب (افتعال) سے۔ مصدر "اِعْتِدَاءٌ" ہے: حد سے تجاوز کرنا۔ (اَثِیْم) بڑا گنہ گار، فعیل کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے(۱)۔ اَثِمَ (س) اَثْمًا، اِثْمًا، اَثَامًا، مَاْثَمًا: گناہ کرنا، (تُتْلٰی) پڑھی جاتی ہیں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول، تَلَا الکتابَ (ن) تِلَاوَةً: پڑھنا۔ واضح ہو کہ تلاوت قراءت سے اخص ہے، اس لیے کہ وحی الٰہی کے پڑھنے کے لیے تلاوت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے(۲)۔ (اَسَاطِیْرُ) منقول بے سند باتیں، بے اصل واقعات، اِسْطَارٌ یا اِسْطِیْرٌ (دونوں میں ہمزہ کا کسرہ) یا اُسْطُوْرٌ کی جمع ہے نیز ان تینوں مفردوں کے آخر میں "ها" بھی منقول ہے، (اِسْطَارَةٌ، اِسْطِیْرَةٌ، اُسْطُوْرَةٌ بروزن اُفْعُوْلَةٌ) اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اَسْطَارٌ کی جمع ہے، جو سطر کی جمع ہے، لہٰذا یہ جمع الجمع ہے اور "اخفش" کی رائے یہ ہے کہ یہ "اَبَابِیْل" اور "مَذَاکِیْر" کی طرح ایسی جمع ہے جس کا کوئی مفرد نہیں اور "سطر" (ن) کے اصلی معنی تو لکھنا ہے، لیکن بعد میں اس کا استعمال مطلقاً نقل کرنے کے معنی میں ہونے لگا، خواہ وہ چیز لکھی ہوئی ہو یا نہ ہو(۳)۔ (الاولین) پہلے لوگ، اگلے لوگ، "الأول" کی جمع مذکر سالم بحالت جری اور "الأول" مشہور قول کے مطابق اسم تفضیل ہے، دلیل اس کی عربوں کا یہ قول ہے: "هٰذَا اَوَّلُ مِنْكَ" اس میں "مِنْ" کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسم تفضیل ہے۔ اور اس کی اصل "اَوْوَلُ" ہے واؤ اول کا ثانی میں ادغام کردیا گیا، اَوَّلُ ہوگیا۔ مادہ "وَوَل" ہے۔ لیکن اس کا فعل استعمال نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ تتبع وتلاش سے ایسا کوئی فعل نہیں ملتا ہے، کہ جس کا "فا" اور عین کلمہ واؤ ہو(۴)۔ (رَانَ) زنگ چڑھ گیا ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب (ض) سے۔ رَانَ علیه الذَّنْبُ (ض) رَیْنًا، رُیُوْنًا: زنگ لگنا، غالب آنا، گھیر لینا(۵)۔ (کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ) وہ کرتے تھے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی استمراری مثبت معروف، کَسَبَ (ض) کَسْبًا: کمائی کرنا، نفع کے لئے کوئی کام کرنا، نتیجہ اچھا نکلے، یا برا(۶)۔ (مَحْجُوْبُوْنَ) انہیں روک دیا جاویگا۔ "مَحْجُوْبٌ" اسم مفعول کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی، حَجَبَهٗ (ن) حَجْبًا: روک دینا، سے۔ (صَالُوْ) داخل ہونے والے، "صالو" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم، بحالت رفعی۔

اور مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، سورہ "انفطار" میں "یصلونها"۔

ترکیب:- (وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ، الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ) (ویل) مبتدا، (یومئذٍ) ویل کا ظرف(۷)

---

(۱) صاحب "روح" کی تفسیر: "کفور الاثم" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صیغہ مبالغہ ہے بلکہ جلد: ۸۴/۳، پر "لا یحب کل کفار اثیم" کے تحت اس کے صیغۂ مبالغہ ہونے کی صراحت بھی کی ہے، البتہ اعراب القرآن وصرفہ: ۸۵/۲ پر اس کو صفت مشبہ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۲) لغات القرآن: ۱۷۹/۲۔ (۳) من الروح: ۱۸۳/۵۔ واعراب القرآن وصرفہ: ۱۱۵/۴، وحاشیہ بیان القرآن: ۸۵/۳، پ: ۷، ع: ۹۔ (۴) روح: ۲۸۸/۱، پ: ۱، ع: ۵۔ (۵) روح: ۱۳۹/۱۶۔ (۶) لغات القرآن ۱۳۹/۵۔ (۷) اعراب القرآن، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ "ویل" اصلاً مصدر ہے لہٰذا ظرف اس کے متعلق ہوسکتا ہے۔

یا ثابت محذوف کا ظرف، جس کے متعلق للمکذبین ہے، جیسا کہ "قلوب یومئذ واجفة" (۱) میں "یومئذ" واجفة (خبر) کا ظرف ہے، اور "اعراب القرآن وصرفہ" میں اس کو "یَوْمَ یَقُوْمُ الخ" سے بدل مانا ہے۔ (للمکذبین) خبر، اور جملہ: "ویل ......" مستانفہ۔ (الذین) صفت (یکذبون) صلہ (بیوم الدین) متعلق (وَمَا یُکَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ) واؤ حالیہ، یا استینافیہ، "ما" نافیہ، "الا" حرف استثناء ملغی، (کُلُّ مُعْتَدٍ) فاعل، (اَثِیْمٍ) صفت معتدٍ کی، اور جملہ: "مایکذب ......" محلا منصوب، حال "یوم الدین" سے، یا مستانفہ۔ (اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ) "اذا" ظرفیہ متضمن معنی شرط محلا منصوب، مفعول فیہ جواب یعنی "قال" کا، اور جملہ "تتلیٰ ......" محلا مجرور مضاف الیہ (قال) فعل بافاعل، اور جملہ جواب "اذا" کا، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ) خبر "ھی" مبتدا محذوف کی، اور جملہ: "(ھی) اساطیرُ ......" محلا منصوب قال کا مقولہ۔ (کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ) "کَلَّا" حرف ردع، "بل" حرف اضراب وانتقال، (علی قلوبهم) متعلق، "ما" اسم موصول محلا مرفوع، فاعل رَانَ کا، "کانوا" صلہ، اور جملہ: "یکسبون" محلا منصوب خبر کانوا کی، اور جملہ: "ران ......" مستانفہ۔ (کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ) (عن ربهم) محجوبون کے متعلق، (یومئذٍ) محجوبون کا ظرف اور جملہ: "انهم ......" مستانفہ، (ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ) ثم حرف عطف اور جملہ: "انهم ......" معطوف جملہ: "انهم عن ربهم ......" پر۔ (ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ) هذا مبتدا، (الذی) محلا مرفوع خبر، (کنتم) صلہ، (به) (تکذبون) کے متعلق، اور جملہ: "تکذبون ......" محلا منصوب خبر کنتم کی، اور جملہ: "هذا ......" محلا مرفوع یقال کا نائب فاعل، اور اگر نائب فاعل پوشیدہ ضمیر ہو، جس کا مرجع "معتدٍ اثیم" ہو، تو یہ جملہ محلا منصوب ہوگا، مقولہ ہونے کی وجہ سے اور جملہ: "یقال ......" معطوف جملہ مستانفہ پر۔

> كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِى عِلِّيِّينَ ۝ ہرگز ایسا نہیں، بیشک نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا۔ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے۔ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝ وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے يَشْهَدُهُ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝ جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِى نَعِيمٍ ۝ بیشک نیک لوگ بڑے آرام میں ہوں گے عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ۝ مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے۔ تَعْرِفُ فِى وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ ٱلنَّعِيمِ ۝ اے مخاطب! تو ان کے چہروں میں آرام کی تازگی پہچانے گا۔ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ۝ ان کو پینے کے لیے مہر لگی ہوئی خالص شراب ملے گی، خِتَٰمُهُۥ مِسْكٌ ۚ وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ ۝ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔ وَمِزَاجُهُۥ مِن تَسْنِيمٍ ۝ اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝ یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

ربط وتفسیر:- کفار ومشرکین بدلہ کے دن کی تکذیب میں جیسے اپنے لئے سزا کے منکر تھے، اسی طرح مومنین

---

(۱) "نازعات" آیت: ۸۔

کے لئے جزا کے منکر تھے۔ مذکورہ بالا آیات میں اسی پر زجر وتنبیہ ہے کہ جیسا کفار ومشرکین سمجھتے ہیں کہ مؤمنین کو ایمان اور نیک اعمال کی جزا نہیں ملے گی ہرگز ایسا نہیں (بلکہ ان کو جزا ملے گی، جس کا بیان یہ ہے کہ) نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا، ’’علیین‘‘ ساتویں آسمان میں ایک مقام کا نام ہے، جہاں مؤمنین کی روحیں رہتی ہیں (۱)۔ اور نیک لوگوں کا نامۂ عمل بھی اسی میں رکھ دیا جاتا ہے، آگے نامۂ عمل کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے سوال ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ عمل (۲) کیا چیز ہے؟ وہ ایک نشان کیا ہوا ہے، دفتر ہے، جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں ۔ ’’روح المعانی‘‘ میں عبد بن حمید کی تخریج سے حضرت کعب کی روایت ہے کہ جب ملائکہ مؤمن کی روح کو قبض کر کے لے جاتے ہیں، تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ کر اس روح کو رکھ دیتے ہیں، اور پھر عرض کرتے ہیں کہ ہم اس کا نامۂ عمل دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ نامۂ عمل کھول کر رکھ دیا جاتا ہے۔ (۳) ظاہر ہے مقرب فرشتوں کا نامۂ عمل کو دیکھنے کی خواہش کرنا اور پھر اس کو دیکھنا، یہ مؤمن کے لیے انتہائی اعزاز واکرام ہے۔ اس کے بعد مؤمنین کے بدلہ کا بیان ہے کہ: بیشک نیک لوگ بڑی آسائش (آرام) میں ہوں گے، مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے، یعنی مسہریوں پر بیٹھ کر بہشت کے عجائبات دیکھتے ہوں گے، نیز دیدار الٰہی سے سرفراز ہوں گے۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ الخ (اے مخاطب) تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔ جب کوئی آدمی راحت وآرام، فارغ البالی اور خوش حالی میں ہوتا ہے، تو اس کا چہرہ تروتازہ اور بارونق نظر آتا ہے، اور اس تازگی سے یہ پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص آسائش وآرام میں ہے، اسی طرح جنتیوں کے چہرے ایسے بارونق اور تروتازہ ہوں گے، کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان جائے گا، کہ یہ لوگ نہایت عیش وتنعم میں ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ: ان کو پینے کے لئے مہر لگی ہوئی خالص شراب ملے گی، یعنی جن برتنوں، اور شیشوں میں وہ شراب خالص ہوگی، ان پر مہر لگی ہوگی، دنیا میں تو یہ مہر حفاظت کی غرض سے لگائی جاتی ہے، چنانچہ سامان کی مہر دیکھ کر اس کے تصرف سے محفوظ ہونے کو سمجھ لیا جاتا ہے، لیکن جنت میں اس شراب میں کسی قسم کے تصرف، اور خیانت کا امکان نہیں ہے، اس لیے یہ مہر حفاظت کے لیے نہیں ہوگی، بلکہ ابرار (نیک لوگوں) کے اکرام کے لئے ہوگی، اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دستور ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر کرتے ہیں، اور ایسی چیز کو ’’طین ختام‘‘ کہتے ہیں؛ وہاں شراب کے برتن پر مشک لگا کر مہر کردی جاوے گی۔

(وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ) اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہئے ’’ذالك‘‘ کا مشار الیہ، ’’رحیق مختوم‘‘ (مہر لگی ہوئی خالص شراب) بھی ہوسکتی ہے، اور نیک لوگوں کے مذکورہ احوال (آسائش میں

---

(۱) ابن کثیر:۴/۴۸۶۔ (۲) ’’علیون‘‘ سے پہلے ’’کتاب‘‘ مضاف پوشیدہ ہے، ’’وما ادراك ما سجین‘‘ کی طرح، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے، لہٰذا اب یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ ’’علیین‘‘ ایک مقام کا نام ہے، اور جواب میں کتاب مذکور ہے، جو مقام نہیں ہے، لہٰذا سوال وجواب میں مطابقت نہیں۔ (۳) روح المعانی:۱۶/۱۳۱۔

ہونا، مسہریوں پر بیٹھ کر جنت کے عجائبات دیکھنا، چہروں میں آسائش کی بشاشت کا ہونا اور مذکورہ شراب کا پلایا جانا) بھی ہوسکتا ہے[1]۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ حرص وشوق ورغبت کے لائق مذکورہ شراب، یا نعمتیں ہیں۔ نہ کہ دنیا کی ناپاک شراب، اور اس کی ناپاک اور فانی لذتیں، جن کے پیچھے دنیا دوڑ رہی ہے، اور ظاہر ہے جنت کی ان نعمتوں کے حصول کا ذریعہ نیک اعمال ہیں، اس لیے نیک اعمال کا اہتمام اور ان کی سعی کرنی چاہئے۔ یہ بات بطور جملہ معترضہ کے آگئی، آگے پھر اس شراب کے بارے میں کلام ہے:۔ "وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ، عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ" اور اس شراب کی آمیزش "تسنیم" کے پانی سے ہوگی (عرب عموماً شراب میں پانی ملا کر پیتے ہیں، وہاں اس شراب میں آمیزش کے لئے "تسنیم" کا پانی ہوگا، آگے "تسنیم" کی وضاحت ہے) یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔ اللہ کے مطیع بندوں میں دو طبقے ہیں، ایک مقربین کا، جس کو سابقین بھی کہا جاتا ہے، دوسرا اصحاب الیمین (دائیں والوں) کا جن کو اس آیت میں ابرار کہا گیا ہے۔ مقربین کو تو اس چشمہ کا پانی پینے کو ملے گا، اور ابرار (اصحاب الیمین) کو شراب میں ملا کر ملے گا۔

(كذا في الدر المنثور)

اللغۃ:۔ (عِلِّيُّوْنَ) ساتویں آسمان میں ایک مقام کا نام جہاں نیک لوگوں کی روحیں رہتی ہیں۔

صرفی تحقیق:۔ یہ بروزن "فِعِّيل" عِلِّيٌّ، صیغہ مبالغہ کی جمع سے منقول ہے، اور اعراب اس کا جمع مذکر سالم کی طرح ہے۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ مقام بہت اونچا ہے اس لئے کہ ساتویں آسمان میں ہے[2]۔ مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔ (يَشْهَدُ) دیکھتے ہیں، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، شَهِدَ الْمَجْلِسَ (س) شُهُوْدًا: حاضر ہونا، لفظی ترجمہ "يشهده المقربون" کا ہوگا۔ مقرب فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، دیکھتے ہیں، جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ مرادی ترجمہ ہے۔ اس لئے کہ جو آدمی کسی چیز کے پاس حاضر وموجود ہوتا ہے، وہ اس کو دیکھتا ہے۔ (حاشیہ بیان القرآن) (عَلَى الْأَرَائِكِ) مسہریاں، اسم جامد اریکۃ کی جمع ہے، وہ تخت جس کو پردہ ڈال کر دلہن کے لئے سجایا گیا ہو۔ اگر اس پر پردے نہ ہوں تو اس کو اریکۃ نہیں کہتے ہیں۔ (تَعْرِفُ) تو پہچانے گا، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف "عَرَفَ الشَّيْءَ (ض) مَعْرِفَةً وَعِرْفَانًا: پہچاننا۔ (نَضْرَةَ) رونق، بشاشت، تروتازگی، مصدر، نَضُرَ (ن) نُضُوْرًا، وَنَضْرَةً ونَضِر (س) نَضَرًا: رونق اور تروتازگی والا ہونا، بشاشت والا ہونا۔ (يُسْقَوْنَ) ان کو پلایا جائے گا، پینے کے لئے دیا جائے گا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مضارع مثبت مجہول سَقَاهُ (ض) سَقْيًا: (ض) پلانا، سے۔ (رَحِيقٍ) اسم جامد، بقول "خلیل" "سب سے عمدہ شراب، اور اخفش، وزجاج کے قول کے مطابق ملاوٹ سے پاک شراب، جس کی مختصر تعبیر

---

[1] "في ذلك" إشارة إلى الرحيق، وهو الأنسب بما بعده، أو إلى ما ذكر من أحوالهم، وما فيه من معنى البعد للإشعار بعلو مرتبته وبعد منزلته. (روح المعاني: ۳۰/ ۲۷۳۔)

[2] اعراب القرآن: ۴/ ۱۰۵۳، وروح المعانی: ۳۰/ ۲۷۱۔

خالص شراب ہے(۱)۔

(مَخْتُوْم) سربمہر (جس کے اوپر مہر لگی ہوئی ہو) صیغہ واحد مذکر، بحث اسم مفعول، خَتَمَ الشَّيْءَ وعليه (ض) خَتْمًا، وخِتَامًا: مہر لگانا، سے۔ (خِتَام) جس سے مہر لگائی جائے، اسم آلہ (کمافی الروح:۱۶/۱۳۳) (مِسْكٌ) مشک، اسم جامد۔ (فَلْيَتَنَافَسِ) حرص کرے، بڑھ چڑھ کر رغبت کرے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث امر غائب معروف، تَنَافَسَ تَنَافُسًا (تفاعل): بڑھ چڑھ کر کسی چیز کی رغبت کرنا، حرص کرنا، کسی نفیس چیز کو لینے کے لئے ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔

فائدہ: لام امر مکسور ہوتا ہے، مگر یہ کہ اس سے پہلے حروف عاطفہ میں سے واؤ، فا یا ثم آجائے تو ساکن بھی ہو جاتا ہے جیسے: "وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰی" "فَلْيَضْحَكُوْا" "ثُمَّ لْيَقْضُوْا"(۲)۔ یہاں لام امر سے پہلے "فا" ہے اس لئے "فليتنافس" کا لام ساکن ہے۔ (مِزَاج) اسم آلہ،(۳) ملانے کی چیز، آمیزش، ملونی مَزَجَ الشَّرَابَ ونحوَه (ن) مَزْجًا: ملانا۔ (تَسْنِيْم) جنت میں ایک متعین چشمہ کا نام، اصلاً یہ مصدر ہے سَنَّمَهُ، تَسْنِيْمًا، (تفعیل): بلند کرنا۔ اس کی مختلف وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ جنت کے مشروبوں میں سب سے اعلیٰ مشروب ہے۔ (عَيْنًا) اسم جامد چشمہ، جمع عُيُوْنٌ۔ (يَشْرَبُ) پئیں گے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث مضارع مثبت معروف، شَرِبَ الْمَاءَ ونحوَه (س) شُرْبًا: پینا۔ (اَلْمُقَرَّبُوْنَ) المقرب اسم مفعول کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی، قریب کئے ہوئے (بندے) قَرَّبَهُ مِنْهُ وَاِلَيْهِ وَقَرَّبَهُ عِنْدَهُ (تفعیل): کسی کو اپنے قریب کرنا، مقرب بنانا۔

ترکیب:۔ (كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ الخ) اس کی ترکیب "کلا ان کتاب الفجار" تا "کتاب مرقوم" کی طرح ہے۔ (يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ) (المقربون) فاعل "ھا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ اور جملہ محلاً مرفوع صفت ثانی کتاب کی(۴)۔ (اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ) جملہ مستانفہ بیانیہ(۵) تفصیلی ترکیب سورہ "انفطار" میں دیکھیں۔ (عَلَى الْاَرَآئِكِ) يَنْظُرُوْنَ کے متعلق، اور جملہ: "ینظرون" محلاً منصوب حال ثابتون کی ضمیر سے جس سے "فی نعیم" متعلق ہے۔ (تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ) (فی وجوههم) متعلق تعرف کے، (نضرة النعیم) مفعول بہ، اور جملہ: "تعرف......" حال

---

(۱) روح المعانی:۱۶/۱۳۳، وحاشیہ بیان القرآن:۱۲/۸۴، بحوالہ "القاموس" واعراب القرآن وصرفہ:۱۵/۲۷۵۔

(۲) شرح جامی: (۳۰۴) لیکن واؤ اور فا کے بعد "ثم" کے مقابلہ میں لام کا ساکن ہونا زیادہ ہے۔ (رضی ۴/۸۷)

(۳) روح المعانی:۱۶/۲۶۴، سورہ "دھر" اور لغات القرآن:۵/۳۶۳، میں مصدر لکھا ہے۔

(۴) روح المعانی:۱۶/۱۳۶۔

(۵) جملہ مستانفہ بیانیہ، چونکہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی سوال مقدر کے جواب میں ہے، سوال یہ ہے کہ نیک لوگوں کے نامۂ عمل کا حال تو بیان کر دیا گیا، لیکن خود ان کا کیا حال ہوگا؟ اس کو بیان نہیں کیا گیا، اس کا جواب اس جملہ سے دیا گیا ہے۔ (روح المعانی: ۱۶/۱۳۲)

خبر، یعنی فی نعیم کی ضمیر سے۔ (۱) اسی طرح جملہ: "یُسْقَوْنَ......" ہے۔ اور چونکہ ان سب کا ذوالحال ایک ہے، لہٰذا یہ احوال مترادفہ ہوئے۔ (مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ) یسقون کے متعلق (خِتَامُهٗ) مبتدا، (مِسْكٌ) خبر، اور جملہ: "ختامه......" محلاً مجرور صفت ہے "رحیق" کی۔ (وفي ذلك فليتنافس المتنافسون) "واؤ" اعتراضیہ، (في ذالك) ليتنافس کے متعلق، (لام) لام امر کا "شرط مقدر کے جواب میں۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: إِنْ أُرِيْدَ تَنَافُسٌ، فَلْيَتَنَافَسْ ......" (المتنافسون) فاعل، اور جملہ: "يتنافس ......" محلاً مجزوم، شرط مقدر کا جواب اور جملۂ شرط مقدرہ: "ان اريد تنافس" معترضہ۔ (ومزاجه) واؤ عاطفہ، (مزاجه) مبتدا، (من تسنيم) خبر، اور جملہ محلاً مجرور معطوف "ختامه مسك" پر۔ (عَيْنًا) مفعول بہ فعل محذوف أَعْنِيْ یا أَمْدَحُ کا۔ اور جملہ: (أَعْنِيْ عَيْنًا") مفسرہ، (يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ) (بها) "با" زائدہ، اور معنی ہے: "عينا يشربها" لہذا کسی کے متعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حرف زائد کسی کے متعلق نہیں ہوتا ہے۔ اور "من" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، ای: عَيْنًا يَشْرَبُ مِنْهَا " اس وقت یشرب کے متعلق ہوگا، اور جملہ: "يشرب......" محلاً منصوب صفت عینا کی (۲)۔

إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے۔ وَإِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝ اور جب ان کے سامنے سے ہوکر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ وَإِذَا انْقَلَبُوْا إِلٰى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے جاتے۔ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْا إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَالُّوْنَ ۝ اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہے۔ وَمَا أُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ حالانکہ یہاں پر نگرانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ مسہریوں پر دیکھ رہے ہوں گے۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ واقعی کافروں کو ان کے کیے کا خوب بدلہ ملا۔

ربط وتفسیر: - ماقبل میں فریقین (ابرار وفجار) کی اخروی جزاء کا الگ الگ بیان تھا، اور مذکورہ بالا آیات میں فریقین کا ایک ساتھ دنیا و آخرت کا حال مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: -

(إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ......) جو لوگ مجرم (کافر) تھے وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیرا) ہنسا کرتے تھے کہ ان بیوقوف مسلمانوں کو کیا خیال دامنگیر ہوا ہے کہ محسوس وموجود لذتوں کو جنت کی خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑ رہے ہیں۔) اور جب (یہ ایمان والے) ان (کافروں) کے سامنے سے ہوکر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں

---

(۱) "فی نعیم" کی ضمیر سے حال ہونے کا مطلب "ثابتون" کی ضمیر سے حال ہونا ہے، لیکن چونکہ عامل کو حذف کردیا گیا ہے، اور ظرف اس کے قائم مقام ہوگیا ہے، اس لئے ظرف کی طرف ضمیر کی نسبت کردی گئی ہے۔ اس طرح کے دیگر مقامات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے۔

(۲) ترکیب روح المعانی: ۲۰/۱۲۵، و اعراب القرآن وصرفہ: ۱۰/۱۲۸ سے ماخوذ ہے۔

سے اشارہ کرتے تھے (کہ دیکھو یہی بے عقل اور احمق لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے کو جنت کے اُدھار پر دنیا کے نقد سے محروم کر رکھا ہے۔) اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے جاتے مطلب یہ کہ مسلمانوں کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں حالتوں میں ان کافروں کو انہی کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ رہتا تھا، البتہ مسلمانوں کی موجودگی میں اشارے چلا کرتے تھے، اور غیر موجودگی میں صراحۃً تذکرہ کرتے تھے، جس کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا الخ اور جب (یہ کفار) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہے (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے، یعنی ان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیوں ان مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے؟ یہ تو اس وقت ہوتا جب کہ ہماری طرف سے ان کو ان نگرانی کرنے والا بنا کر بھیجا جاتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، معلوم ہوا کہ ان سے دو غلطی سرزد ہوئیں:- (۱) اہل حق کے ساتھ استہزاء (۲) اپنی اصلاح سے غفلت و بے فکری۔ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ الخ) سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے مسہریوں پر بیٹھے (ان کا برا حال) دیکھ رہے ہوں گے ("درمنثور" میں حضرت "قتادہ" سے منقول ہے کہ جنت میں کچھ دریچے ایسے ہوں گے، جن سے جنتی جہنیوں کو دیکھ سکیں گے۔ پس ان کا یہ برا حال دیکھ کر بطور انتقام ہنسیں گے۔) آگے اس سزا کی تقریر ہے: (هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ) واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

اللغۃ:- (اَجْرَمُوْا) انہوں نے جرم کیا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اِجْرَامٌ (افعال): جرم کرنا گناہ کرنا، سے۔ (يَضْحَكُوْنَ) وہ ہنستے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، ضَحِكَ (س) ضِحْكاً، وضَحِكاً: ہنسنا، ومنه وبه: مذاق اڑانا، ٹھٹھا کرنا۔ (مَرُّوْا) وہ گذرتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، مَرّ فلاناً وبه، وعليه (ن) مَرّاً، ومُرُوْراً، ومَمَرّاً: گذرنا، سے۔ يَتَغَامَزُوْنَ) وہ آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو آنکھ مارتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف؛ باب (تفاعل) سے۔ تَغَامَزَ الْقَوْمُ تَغَامُزاً: آنکھوں یا ہاتھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرنا۔ (اِنْقَلَبُوْا) جاتے ہیں وہ، واپس ہوتے ہیں وہ، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اِنْقَلَبَ اِلَيْهِ اِنْقِلَاباً، (انفعال) لوٹنا، واپس ہونا، سے۔ (فَكِهِيْنَ) مذاق بنا کر مزے اڑانے والے، یا دل لگی کرنے والے، فَكِهٌ، صفت مشبہ کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی۔ فَكِهَ الرَّجُلُ (س) فَكْهاً، وفَكَاهَةً: مذاق بنا کر مزے اڑانا، دل لگی کرنا، آرام پانا، مزے لینا(۱)۔ (ضَالُّوْنَ) بہکے ہوئے، بھٹکے ہوئے، غلطی پر، ضَالٌّ اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی، ضَلَّ (ض) ضَلاًّ، ضَلَالاً، وضَلَالَةً وضَلَّ (س) ضَلَلاً، وضَلَالَةً: گمراہ ہونا، بھکنا، غلطی پر ہونا(۲)۔ (مَا اُرْسِلُوْا) نہیں بھیجے گئے وہ، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی

---

(۱) از لغات القرآن: ۵/۳۵۔ (۲) کما فی قولہ تعالیٰ: "ان ابانا لفی ضلال مبین" (یوسف، ع:۲) فی الروح: ۷/۱۹۰، ای: خطا فی الرای: بلاشبہ ہمارے والد کھلی غلطی میں ہے۔

مطلق منفی مجہول، باب (افعال) سے مصدر "ارسال": بھیجنا۔ (حَافِظِیْنَ) نگہبان، حافظ اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی، حَفِظَ الشَّیْءَ (س) حِفْظًا: نگہبانی کرنا، حفاظت کرنا۔ (اٰمَنُوْا)(۱) ھل حرف استفہام ہے، اور استفہام چونکہ تقریری ہے،(۲) اس لئے ترجمہ کیا گیا ہے: "واقعی کافروں کو خوب بدلہ ملا"۔ (ثُوِّبَ) بدلہ دیا گیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب تفعیل سے۔ ثَوَّبَهٗ تَثْوِیْبًا (تفعیل) وَاَثَابَهٗ اِثَابَةً (افعال): بدلہ دینا، اچھے عمل کا ہو یا برے کا، ویسے اس لفظ کا استعمال اچھے عمل کے بدلہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ اس مشہور استعمال کو سامنے رکھ کر کہا جائے گا کہ کفار کو بدلہ دینے کے لئے "ثُوِّبَ" کا استعمال تہکم (ٹھٹھا اور مذاق کرنے) کے طور پر ہوا ہے۔ جیسا کہ "فبشرھم بعذاب الیم" میں تبشیر کا استعمال اسی کے پیش نظر ہوا ہے(۳)۔

ترکیب:- (اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا الخ) (ان الذین) "اِنَّ" اور اس کا اسم، (اَجْرَمُوْا) صلہ، اور جملہ: "کانوا ..." محلًا مرفوع، خبر "ان" کی، (مِنَ الَّذِیْنَ) متعلق یضحکون کے (امنوا) صلہ، اور جملہ: "یضحکون ..." محلًا منصوب خبر "کانوا" کی اور جملہ: "ان الذین اجرموا ..." مستانفہ (واذا مروا بھم) واؤ عاطفہ، (اذا مروا) اذا اکتالوا کی طرح، (یَتَغَامَزُوْنَ) اذا کا جواب جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور شرط، اس کے فعل اور اس کے جواب کے مجموعہ والا جملہ (اذا مَرُّوْا بھم یتغامزون) محلًا منصوب معطوف یضحکون پر(۴) (وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰی اَھْلِھِمُ انْقَلَبُوْا فَکِھِیْنَ) واؤ عاطفہ۔ (اذا انقلبوا) اذا اکتالوا کی طرح۔ (الی اھلھم) انقلبوا اول کے متعلق (انقلبوا) (ثانی) اذا کا جواب (فکھین) حال انقلبوا کی ضمیر سے۔ اور شرط، اس کے فعل، اور جواب کا مجموعہ والا جملہ (اذا انْقَلَبُوْا ...) محلًا منصوب معطوف یضحکون پر(۵)۔ "اِنَّ ھٰؤلاء ..." جملہ محلًا منصوب قالوا کا مقولہ۔ اور شرط، اس کے فعل اور جواب والا جملہ (اذا راوھم قالوا ...) اقرب یا ابعد (یضحکون) پر معطوف (وَمَا اُرْسِلُوْا عَلَیْھِمْ حٰفِظِیْنَ) "واؤ" حالیہ علیھم حافظین کے متعلق(۶) (حافظین) حال ارسلوا کی ضمیر سے، اور جملہ: "ما ارسلوا ..." محلًا منصوب حال قالوا کی ضمیر سے، (فالیوم الذین امنوا من الکفار

---

(۱) سورہ "بروج" میں "ان یؤمنوا" کو دیکھئے۔ (۲) فی "البحر" الاستفھام لتقریر المؤمنین والمعنی: قد جوزی الکفار (روح المعانی: ۱۶/۱۳۸)۔ اور استفہام تقریری کہتے ہیں: مخاطب کو ایسی چیز کے اقرار پر آمادہ کرنا، جس کا ثبوت یا نفی اس کے نزدیک ثابت ہے۔ (مغنی اللبیب: ۱/۱۸)۔ اور بعض نے "ھل" کو بمعنی "قد" مانا ہے، لیکن "ابن ہشام" نے "ھل" کے بمعنی "قد" نہ ہونے کو صواب قرار دیا ہے۔ (مغنی اللبیب: ۲/۳۵۲) (۳) روح المعانی: ۱۶/۱۳۸۔ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۲۷۷۔ اور جملہ: "کانوا ..." پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلًا مرفوع بھی ہوسکتا ہے۔ (۵) اقرب "اذا مروا ..." پر بھی معطوف ہوسکتا ہے، اس لیے کہ متعدد معطوف علیہ کی صورت میں دونوں باتیں جائز ہیں:- (۱) ابعد پر عطف کرنا، (۲) اقرب پر عطف کرنا، جیسا کہ والنازعات غرقًا الخ کی ترکیب کے تحت آچکا ہے۔ (۶) اعراب القرآن لمحی الدین، اور اعراب القرآن وصرفہ دونوں میں اسی طرح ہے۔ البتہ صاحب روح المعانی کی تفسیر: "وما ارسلوا علی المؤمنین" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ما ارسلوا" کے متعلق ہے۔

یضحکون على الأرائك ینظرون) "ما" شرط مقدر کے جواب میں، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "إن کان الذین أجرموا یضحکون من الذین آمنوا فالیوم الذین۔۔۔۔" (الیوم) یضحکون کا مفعول فیہ، (الذین) مبتدا، (آمنوا) صلہ (من الکفار) یضحکون کے متعلق، اور جملہ یضحکون ۔۔۔۔ "محلا مرفوع، خبر مبتدا کی اور جملہ: "الذین آمنوا۔۔۔۔" محلا مجزوم، شرط مقدر کا جواب۔ (على الأرائك) متعلق ینظرون کے، اور جملہ: "ینظرون۔۔۔۔" محلا منصوب حال یضحکون کی ضمیر سے، (هل ثوب الکفار) (هل) حرف استفہام برائے تقریر۔ (ثوب) فعل مجہول (الکفار) نائب فاعل، (ما کانوا یفعلون) "ما" مصدریہ یا موصولہ، اس وقت عائد محذوف ہوگا، تقدیری عبارت ہوگی: "ما کانوا یفعلونہ" جملہ "کانوا۔۔۔۔" موصول حرفی (حرف مصدر) کا یا اسم موصول کا صلہ، اور موصول صلہ سے مل کر محلا منصوب بنزع الخافض یعنی "ما" سے پہلے حرف جر "من" پوشیدہ ہے، تقدیری عبارت: "مما کانوا۔۔۔۔" ہے، اور جملہ: "ثوب الکفار۔۔۔۔" مستانفہ(1)۔

آیاتها ۲۵ — (۸۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (۸۳) — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے۔ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ اور جب زمین پھیلادی جاوے گی۔ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ اور نکال ڈالے گی جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہوجاوے گی۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ تو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا۔ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ سو وہ موت کو پکارے گا۔ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اور جہنم میں داخل ہوگا۔ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ یہ شخص اپنے متعلقین میں خوش خوش رہا کرتا تھا۔ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو لوٹنا نہیں ہے بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ کیوں نہیں، اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

ربط: اس سورت میں بھی پہلی سورت کی طرح قیامت اور جزا و سزا کے واقعات کا بیان ہے۔

---

(1) ترکیب اعراب القرآن: ۸/۱۵۹، اور اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۲۷۷، اور روح المعانی: ۳۰/۱۲۸ سے ماخوذ ہے۔

تفسیر: (إِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ ۝......) (جب نفخۂ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جاوے گا۔ پھٹنے سے مراد آسمان کا کھلنا ہے اور یہ اس لیے کھلے گا تاکہ آسمان سے ایک رقیق بادل اترے اور یہ بادل بشکل سائبان ہوگا، اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے، اور یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا(۱)۔ اور یہ وہ پھٹنا نہیں ہے، جو پہلی مرتبہ نفخۂ صور کے وقت آسمان وزمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا۔ کیوں کہ مذکورہ آیت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کا ہے جب کہ آسمان وزمین دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے(۲) اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا۔ اور مان لے گا۔ اور وہ (آسمان) اسی لائق ہے۔ یعنی آسمان مقدور ومقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ اس عظمت وبلندی کے باوجود، اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے، اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔ اور جب زمین پھیلادی جاویگی جس طرح چمڑے یا ربڑ کو کھینچ کر پھیلا دیا اور بڑھا دیا جاتا ہے، اسی طرح محشر کے دن، یہ زمین کھینچ کر پھیلادی جاویگی، اور عمارتیں اور پہاڑ وغیرہ توڑ کر سب برابر کردئے جاویں گے۔ پس اس وقت کی مقدار سے اس وقت کی مقدار زیادہ ہوگی، تاکہ سب اولین وآخرین اس میں سما سکیں۔ اور نکال ڈالے گی جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہوجائے گی (یعنی اپنے اندر کے مردوں کو باہر اگل دیگی اور مردوں سے خالی ہوجائیگی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے اس کی تفسیر سابق کی طرح ہے، آگے جواب محذوف ہے: "لَقِيَ الْإِنْسَانُ عَمَلَهٗ" تو انسان اس وقت اپنے اعمال کو دیکھ لے گا۔ جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔ (يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ الخ) اے انسان! تو اپنے رب (کے پاس پہونچنے یعنی موت) تک کام میں کوشش کر رہا ہے (یعنی رب تک پہونچنے سے پہلے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق، مختلف، اور قسم قسم کی جدوجہد کرتا ہے، کوئی اس کی طاعت میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے، کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے) پھر (قیامت میں) اس (کام کے بدلہ) سے جا ملے گا یعنی اچھا برا جیسا بھی عمل اور اس کی محنت تھی قیامت میں اس کا بدلہ ملے گا۔ (فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِينِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا) یہاں سے انسان کی محنت، اور اس کے اچھے برے عمل پہ جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے، اس کی تفصیل ہے۔ تو (اس روز) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال مؤمن کو ملے گا، گرچہ وہ گناہ گار ہو۔ اور آسان حساب کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک یہ کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی، بس کاغذات پیش ہوجائیں گے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے میں چھوڑ دئے جاویں گے۔ جیسا کہ "صحیح بخاری" میں حضرت "عائشہ" سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ حُوسِبَ هَلَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے، وہ عذاب سے نہ بچے گا۔ اس پر حضرت "عائشہ" صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ "قرآن" میں کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا" نہیں ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "اس میں جس

---

(۱) اس کا ذکر پارۂ ۱۹: آیت (یوم تشقق السماء بالغمام الخ) اور پارۂ دوم آیت (هل ینظرون الا أن تاتیهم الملائکة الخ) میں آیا ہے۔ (۲) ماخوذ از بیان القرآن: ۸/۴۷، پارہ: ۱۹، ع: ۱۔

کو "حساب یسیر" فرمایا ہے، وہ درحقیقت مکمل حساب نہیں ہے، بلکہ صرف رب العزت کے سامنے پیشی ہے، اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جاوے گا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا"(۱) دوسرا مرتبہ آسان حساب کا یہ ہے کہ اس پر دائمی عذاب نہ ہو، یہ عام مؤمنین کے لئے ہوگا۔(۲) اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ نہ سزا کا خوف رہے گا، نہ غصہ کا ڈر، نہایت امن واطمینان سے اپنے احباب واقارب اور مسلمان بھائیوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔ اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے (بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا۔ یہ کافر کو ملے گا، پشت کی طرف سے ملنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:- ایک یہ کہ اس کی مُشکیں کسی ہوئی ہوں گی(۳)۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں بایاں ہاتھ پشت کی طرف ہوگا، دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ: اس کا ہاتھ پشت کی طرف نکالدیا جائیگا، کذا فی "الدر المنثور" اور یہ اس لئے ہوگا کہ فرشتے سامنے اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گے؛ گویا غایت کراہیت کا اظہار ہوگا(۴)۔ سو وہ موت کو پکارے گا (جیسا کہ مصیبت میں عادت ہے موت کی تمنا کرنیکی) اور جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل وعیال اور حشم وخدم) میں خوش خوش رہا کرتا تھا۔ دنیا میں خوش ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ ہاں! اس طرح سے خوش ہونا، اور مگن ہوجانا کہ آخرت سے غافل ہوجائے، اور اس کی تکذیب کرنے لگے، یہ قابل مذمت ہے۔ یہی بنیاد ہے اِس شخص کے جہنم میں جانے کی، برخلاف مؤمنین کے۔ کیونکہ کبھی بھی ان کو دنیا میں آخرت سے بے فکری نہیں ہوتی ہے، وہ ہر خوشی، اور عیش وراحت کے وقت بھی آخرت کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ (اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے (آگے اس ظن کا رد ہے) (بَلٰی اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیْرًا) کیوں (لوٹنا) نہیں (اس کے بعد جزا کا اثبات ہے) اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔ یعنی پیدائش سے موت تک برابر اس کے سب عقائد، اعمال اور احوال کو دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اس کے اعمال پر ثمرات ونتائج مرتب کرے۔

اللغة: (اِنْشَقَّتْ) پھٹ جائے گا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب انفعال سے۔ مصدر اِنْشِقَاقٌ: پھٹنا، (أَذِنَتْ) سن لے گا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، أَذِنَ له وإليه (س) أَذَنًا: سننا، کان لگانا، (حُقَّتْ) وہ لائق بنایا گیا، اس کا بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے: "وہ اسی لائق ہے" صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، حَقَّهٗ (ض) حَقًّا: لائق کرنا، ثابت کرنا۔ (مُدَّتْ) پھیلا دی جاوے گی، دراز کردی جاوے گی۔(۵) صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مطلق ماضی مثبت مجہول ہے، مَدَّ الشَّیْئَ (ن) مَدًّا: پھیلانا، دراز کرنا۔ (أَلْقَتْ) اگل دے گی، باہر نکال دے گی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، إِلْقَاءٌ (افعال): ڈالنا، پھینکنا، سے۔ (تَخَلَّتْ) اچھی طرح خالی ہوجاویگی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، تَخَلِّیْ

---

(۱) ازمعارف القرآن: ۷۰۳/۸۔ (۲) بیان القرآن۔ (۳) مشکین: دونوں بازو، دونوں شانے۔ مشکیں کسنا: دونوں شانوں کو پشت کی طرف ملا کر جکڑنا۔ (۴) ازفوائد عثمانی۔ (۵) روح المعانی: ۹۰/۱۵۔

تَخَلَّتْ (تفعل): خالی ہونا، سے۔ واضح ہو کہ باب "تفعل" کی ایک خاصیت "تکلف" ہے (۱) اور کبھی اس خاصیت سے فعل میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے (۲) جیسا کہ یہاں ہے (۳) اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے: "اچھی طرح خالی ہو جاوے گی"، (كَادِحٌ) کام میں کوششیں کرنے والا، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، كَدَحَ (ف) كَدْحًا: کام میں محنت کرنا، کوشش کرنا، مشقت اٹھانا، سے۔ (الی ربك) "رب" سے پہلے "لقاء" مضاف پوشیدہ ہے، تقدیری عبارت ہے "الی لقاء ربك" اسی لئے ترجمہ کیا گیا ہے: اپنے رب کے پاس پہونچنے تک۔ (ملاقيه) اس سے جا ملنے والا، اسم فاعل واحد مذکر، لاقاه ملاقاةً، (مفاعلہ): ملنا، ملاقات کرنا، سے۔ واضح ہو کہ "ملاقيه" میں دو ضمیر ہیں:۔ (۱) فاعل کی پوشیدہ ضمیر (هُوَ) اس کا مرجع تو انسان ہے۔ (۲) "هَا" (۴) ضمیر بارز، اس کے مرجع میں دو احتمال ہیں: (الف) جزاء مضاف کے حذف کے ساتھ کدح (عمل) کی طرف راجع ہو۔ اس وقت مفہوم ہوگا: ملاقی جزاء الكدح (وہ عمل کے بدلہ سے جا ملے گا) (ب) جزاء مضاف کے حذف کے ساتھ رب کی طرف راجع ہو، ای: ملاقی جزاء ربه، (وہ اپنے رب کے بدلہ سے جا ملے گا)۔ (أُوتِيَ) دیا جائیگا اس کو، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، (آتی إيتاءً): افعال دینا، سے۔ (يَمِيْن) دایاں ہاتھ، اسم جامد، ج: أيمان۔ (يُحَاسَبُ) حساب لیا جائیگا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول، حَاسَبَهٗ مُحَاسَبَةً وَحِسَابًا (مفاعلہ): حساب لینا، بدلہ دینا۔ (يَسِيْرًا) آسان، فعیل بمعنی فاعل صفت مشبہ، يَسُرَ الشَّيْءُ (ک) يُسْرًا، و يَسَارَةً، ويَسِرَ (س) يَسَرًا: آسان ہونا، ہلکا ہونا۔ (أَهْل) گھر والے، متعلقین اسم جمع، اس کے لفظ سے اس کا کوئی مفرد نہیں آتا ہے، ج: اَهْلُونَ، وأَهَالٍ، آهَالٌ، وَاَهْلَاتٌ (۵)۔ وہ سب لوگ کسی کے اہل کہلاتے ہیں، جن کو اس سے مذہب یا نسب، یا ان دونوں کے علاوہ اور کسی قسم کا رشتہ و تعلق ہو، مثلاً ایک ہی گھر، یا شہر میں رہنا، بسنا، یا کسی مخصوص صنعت و پیشہ میں شریک ہو، (۶) اس لئے

(۱و۲) تکلف کی دو شکلیں ہیں: (۱) ماخذ سے انتساب میں تکلف، یعنی فاعل میں ماخذ سے انتساب نہیں پایا جاتا ہے، اس کے باوجود بتکلف انتساب کو ظاہر کرتا ہے، جیسے "تَكَوَّفَ": وہ بتکلف کوفی بنا، یعنی کوفی نہیں تھا، پھر بھی کسی طرح کے تکلف سے اپنے کو کوفی ظاہر کیا (۲) فعل کے حصول میں فاعل کا تکلیف اٹھانا، اور بزور اس کو اپنے اندر دکھلانا، حالانکہ وہ اس کے اندر نہیں پایا جارہا ہے، جیسے "تَحَلَّمَ": وہ بتکلف بردبار بنا (نوادر الوصول: ۱۰۰ و ۱۰۱)۔

(۳) کما فی الروح: ای: خلت عما فیها غاية الخلو فصيغة التفعل للتكلف والمقصود منه المبالغة: (۱۵/۹۱)

(۴) "ضربتُ" میں فاعل کی ضمیر مرفوع متصل، اور ضَرَبَهٗ اور "ملاقيه" جیسے صیغوں میں ضمیر منصوب متصل اور مجرور متصل کی تعبیر دو طرح ہوتی ہے:۔ (الف) اسم عام سے تعبیر کیا جائے، مثلاً "ضربتُ" کی ترکیب کے وقت کہا جائے، "تا" فاعل، یا ضمیر فاعل، اور "ملاقيه" میں "ها" ضمیر، مضاف الیہ (ب) اسم مخصوص سے تعبیر کیا جائے، مثلاً "ضربتُ" کی ضمیر کو "تُو" سے اور "ملاقيه" کی "ها" ضمیر کو "هِيَ" سے تعبیر کیا جائے۔ تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) اعراب القرآن وصرفہ: ۱/ ۲۳۵، پ: ۱، آیت: ۱۰۵۔ (۶) لغات القرآن: ۱/ ۳۰۲۔

اس کا ترجمہ کہیں، گھر والے، اور کہیں متعلقین سے کیا جاتا ہے، (مَسْرُوْرًا) خوش، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم مفعول۔ سُرَّ فلانٌ (ن) سُرُوْرًا، ومَسَرَّةً: خوش ہونا، وسَرَّهُ: (ن) خوش کرنا، لازم (خوش ہونا) کے مفہوم کی ادائیگی کے لئے مجہول، اور متعدی (خوش کرنا) کے مفہوم کی ادائیگی کے لئے معروف استعمال ہوتا ہے۔ (وَرَاءَ) پیچھے، مزید تفصیلی کلام کے لیے لغات القرآن وصرفہ دیکھئے۔ (ظهر) اسم جامد، پیٹھ جمع اَظْهُرٌ، وظُهرانٌ۔ (يَدْعُوْ) پکاریگا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، دَعَاهُ (ن) دَعْوَةً، ودُعاءً: پکارنا، سے۔ (ثُبُوْرًا) ہلاکت، مصدر، ثَبَرَ فلانٌ (ن) ثَبْرًا، وثُبُوْرًا: ہلاک ہونا۔ (سَعِيْرًا) آگ کی لپٹ، "فَعِيْل" بمعنی مفعول ہے (۱) سَعَرْتُ النَّارَ (ف) اَسْعَرُها سَعْرًا: آگ بھڑکانا۔ (لَنْ يَحُوْرَ) ہرگز نہیں لوٹے گا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مستقبل نفی تاکید بلن۔ حَارَ (ن) حَوْرًا، وَمَحَارَةً: لوٹنا۔ (بَصِيْرًا) بہت دیکھنے والا، صیغۂ مبالغہ بَصِرَ (س) بَصَرًا: دیکھنا، سے دیکھنے والا، اس معنی میں صفت مشبہ ہوگا بَصُرَ (ک) بَصَارَةً: دیکھنے والا ہونا سے، (اعراب القرآن وصرفہا/۲۰۷ ب:۱، ع:۱۱)

ترکیب: (اذا السَّمَاء انْشَقَّتْ) اذا الشمسُ کورت کی طرح (۲) اور جملہ: "واذنت" محلا مجرور، معطوف جملۂ شرط: (انشقت السماء) پر، (بها) اذنت کے متعلق (وحقت) معطوف جملۂ شرط پر، (واذا الْاَرْضُ مُدَّتْ) معطوف "اذا السماء الخ" پر (وَاَلْقَتْ) معطوف جملہ: (مُدَّت الارض) پر، (مَافِيْهَا) "ما" موصولہ، فيها "اسْتَقَرَّ" فعل محذوف کے متعلق ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مفعول بہ "القت" فعل کا (وَتَخَلَّتْ) معطوف القت پر (وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا) معطوف، (القت) یا جملۂ شرط: (مُدَّت) پر (۳) یہاں تک شرط ہے۔ اور جواب محذوف ہے: "لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ" (۴) جس پر (يَاَيُّها الانسان الخ) دلالت کر رہا ہے۔ (يٰاَيُّها الانسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحاً فَمُلَاقِيْه) یا حرف ندا "ایّ" مبنی علی الضم (۵) محلا منصوب "ادعو" فعل مقدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ (۶) (الانسان) صفت یا عطف بیان اور جملۂ ندا: "یاایها الانسان......" مستانفہ۔ (الی ربك) "کادح" سے متعلق، اور (کادح) خبر اِنَّ کی (کدحا) مفعول مطلق (فملاقیه)

---

(۱) روح:۳۰/۲۲۷ زکریا، پ:۳۰، ع:۱۲۔

(۲) یعنی بصریین کے نزدیک السماء فاعل فعل محذوف انشقت کا، اور فعل محذوف اپنے فاعل سے مل کر محلا مجرور، اور "اذا" اپنے مضاف الیہ سے مل کر متعلق جواب کے، اور (انشقت) مذکور "جملہ مفسرہ" جس کے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور کوفیین کے نزدیک "السماء" مبتدا، اور جملہ: "اِنْشَقَّتْ" محلا مرفوع خبر۔

(۳) پہلی صورت میں اقرب پر اور دوسری صورت میں ابعد پر عطف ہوگا، اور ایسے موقع پر دونوں صورتیں منقول ہیں۔ جب کہ "نازعات" کے شروع میں ترکیب کے تحت حاشیہ میں تفصیل آچکی ہے۔

(۴) حاشیہ بیان القرآن۔ ترجمہ: انسان اپنے عمل سے جا ملے گا۔

(۵) اس کے متعلق کچھ تفصیل: سورہ "انفطار" میں "یاایها الانسان ما غرّك الخ" کے تحت حاشیہ میں گزر چکی ہے۔

(۶) منادی کے سلسلے میں تین مذہب ہیں: (۱) وہ "ادعو" فعل مقدر کا مفعول بہ ہے۔ سیبویہ اور صاحب کافیہ کا مذہب یہی ہے۔ (۲) مبرد کے یہاں حرف "ندا" کی وجہ سے منصوب ہے، جو فعل کے قائم مقام ہے (۳) ابو علی کا مذہب یہ ہے کہ حروف ندا اسماء افعال میں سے ہیں، اور وہی اس میں عامل ہیں، اور فاعل ان کا ان میں پوشیدہ ضمیر ہے۔ (زینی زادہ علی الکافیہ:۸۷)

فا عاطفہ (ملاقیہ)، صیغہ اسم فاعل ھو ضمیر پوشیدہ راجع انسان کی طرف فاعل اور ھا ضمیر مضاف الیہ، ملاقیہ اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر معطوف کادح پر، اور جملہ: "انك كادح الخ" جواب ندا، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ) "فا" استنافیہ "اما" حرف شرط وتفصیل "من" موصولہ مبتدا (اوتی) صلہ (کتابہ) مفعول بہ (بیمینہ) متعلق اُوْتِیَ کے۔ (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا) "فا" جوابیہ (سوف) حرف استقبال، (یحاسب) فعل مجہول، ضمیر نائب فاعل (حسابا یسیرا) مفعول مطلق اور جملہ: "سوف یحاسب......" خبر "من" موصولہ کی، اور جملہ: "من اوتی......" مستانفہ (وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ) واؤ عاطفہ باقی ترکیب حسب سابق (وَرَآءَ ظَهْرِهٖ) مفعول فیہ اوتی کا (فَسَوْفَ يَدْعُوْا) خبر من کی۔ (ثبورا) مفعول بہ (ویصلی) عطف یدعو پر (سعیرا) مفعول بہ یا فیہ⁽¹⁾ یصلی کا (انه كان في اهله مسرورا) (انه) انّ اور اس کا اسم (کان) خبر (فی اھلہ) کان کی ضمیر سے حال (مسرورا) خبر کانَ کی، اور جملہ: "انہ کان......" تعلیلیہ، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (انه ظن ان لن یحور) (ظنّ) "انْ" کی خبر "انْ" مخففہ من المثقلہ، ضمیر شان محذوف اس کا اسم، (لن یحور) خبر اور جملہ: "اَنْ لَنْ يَّحُوْرَ" محلا منصوب ظنّ کے دو مفعول کے قائم مقام، اور جملہ: "انہ ظن......" بھی تعلیلیہ (بلٰى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا) "بلی" حرف ایجاب اور جملہ "کان......" محلا مرفوع خبر انّ کی (بہ) "بصیرا" کے متعلق "بصیرا" خبر کان کی اور جملہ: ان ربہ کان...... "تعلیلیہ⁽²⁾۔

> فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی۔ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۭ کہ ضرور تم لوگوں کو ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہونچنا ہے۔ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ پھر کیا ہوا انکو کہ ایمان نہیں لاتے ہیں۔ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۳ؗ اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے، تو نہیں جھکتے ہیں۔ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ڮ بلکہ یہ کافر تکذیب کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ڮ اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ لیکن جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے اچھے عمل کئے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔

ربط وتفسیر: یاَیُّها الانسان تاملاقیہ میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے مذکورہ بالا آیات میں چار چیزوں کی قسم کھا

---

(1) جیسا کہ سورہ "اِنْفِطَار" میں "یصلونها یوم الدین" کے تحت حاشیہ میں تفصیل آچکی ہے۔

(2) بلی کے بعد جو "یحور یا یرجع" مقدر ہے، اس کی تعلیل ہے۔ نوٹ: ترکیب حسب سابق "اعراب القرآن وصرفہ" اور اعراب القرآن لمحی الدین وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

کر اسی مضمون کی تفصیل ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔ (فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ......) سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی ("شفق" امام شافعی، صاحبین، اور جمہور کے نزدیک سورج کے غروب ہونے کے بعد افق (کنارۂ آسمان) میں نمودار ہونے والی سرخی کو کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سرخی کے ختم ہونے کے بعد نمودار ہونے والی سفیدی (جس کے دور ہونے کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے) کو بھی شفق کہتے ہیں۔ اور (قسم کھاتا ہوں) رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے، یعنی آدمی اور جانور، جو تلاش معاش وغیرہ کے لئے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے ہیں، اور رات کے وقت سب طرف سے سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور (قسم کھاتا ہوں) چاند کی جب وہ پورا ہو جائے پورا چاند چودھویں رات میں ہوتا ہے، جس کو بدر کہتے ہیں۔ (لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ) (یہ مذکورہ چیزوں کی قسم کا جواب ہے۔ یعنی ان چیزوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ:) ضرور تم کو ایک حالت سے دوسری حالت پر پہونچنا ہے اس آیت میں "يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ الخ" والا مضمون ہی بیان کیا گیا ہے، فرق اتنا ہے کہ وہاں جنس انسان کو خطاب تھا اور یہاں تمام افراد کو خطاب ہے، اسی طرح لقاء عمل (عمل کے بدلہ سے ملنا) وہاں مجمل تھا اور یہاں اس کی تفصیل ہے۔ اور وہ حالتیں جن پر انسان کو ایک کے بعد پہونچنا ہے، ایک موت ہے، سب کو اس سے واسطہ پڑنا ہے، اس کے بعد برزخ (مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے) کے احوال ہیں، یہ بھی انسان کو اس کے عمل کے اعتبار سے پیش آئیں گے، اس کے بعد قیامت کے احوال ہیں، اور یہ کوئی ایک حالت نہیں ہے؛ بلکہ ان میں تعدد وتکثر ہے۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت: ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت اس طرح ہے کہ رات کے احوال کا مختلف ہونا کہ اول شفق نمودار ہوتی ہے، پھر زیادہ رات آتی ہے، تو سب سو جاتے ہیں، پھر چاند کی روشنی کسی رات میں زیادہ ہوتی ہے، اور کسی میں کم، رات کے احوال کا یہ اختلاف، مرنے کے بعد جو مختلف احوال، پیش آئیں گے اس کے مشابہ ہے، نیز موت سے عالم آخرت شروع ہو جاتا ہے، جیسے شفق سے رات شروع ہو جاتی ہے، پھر عالم برزخ میں رہنا رات میں لوگوں کے سونے کے مشابہ ہے، اور چاند کا محاق (۱) کے بعد پورا ہونا یہ مشابہ ہے فناء عالم کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے۔

(فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ......) پھر (یعنی مذکورہ بیان وتفصیل کو سننے اور جاننے کے بعد جس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی آخرت کی فکر کرے، خدا سے ڈرے اور ایمان لائے) کیا ہوا ان (لوگوں) کو کہ ایمان نہیں لاتے ہیں اور (خود تو ایمان اور حق کی کیا طلب کرتے؟ ان کے عناد کی حد یہ ہے کہ) جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے ہیں، سجدہ (جھکنے) سے اصطلاحی سجدہ مراد نہیں ہے، بلکہ یہ اطاعت وفرمانبرداری سے کنایہ ہے، (۲) اور صرف یہی نہیں کہ جھکتے اور اطاعت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ کافر تکذیب کرتے ہیں۔ اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمال بد کا ذخیرہ)

(۱) محاق، میم پر تینوں حرکتیں درست ہیں: چاند کا گھٹنا (فیروز اللغات: ۱۲۱۰)

(۲) معارف القرآن: ۸/۷۰۷ وروح: ۱۵/۹۵۔

جمع کررہے ہیں (فَبَشِّرْ هُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ......) (تو ان کفریہ اعمال کے سبب) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیجئے، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے، جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں مؤمنین چونکہ (فبشر هم) میں "هم" ضمیر کے مصداق (یعنی کفار) میں داخل ہی نہیں ہیں، اس لئے یہ استثناء منقطع ہے۔

اللغۃ: (الشَّفَقِ) تفسیر کے تحت مختصراً تفصیل آچکی ہے۔ (وما وسق) "ما" موصولہ اور مصدریہ دونوں ہوسکتا ہے۔ جمہور نے اول کو اختیار کیا ہے (۱)۔ (وَسَقَ): سمیٹ لے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، وَسَقَهٗ (ض) وَسْقًا، وَوُسُوْقًا: جمع کرنا، سمیٹنا۔ (اِتَّسَقَ) پورا ہو جائے، پورا بھر جائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افتعال سے۔ اِتَّسَقَ اِتِّسَاقًا (افتعال): جمع ہونا، یہاں چاند کی روشنی کا جمع ہونا مراد ہے، اور اس کی ساری روشنی اس وقت جمع ہوتی ہے، جب وہ بدر (پورا چاند) بن جاتا ہے، (۲) اس لئے اس کا مرادی ترجمہ کیا گیا ہے پورا ہو جائے۔ (لَتَرْكَبُنَّ) تم ضرور پہونچو گے، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل مستقبل بانون تاکید ثقیلہ۔ رَكِبَ الدَّابَّةَ (س) رُكُوْبًا، ومَرْكَبًا: سوار ہونا، سے۔ آیت پاک میں "رکوب" سے مراد ملاقات کرنا ہے، جس کا مرادی ترجمہ "پہونچنے" سے کیا گیا ہے۔ (۳) (طَبَقًا) اسم جامد، اصلی معنی: وہ چیز جو اپنے غیر کے موافق ہو، حالت ہو یا غیر حالت۔ عرفی معنی: وہ حالت جو اپنے علاوہ حالت کے موافق ہو، یہی معنی یہاں مراد ہے، بعض نے اس کو "طَبَقَة" بمعنی مرتبہ و درجہ کی جمع قرار دیا ہے، اور بعض نے اسم جنس جمعی قرار دیا ہے، (۴) اور "عن" مجاوزت و بعد دونوں کے لئے ہوسکتا ہے، (۵) پہلی صورت میں ترجمہ "ایک حالت سے دوسری حالت پہ پہونچنا" اور دوسری صورت میں "ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہونچنا" ہوگا۔ (لَا يُؤْمِنُوْنَ) وہ ایمان نہیں لاتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، باب افعال سے، باقی تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ "بروج" میں "ان یومنوا"۔ (قُرِئَ) پڑھا جائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، قَرَأَ (ف) قِرَاءَةً، وقُرْآنًا: پڑھنا۔ (لَا يَسْجُدُوْنَ): وہ جھکتے نہیں ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف۔ سَجَدَلَهٗ (ن) سُجُوْدًا، وسَجْدَةً: پیشانی زمین پر رکھنا، اطاعت کرنا، جھکنا، اور یہ (اطاعت کرنا، جھکنا) مجازی معنی ہے، جو یہاں مراد ہے۔ (اللّٰهُ) سورہ "اخلاص" میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ (يُوْعُوْنَ) وہ جمع کرتے ہیں، وہ چھپاتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب افعال سے۔ أَوْعٰى اِيْعَاءً (افعال) اصل معنی: کسی چیز کو وعا (برتن) میں کرنا، مجازاً چھپانے اور جمع کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۶) (بَشِّرْ) خبر دیجئے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر، معروف باب "تفعیل" سے۔ بَشَّرَهٗ تَبْشِيْرًا (تفعیل): بشارت دینا یعنی خوش کن خبر دینا، جس کا مخاطب کو پہلے سے علم نہ ہو، اور بعض کے قول کے مطابق وہ خبر بھی ہو، اور "سیبویہ" سے یہ بات منقول ہے کہ ایسی خبر دینا جس کی وجہ سے بَشَرَه (بدن کی ظاہری کھال) پر خوشی یا رنج کا

---

(۱) روح المعانی: ۱۵/۹۳۔ (۲و۳) روح: ۱۵/۹۳و۹۴ (۴) اسم جنس جمعی کی تفصیل سورہ "قارعہ" میں "الفراش" کے تحت آرہی ہے۔

(۵) روح المعانی: ۱۵/۹۴۔ (۶) روح: ۱۵/۹۶۔

اثر محسوس ہو، اور زیادہ استعمال اس کا اچھی خبر دینے میں ہوتا ہے، یہاں چوں کہ عذاب کی خبر دینی ہے لہٰذا "سیبویہ" کے قول کے مطابق تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، البتہ پہلے قول کے مطابق یہ کہنا پڑے گا کہ یا تو مقید (خوش کن خبر دینا) کو مطلق خبر دینے کے لیے استعمال کیا گیا ہے یا بطورِ تہکم واستہزاء عذاب کی خبر دینے کے لئے اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ (۱) (اَلِیْم) دردناک، تکلیف دِہ۔ "اَلَمٌ" سے فعیل بمعنی مُفْعِلٌ یعنی مولِمٌ (تکلیف دینے والا) کے معنی میں ہے۔ اور "زمخشری" کے یہاں فعیل بمعنی مفعل ثابت نہیں ہے، اس لیے یہ اَلِمَ (س) اَلَمًا: درد ہونا، تکلیف میں مبتلا ہونا۔ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اور لفظی ترجمہ "عذاب الیم" کا ہے: وہ عذاب جو تکلیف میں مبتلا ہو، اور درد وتکلیف میں مبتلا چوں کہ وہ شخص ہوتا ہے، جس کو عذاب ہوتا ہے نہ کہ عذاب، اس لیے "جَدَّ جِدُّہٗ" (۲) کی طرح "الیم" کی اسناد مجازاً عذاب کی طرف کردی گئی ہے (۳)۔ (عَمِلُوْا) کیا انہوں نے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، عَمِلَ (س) عَمَلًا: کام کرنا، سے۔ (الصّٰلِحٰتِ) اچھے کام، اصلاً صَالِحَۃٌ اسم فاعل کی جمع مونث سالم ہے بحالت نصبی (۴)۔ (اَجْرٌ) بدلہ، ثواب، معاوضہ، ج: اُجور۔ اَجَرَ فُلَانًا (ن) اَجْرًا: بدلہ دینا، مزدوری دینا۔ (غَیْرُ مَمْنُوْنٍ) غیر موقوف، بے انتہا، "ممنون" صیغہ اسم مفعول مَنَّ الْحَبْلَ (ن) مَنًّا: رسی کاٹنا، سے۔ لہٰذا "غیر ممنون" کا لفظی ترجمہ ہوگا: غیر مقطوع، جس کا بامحاورہ ترجمہ "غیر موقوف" سے کیا گیا ہے۔ (۵)

ترکیب: (فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ......) "فا" استینافیہ یا شرط مقدر: "اذا عرفت ھذا" کے جواب میں، (۶) باقی ترکیب "فلا اقسم بالخنس" کی طرح (لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ) "لام" قسمیہ (طبقًا) مفعول بہ (عن طبقٍ) یہ یا تو صفت ہے طبقًا کی محذوف کے متعلق ہوکر، اور اگر "عن" مجاوزت کے لیے ہے تو مُجَاوِزًا محذوف کے متعلق ہوگا، تقدیری عبارت ہوگی: "طبقاً مجاوِزاً عن طبَقٍ" اور اگر "عن" "بعد" کے لئے ہے، تو "كَائِنًا" کے متعلق ہوگا، اور معنی ہوں گے: طَبَقًا كَائِنًا بَعْدَ طَبَقٍ۔ یا حال ہے لترکبن کی ضمیر سے۔ تقدیری عبارت ہوگی: "لَتَرْكَبُنَّ مُجَاوِزِيْنَ عَنْ طَبَقٍ" اگر "عن" مجاوزت کے لئے ہے، اور اگر بعد کے لئے ہے تو اس طرح تقدیری عبارت ہوگی: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا كائنين عَنْ طَبَقٍ اَیْ: بَعْدَ طَبَقٍ (۷) اور جملہ: "لترکبن......" قسم کا جواب، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (فمالھم لا یؤمنون) "فا" برائے ترتیب، یا فصیحہ شرط مقدر (اذا کان کذالك) کے جواب میں (اول احتمال "روح المعانی" میں اور ثانی اعراب القرآن" میں بیان کیا گیا ہے) "ما" استفہامیہ، محلا مرفوع مبتدا (لھم) خبر، اور جملہ: "لا یومنون......" محلا منصوب حال "لھم" میں "ھم" ضمیر سے اور جملہ "مالھم" شرط کا جواب اور "فا" کے ترتیب کے لیے ہونے کی صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا، معطوفہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہاں کوئی ایسا جملہ نہیں ہے جس کو معطوف علیہ قرار دینا درست ہو۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) روح: ۹۶/۱۵۔ (۲) اس کی کوشش کامیاب ہوگئی، یعنی وہ آدمی کامیاب ہوگیا۔ (۳) من الروح: ۲۴۳/۱، پ: ۱، ع: ۲۔

(۴) مزید تفصیل سورۂ "عصر" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۵) من الروح: ۹۷/۱۵۔ (۶) اعراب القرآن: ۲۶۴/۸، والروح ۹۳/۱۵۔

(۷) روح: ۹۴/۱۵۔ وحاشیہ بیان القرآن: ۸۷/۱۲۔

(واذا قرئ عليهم القرآن لايسجدون) واو عاطفہ، (لايسجدون) اذا کا جواب، اور باقی تفصیل وترکیب "اذا الشمس كورت......" کی طرح، اور جملہ شرط وجوب کا مجموعہ "اذا قرئ......" محلا منصوب معطوف جملہ "لايؤمنون......" پر (بل الذين كفروا يكذبون) بل حرف اضراب وانتقال، (الذين) مبتدا (كفروا) صلہ اور جملہ "يكذبون......" محلا مرفوع خبر، اور جملہ "الذين كفروا......" مستانفہ، (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ) واؤ عاطفہ، (اللّٰهُ) مبتدا، (اَعْلَمُ) خبر (بِمَا) متعلق اعلم کے، "ما" موصلہ، عائد محذوف، اصل میں "بمايوعونه" تھا، اور جملہ "الله اعلم......" معطوف جملہ "الذين كفروا......" پر جو مستانفہ ہے۔ (فبشرهم بعذاب اليم) "فا" برائے ترتیب یا فصیحہ شرط مقدر کے جواب میں، پہلی صورت میں جملہ مستانفہ اور دوسری صورت میں شرط مقدر کا جواب ہوگا، (هم) مفعول بہ، (بعذاب) متعلق، (اليم) صفت "الا" حرف استثناء (الذين آمنوا) محلا منصوب مستثنی منقطع، (وعملوا) معطوف آمنوا پر، (الصلحت) مفعول بہ، (لهم) خبر مقدم (اجر) مبتدا مؤخر (غير ممنون) صفت، اور جملہ "لهم اجر......" مستانفہ بیانیہ (۱)۔

آیاتها ۲۲ (۸۵) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷) رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ اور وعدہ کئے ہوئے دن کی۔ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے۔ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ کہ ملعون ہوئے خندق والے۔ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے۔ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے، اس کو دیکھ رہے تھے۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اسکے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے، جو زبردست اور لائق حمد ہے، الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ ایسا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہونچائی، اور پھر توبہ نہ کی، تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہیں؛ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

---

(۱) من الروح: ۱۵/ ۹۵ تا ۔۰ و اعراب القرآن: ۸/ ۲۶۴ و اعراب القرآن وصرفه: ۱۵/ ۲۸۳ تا ۲۸۷۔

ربط: اوپر کی سورتوں میں فریقین (مومنین وکفار) کی جزا وسزا کا تذکرہ تھا، اس سورت میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو جو ایذائیں اور تکلیفیں پہونچائی جاتی تھیں، ان پر مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے اور بعد میں کفار کے لئے وعید ذکر کی گئی ہے۔

تفسیر: اس سورت میں ایک قصہ اجمالاً مذکور ہے، جو صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد، وغیرہ میں ہے، اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا، جس کے پاس ایک ساحر[1] (جادوگر) رہتا تھا، جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا، تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھادوں، تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، جو روزانہ ساحر کے پاس جاکر اس کا علم سیکھتا تھا، راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا، جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا، لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا، اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا، اور اسکے فیض صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہونچا، ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر یا اس کے علاوہ) نے راستہ روک رکھا ہے، جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے، اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعاء کی کہ: اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے ہاتھ سے مارا جائے" یہ کہکر پتھر پھینکا، جس سے اس جانور کا کام تمام ہوگیا، لوگوں میں شور ہوا کہ اس کو عجیب علم آتا ہے، کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ: "میری آنکھیں اچھی کردو" لڑکے نے کہا کہ کسی کو اچھا کرنے والا میں نہیں ہوں، وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اگر تو اس پر ایمان لائے، تو میں دعا کروں امید ہے کہ تجھے بینا کردے" نابینا ایمان لے آیا اور لڑکے نے اس کیلئے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹادی۔ شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہونچیں، اس نے برہم ہوکر لڑکے کو مع راہب کے طلب کرلیا، اور کچھ بحث وگفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کردیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اونچے پہاڑ پر سے گراکر ہلاک کردیا جائے، مگر خدا کی قدرت! جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ پر سے گرکر ہلاک ہوگئے، اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم کیا، وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے، سب دریا میں ڈوب گئے، آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ "میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں، آپ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں، اور ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکائیں

---

[1] بعض روایات میں ساحر کے بجائے کاہن کا لفظ آیا ہے، اور اس بادشاہ کا نام "ذونواس" ہے، جو ملک "یمن" کا بادشاہ تھا، اور اس کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے ستر سال پہلے کا ہے، اور اس لڑکے کا نام روایات میں "عبداللہ بن تامر" آیا ہے، اور "محمد بن اسحاق" کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا جس جگہ مدفون تھا، کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھودی گئی، تو اس میں "عبداللہ بن تامر" کی لاش اس طرح صحیح سالم نکلی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، اور ہاتھ پیٹھ پر رکھا ہوا تھا، جہاں تیر لگا تھا۔ کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا، تو زخم سے خون بہنے لگا، پھر ویسے ہی رکھا تو بند ہوگیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی، جس پر "ربی اللہ" لکھا ہوا تھا، عامل "یمن" نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت "فاروق اعظم" کو دی، تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی ہیئت پر انگوٹھی سمیت اسی طرح چھپادو جیسے پہلے تھے۔ (معارف القرآن: ۸/۷۱۲، وابن کثیر: ۴/۴۹۴ تا ۴۹۵)۔

اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ" (اس اللہ کے نام پر جو رب ہے اس لڑکے کا)"۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا، یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یکلخت لوگوں کی زبان پر ایک نعرہ بلند ہوا کہ "آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ" (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا: لیجئے! جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے، وہی پیش آ گیا، پہلے تو اکا دکا مسلمان ہوتا تھا، اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" بادشاہ نے غصہ میں آ کر بڑی خندقیں کھدوائیں، اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ: "جو شخص اسلام سے نہ پھریگا، اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جاویگا" ما مگر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے، لیکن اسلام سے نہ ہٹتے تھے، ایک مسلمان عورت لائی گئی جسکے پاس دودھ پیتا بچہ تھا، شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی "اُمَّاهُ اِصْبِرِيْ فَاِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ" (اماجان! صبر کرو! کیونکہ تم حق پر ہو)[1]۔ اس سورت میں ان ظالموں پر غضب الٰہی ہونے کو قسم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: (وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ) قسم ہے برجوں والے آسمان کی (برجوں سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں) اور وعدہ کیے ہوئے دن کی، (اور قسم ہے) حاضر ہونے والے دن کی، اور اس دن کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے۔ "ترمذی" کی حدیث میں مرفوعاً ہے کہ: "یوم موعود قیامت کا دن ہے، اور شاہد "جمعہ" کا دن ہے، اور مشہود "عرفہ" کا دن ہے"۔ اور ایک دن کو شاہد اور دوسرے کو مشہود کہنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ یوم "جمعہ" میں تو سب اپنی جگہ رہتے ہیں، تو گویا وہ دن خود آتا ہے، اور یوم "عرفہ" میں حجاج اپنے اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں اسی یوم کے قصد سے جمع ہوتے ہیں، تو گویا وہ دن مقصود و مشہود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کرنے والے ہیں۔

آگے قسم کا جواب ہے: (قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ) خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے (یعنی جنہوں نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھریں، اور بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا، وہ ملعون و مغضوب ہوئے۔ ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مسلمانوں کی تسلی ظاہر ہے کہ اسی طرح جو کفار اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتار لعنت ہوں گے، جس کا اثر خواہ دنیا میں بھی مرتب ہو جیسے غزوہ "بدر" وغیرہ میں مقتول و مخذول[2] ہوئے یا صرف آخرت میں۔

قسم و جواب قسم میں مناسبت: مذکورہ قسموں کو اس جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا تمام زمانوں اور تمام مکانوں کا مالک ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور ایسے مالک الکل کی مخالفت کرنے والے کا مستحق لعنت ہونا ظاہر ہے[3]۔

(اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ......) جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے (یہ بیٹھنا اس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی

---

(۱) تفسیر عثمانی بر ترجمہ "شیخ الہند": ۷۸۵، وتفسیر ابن کثیر: ۴/۴۹۳۔

(۲) مخذول: جس کی مدد نہ کی جائے، جس کا ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ (۳) از فوائد عثمانی۔

کے لئے تھا) اور جو وہ مسلمانوں کے ساتھ (ظلم وستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔ شہود (دیکھنے) میں علاوہ نگرانی کے ان کی سنگدلی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آگ کے پاس بیٹھ کر مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے، اور ان کی چیخ و پکار کو سن رہے تھے مگر ان بدبختوں کو ذرا بھی رحم نہیں آتا تھا۔ کیسے سخت دل انسان تھے! اور ان (کافروں) نے (ان مسلمانوں) میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے، جو زبردست اور لائق حمد ہے، ایسا کہ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی (یعنی ایمان لانے کی بنیاد یہ تھی کہ آسمان و زمین کی بادشاہت خدا ہی کے لئے ہے، اس کے علاوہ کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہے، ظاہر ہے جب وہ ایسا ہے تو سب کو اسی پر ایمان لانا چاہیے نہ کہ اس کے علاوہ معبودان باطلہ پر۔ اور ان بندگان خدا نے وہی کام کیا جس کا ہر مکلف انسان سے مطالبہ ہے۔ لہٰذا یہ کوئی عیب اور جرم نہیں ہے، پس بے خطا ان پر ظلم کیا گیا۔ آگے بلا تخصیص (۱) ان ظالموں اور مظلوموں کے ظالموں کے لئے عام وعید اور مظلوموں کے لئے وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے (مظلوموں کی مظلومیت سے بھی پس ان کی نصرت کریگا، اور ظالم کی ظالمیت سے بھی تو اس کو سزا دیگا، خواہ یہاں (دنیا میں) خواہ وہاں (آخرت میں) چنانچہ آگے یہی مضمون ہے: (اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ الخ) جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہونچائی اور پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور (جہنم میں بالخصوص) جلنے کا عذاب ہے، (عذاب میں ہر طرح کی تکلیف داخل ہے، سانپ، بچھو، طوق، زنجیریں، حمیم، غساق وغیرہ، اور سب سے بڑھکر جلنے کا عذاب ہے، اس لئے اس کو بطور خاص بیان کیا گیا ہے۔ آگے مومنین کے حق میں، جن میں مذکورہ مظلومین بھی داخل ہیں، ارشاد ہے: (اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں، جنکے نیچے نہریں جاری ہونگی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

اللغة: (اَلْبُرُوْجِ) اسم جامد بُرْجٌ کی جمع، قلعہ، اونچی عمارت، محل، قلعہ، یا شہر کی چہار دیواری پر بنا ہوا کمرہ، وغیرہ مختلف معانی آتے ہیں، اور ''تبرج'' بمعنی ظاہر کرنے سے ماخوذ ہے۔ اسی سے ''تَبَرَّجَتِ المرأۃُ'' (عورت کا اپنے حسن کو ظاہر کرنا، بے پردہ پھرنا) ہے۔ (۲) اور یہاں ''بروج'' سے مراد کواکب عظام (بڑے ستارے) ہیں، حضرت عیاض، ضحاک، مجاہد، حسن بصری، قتادہ اور ''معارف القرآن'' کے مطابق جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ (اَلْمَوْعُوْدِ) وعدہ کیا ہوا، اسم مفعول، واحد مذکر، وَعَدَ (ض) وَعْداً وَعِدَةً: وعدہ کرنا، سے۔ (شَاهِدٍ) حاضر ہونے والا، اسم فاعل واحد مذکر۔ (مَشْهُوْدٍ) جس کے پاس حاضر ہوا جائے، جس میں حاضری ہوتی ہے۔ صیغہ اسم مفعول واحد مذکر، شَهِدَ الْمَجْلِسَ (س) شُهُوْدًا: حاضر ہونا، سے۔ (قُتِلَ) قتل کئے گئے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، قَتَلَهٗ (ن) قَتْلاً: قتل کرنا، سے۔ لیکن یہاں لازمی معنی ملعون اور رحمت خداوندی سے دور ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۳) (اصحاب) والے۔ ساتھی،

---

(۱) روح: ۱۵/۱۰۴۔ (۲) روح المعانی: ۳/۱۲۹۔ پ: ۵ ع: ۸۔

(۳) قتل لعن. جلالین: ٤٩٥، و کذا فی الروح: ۱۵/۱۰۰۔

"صاحِب" کی جمع جو اصلاً اسم فاعل ہے، صَحِبَہٗ (س) صُحْبَۃً، وَصَحَابَۃً: ساتھ ہونا، ساتھ رہنا، سے۔(۱) (الْاُخْدُوْد) خندق، لمبا گڑھا، "اُفْعُوْل" کے وزن پر اسم جامد، ج: اخادید۔ (النار) آگ، اسم جامد، ج: نِیْرَان۔ (ذات) والی، اسم جامد، "ذو" کا مؤنث، اصل میں ذَوَیَۃٌ تھا "یا" متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے "یا" کو "الف" سے بدل لیا گیا۔ "ذوات" ہوگیا۔ اور "عین" کلمہ (واؤ) کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کردیا گیا، "ذات" ہوگیا، اور عین کلمہ کے واؤ ہونے کی دلیل اس کا تثنیہ "ذواتا" ہے۔(۲) (الوقود) ملحق باسم آلہ(۳): مَا یُوْقَدُ بِہِ النَّارُ (جس سے آگ جلائی جائے) یعنی ایندھن "الوقود" پر چونکہ "ال" استغراقی ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ "بہت سے ایندھن والی آگ" کیا گیا ہے۔ اور بعض نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ "ذو کذا" اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ وہ چیز اس کے پاس کثیر ہو، لیکن صاحب "روح" نے اس کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ ذوالنون، اور ذوالعرش اس کی تائید نہیں کرتا ہے۔(۴) (قعود) بیٹھے ہوئے۔ قاعد اسم فاعل کی جمع مکسر، قَعَدَ (ن) قُعُوْداً: بیٹھنا۔ (شُهُوْدٌ) گواہی دینے والے، حاضر وموجود "شاهد" اسم فاعل کی جمع مکسر، حاضر وموجود چونکہ اس چیز کو دیکھتا ہے، جس کے پاس وہ موجود ہے، اس لئے یہ کبھی دیکھنے اور معائنہ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔(۵) شَهِدَ الْمَجْلِسَ شُهُوْداً: حاضر ہونا۔ (مَا نَقَمُوْا) ان لوگوں نے عیب نہیں پایا، ان لوگوں نے عیب نہیں لگایا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق منفی معروف، نَقَمَ الشَّیْءَ (ض) نَقْماً وَنُقُوْماً: عیب لگانا، ناپسند کرنا۔ (اَنْ یُّؤْمِنُوْا) یہ کہ ایمان لائیں وہ، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع منصوب بان، امن ایماناً (افعال): تصدیق کرنا (خبر دینے والے کے حکم کا یقین کرنا، قبول کرنا، سچا ماننا) سے۔ اس کا مادہ "امن" (س) بمعنی مطمئن ہونا ہے۔ گویا ایمان لانے اور یقین کرنے میں انسان اس کو جس کی بات کا اس نے یقین کیا ہے، تکذیب اور مخالفت سے مطمئن کردیتا ہے۔ اور "ایمان باللہ" کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین کیا جائے، اور مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ (العزیز) ایسا غالب جو مغلوب نہ ہو، اسی کی مختصر تعبیر "زبردست" سے کی جاتی ہے، فعیل بمعنی فاعل صیغۂ مبالغہ، عَزَّ فلانٌ (ن) عِزّاً، غالب ہونا(۶) (اَلْحَمِیْد) فعیل بمعنی مفعول (محمود) یعنی جس کی تعریف کی جائے، جس کی بامحاورہ تعبیر "سزاوار حمد" (لائق تعریف) ہے۔ حَمِدَہٗ (س) حَمْداً: تعریف کرنا۔ (مُلْکٌ) سلطنت وبادشاہت، غلبہ، اقتدار اعلیٰ، اصلاً مصدر ہے۔ مَلَکَ الشَّیْءَ (ض) مِلْکاً: مالک ہونا۔ (شَهِیْدٌ) گواہ، فعیل بمعنی فاعل صیغۂ مبالغہ ہے(۷) شَهَادَةً (س): گواہی دینا، سے اور گواہی چونکہ کسی چیز کے قطعی علم کے بعد ہوتی ہے، اس

---

(۱) روح المعانی: ۳۸۲/۱، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۱۱/۱، پ: ۱، ع: ۴۔ (۲) رضی شرح کافیہ: ۳۰۶/۲۔ (۳) نوادر الوصول: ۵۰۔ اور "سیبویہ" نے اس کے مصدر ہونے کو بیان کیا ہے (روح: ۱۰۳/۱۵) (۴) روح المعانی: ۱۰۲/۱۵۔ (۵) حاشیہ بیان القرآن تحت قولہ تعالیٰ: "یشهده المقربون" (مطففین) (۶) از مفردات القرآن: ۳۳۶، ولغات القرآن: ۲۸۸/۴، والمعجم الوسیط: ۵۹۸۔

(۷) لغات القرآن: ۲۹۸/۳۔

لئے یہاں یہ لفظ لازم (واقف) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (فَتَنُوْا) تکلیف دی ان لوگوں نے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب (ن) سے۔ فِتْنَةً، فَتْنٌ اور فُتُوْنٌ مصدر ہیں۔ اور "فتنہ" کے اصلی معنی ہیں: سونے کو آگ پر تپا کر کھرے کھوٹے کو پہچاننا، اسکے بعد مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، جن میں سے ایک جلانا، تکلیف دینا اور ستانا ہے، اور مذکورہ آیت میں "فتنوا" اسی تکلیف دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۱)۔

(لَمْ يَتُوْبُوْا) انہوں نے توبہ نہیں کی، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث نفی جحد بلم معروف، تَابَ (ن) تَوْباً، وَتَوْبَةً وَتَابَةً، ومَتَاباً: رجوع کرنا، توبہ کرنا، سے۔ مزید دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔ (الْحَرِيْقِ) جلانے والا، "فعیل" بمعنی فاعل برائے مبالغہ ہے، اور "النار" اس کا موصوف محذوف ہے۔ اور "عذاب" کی اضافت "الحریق" کی جانب مسبب کی اضافت سبب کی طرف ہے۔ ترجمہ ہوگا: بہت زیادہ جلانے والی آگ کا عذاب۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "عذاب" کی اضافت "الحریق" کی طرف موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو، یعنی جلانے والا عذاب۔ اور بعض نے "الحریق" کو مصدر مانا ہے، اس وقت اضافت بیانیہ ہوگی، اور ترجمہ ہوگا: جلانے کا عذاب، غالباً حضرت تھانویؒ نے اسی کو اختیار کر کے مرادی ترجمہ کیا ہے: "ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے"(۲) حَرَقَتِ النَّارُ (ن) حَرْقاً: جلانا۔ (الْكَبِيْرُ) بڑا، بڑی، صفت مشبہ۔ "كَبُرَ (ک) كِبَراً، كُبْراً كَبَارَةً: بڑا ہونا۔

ترکیب: (وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ) "واؤ" حرف جر برائے قسم (السَّمَآءِ) مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق "اُقْسِمُ" فعل محذوف کے، اور جملہ: "(اقسم) والسماء......" ابتدائیہ (ذات البروجِ) صفت، (واليومِ الموعودِ) معطوف "السماء" پر، اسی طرح (وشاهد ومشهود) ہے۔(۳) (قتل اصحب الاخدود) "لام" اور "قد" کی تقدیر کے ساتھ جواب قسم ہے، اصل ہوگی: "لقد قُتِلَ......"(۴) (النار) بدل اشتمال

---

(۱) تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔ (۲) از اعراب القرآن وصرفہ: ۳۹۱/۲۔ والروح: ۲۲۱/۳، تحت قولہ تعالیٰ: "ونقول ذوقوا عذاب الحریق" پ: ۴، ع: ۱۰، و ۱۸۲/۱۰، پ: ۱۷، ع: ۹۔ و ۱۶۳/۱۶، (بروج) ملتقطا۔

(۳) **فائدہ:** واؤ قسمیہ کے بعد واؤ کے مکرر ہونے کی صورت میں اختلاف ہے کہ وہ واؤ بھی قسمیہ ہوتی ہے یا عاطفہ، "سیبویہ" اور خلیل کا قول یہ ہے کہ یہ عاطفہ ہوتی ہے، اور یہی قول اقویٰ ہے۔ (رضی: ۳۱۴/۴)

(۴) اس لئے کہ ماضی مثبت متصرف جب جواب قسم ہو، اور اس پر اس کا معمول مقدم نہ ہو، تو اس پر "لام" اور "قد" کا آنا ضروری ہے۔ مگر یہ کہ کلام طویل ہو جائے: تو ایک پر اکتفاء بھی جائز ہے، جیسے سورہ "شمس" میں "والشمس" کے جواب "قد افلح من زکّھا" میں کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے صرف "قد" پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ (روح المعانی: ۱۵۷/۱۶ اور رضی: ۳۲۱/۴)

نوٹ: "قُتِلَ......" کے جواب قسم ہونے کی صورت میں "قُتِلَ" جملہ خبریہ ہوگا۔ اور اگر اس کو جملہ انشائیہ دعائیہ مانا جائے، تو جواب قسم محذوف ہوگا: "إنهم لمقتولون" اور جملہ: "قتل......" جواب قسم پر دلالت کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ جملہ طلبیہ واؤ قسمیہ کا جواب واقع نہیں ہوتا ہے۔ من الروح: ۱۵۷/۱۶، وکافیہ مع الرضی: ۳۰۹/۴۔

الاخدود سے، اور رابطہ محذوف ہے، ای النار فیہ (ذات الوقود) صفت النار کی (اذ هم عليها قعود) "اذ" ظرفیہ مضاف مفعول فیہ "قتل" کا (هم) مبتدا (عليها) قعود کے متعلق (قعود) خبر اور جملہ: "هم عليها ......" محلاً مجرور مضاف الیہ (وهم على ما يفعلون بالمؤمنين شهود) واؤ عاطفہ (هم) مبتدا (على ما يفعلون) "شُهُوْد" کے متعلق (بالمؤمنين) "يفعلون" کے متعلق، (شهود) خبر، اور جملہ: "هم على ما يفعلون......" محلاً مجرور معطوف "هم عليها ......" پر (وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُّؤْمِنُوْا(۱) بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ) "واؤ" عاطفہ (مِنْهُمْ) مَا نَقَمُوْا کے متعلق "الا" حرف استثناء ملغی "أن" موصول حرفی "يؤمنوا" صلہ، موصول صلہ سے مل کر محلاً منصوب مفعول بہ مانقموا کا، (بالله) متعلق، (العزيز الحميد) دونوں صفت (الذی) صفت ثالث، (له) خبر مقدم (ملك السموت والأرض) مبتدا مؤخر اور جملہ: "له......" صلہ موصول کا اور جملہ: "مانقموا منهم" معطوف "وهم على ما يفعلون......" پر (والله على كل شيء شهيد) واؤ استینافیہ اور لفظ جلالہ مبتدا (على كل شيء) شهيد کے متعلق، (شهيد) خبر، اور جملہ: "الله......" مستانفہ، (إِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ) (الذين) محلاً منصوب إِنَّ کا اسم (فتنوا......) صلہ (ثم لم يتوبوا) صلہ پر معطوف، "فا" برائے رابطہ(۲) لهم خبر مقدم، (عذاب جهنم) مبتدا مؤخر، اور جملہ: "لهم ......" محلاً مرفوع خبر انَّ کی، (ولهم عذاب الحريق) لهم عذاب جهنم کی طرح ترکیب ہو کر جملہ محلاً مرفوع معطوف جملہ: "لهم عذاب جهنم" پر، اور جملہ: "ان الذين فتنوا ......" مستانفہ (ان الذين امنوا......) إِنَّ اور اس کا اسم، (لهم) خبر مقدم جنات مبتدا مؤخر، اور جملہ (تجری) محلاً مرفوع صفت جنات کی (من تحتها) متعلق، (الأنهار) فاعل، اور جملہ: "لهم جنت......" محلاً مرفوع خبر ان کی، اور جملہ: "ان الذين ......" مستانفہ، (ذالك) مبتدا (الفوز) خبر (الكبير) صفت اور جملہ: "ذالك......" مستانفہ(۳)۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کریگا۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ اور وہی بڑا بخشنے والا، بڑی محبت کرنے والا ہے۔ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ عرش کا مالک، عظمت والا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہونچا ہے۔ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝

---

(۱) "الا ان آمنوا" کے بجائے "الا ان يؤمنوا" اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ سزا آئندہ ایمان پر قائم رہنے پر ہے، نہ کہ ماضی میں ایمان لانے پر۔ (روح: ۱۶/۱۶۲) (۲) مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو خبر پر "فا" کا دخول صحیح ہوتا ہے، اور اس کے بہت سے موقع ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مبتدا اسم موصول ہو جس کا صلہ فعل ہو جیسا کہ یہاں ہے، اور اس "فا" کو "فا" جزائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ کمافی زینی زادہ علی الالفیہ: ۲۳۔ (۳) ترکیب اعراب القرآن لمحی الدین، اعراب القرآن وصرفہ: ۱۰/۱۸۹ اور روح المعانی: ۱۶/۱۵۲ تا ۱۶۳، سے ماخوذ ہے۔

یعنی فرعون اور ثمود کا۔ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ⑲ بلکہ یہ کافر تکذیب میں ہیں۔ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ⑳ اور اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ㉑ بلکہ وہ ایک با عظمت قرآن ہے۔ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ㉒ جو لوح محفوظ میں ہے۔

ربط: اوپر دو مضمون آئے ہیں، کفار کے لئے جہنم ہونا، اور مؤمنین کے لئے جنت ہونا، اور مذکورہ بالا آیات میں ان دونوں مضمون کی تقریر وتاکید کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب اپنے بعض افعال وصفات کو بیان فرمایا ہے۔

تفسیر: (اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ، اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ......) بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے (اسی لئے ظالموں اور مجرموں کو سخت ترین سزا دیتا ہے، اور نیز) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ (قیامت میں بھی) پیدا کریگا (لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ گو پکڑ سخت ہے، مگر قیامت ہی واقع نہ ہوگی جو کہ پکڑ کا وقت ہے اس سے کفار کے لئے وعید کے مضمون کی تقریر وتاکید ہوگئی۔ آگے مؤمنین کے لئے جو وعدہ ہے اس کی تقریر ہے اور وہی بڑا بخشنے والا، بڑی محبت کرنے والا ہے، لہٰذا ایمان والوں کے گناہ معاف کردیگا اور ان کو اپنا محبوب بنائیگا اور ان کے ساتھ اس لطف کرم کا معاملہ فرمائیگا، جو محبوب کے ساتھ کیا جاتا ہے، (اور) عرش کا مالک (اور) عظمت والا ہے یہ دونوں صفت دونوں مضمون (سزا دینا اور مؤمنین کو ثواب دینا) سے متعلق ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہ دونوں کے لئے سلطنت اور صفات کمال والا ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ کفار کی وعید کے مناسب "بطش" صفت کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، اس لئے اس قرینہ کی وجہ سے یہاں مؤمنین کے ثواب کو بیان کرنا مقصود ہے، لہٰذا یہ دونوں صفت مؤمنین کے وعدہ کی تقریر کے لئے ہے۔ آگے دونوں مضمون کے اثبات کے لئے ایک صفت ارشاد فرماتے ہیں: "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" (وہ) جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے یعنی اپنے علم وحکمت کے موافق جو کرنا چاہے اس میں کچھ دیر نہیں لگتی اور نہ کوئی روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے، لہٰذا وہ کسی مجرم کو سزا دینا چاہے، یا مؤمن، ونیک کردار کو نوازنا چاہے؛ تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ آگے مؤمنین کو مزید تسلی دینے اور کفار کو مزید تنبیہ کرنے کے لئے کچھ خاص لوگوں کا (جن پر غضب الٰہی نازل ہوا) حال بیان کیا جارہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ...... کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہونچا ہے یعنی فرعون (اور آل فرعون) اور ثمود کا (کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مدت تک انعام واکرام کا دروازہ ان پر کھلا رکھا تھا، اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں ان کو پہونچتی تھیں؛ پھر ان کے کفر وطغیان کی بدولت کیسا سخت انتقام لیا گیا، جس کا بیان قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آیا ہے) اس سے مؤمنین کو تسلی حاصل کرنا چاہیے کہ ان کو ستانے والے بھی وقت مقرر پر پکڑ جائیں گے، اور کفار کو ڈرنا چاہئے مگر کفار بالکل عذاب سے نہیں ڈرتے۔ آگے یہی مضمون ہے۔) بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب میں لگے ہوئے ہیں (عذاب کے مضمون اور دیگر مضامین کو جھٹلاتے ہیں، اور (انجام کار اس کی سزا کو بھگتیں گے کیونکہ) اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں (اسکے قبضۂ قدرت اور سزا سے بچ نہیں سکتے، اور قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے کیونکہ قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک با عظمت کتاب

ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے جس میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا احتمال نہیں ہے، اور وہاں سے نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہونچایا جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں قرآن کی تکذیب بلاشبہ جہالت اور موجب عقوبت ہے۔

اللغة: (بطش) دارو گیر، پکڑ، مصدر، بطش بفلان (ض) بطشا: سختی کے ساتھ پکڑنا۔ (شدید) سخت، بروزن فعیل بمعنی فاعل صفت مشبہ، ج: شِدادٌ، أشِدّاءُ و شُدُودٌ، شَدَّ الشيءُ (ض) شِدَّةً: سخت و مضبوط ہونا، قوی ہونا، سے اور "بطش" کے معنی چونکہ سخت پکڑ کے ہے، اور پھر بھی اسکی صفت "شدید" ذکر کی گئی ہے، لہذا یہ پکڑ اور دارو گیر انتہائی سخت ہوگی (۱)۔ حضرت تھانویؒ کا ترجمہ: "بیشک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے" اسی تفصیل کے پیش نظر ہے۔ (یُبدِیء) وہ پہلی مرتبہ (پیدا) کرتا ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب افعال سے۔ أبدأ، إبداءً (افعال) و بَدَأَ (ف) بَدْأً: پہلی مرتبہ کرنا، شروع کرنا، لیکن "بدا" اور "إبداء" میں فرق یہ ہے کہ ابداء بغیر اعادہ کے مستعمل نہیں ہوتا ہے (۲)۔ اور "یبدا" کا مفعول بہ "الخلق" محذوف ہے (۳)۔ اس لئے ترجمہ کیا گیا ہے: "وہ پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے" اسی طرح "یعید" کا مفعول بہ بھی الخلق محذوف ہے۔ (یُعِیدُ) دوبارہ (پیدا) کرتا ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، أعادَ إعادَةً (افعال): دوبارہ کرنا، لوٹانا، سے۔ (الغَفُورُ) بڑا بخشنے والا، فَعُولٌ بمعنی فاعل، صیغہ مبالغہ (۴)۔ باب "ضرب" سے غَفْرٌ، غُفْرَانٌ اور مَغْفِرَةٌ مصدر ہیں۔ (اَلْوَدُوْدُ) بڑی محبت کرنے والا، "فعول" بمعنی فاعل، صیغہ مبالغہ (۵) باب سمع سے، وَدَّ (س) وَدًّا، وَدَادَةً، و مَوَدَّةً: محبت کرنا، تمنا کرنا۔ (اَلْمَجِیْدُ) عظمت والا۔ اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ہے، اور اصلاً صفت مشبہ کا صیغہ ہے باب "کرم" سے۔ مَجُدَ (ک) مَجْدًا و مَجَادَةً: بزرگی اور عظمت والا ہونا۔ (فَعَّالٌ) بہت زیادہ کرنے والا، سب کچھ کرنے والا، مبالغہ کا صیغہ، باب فتح سے، فَعَلَ (ف) فِعْلاً: کرنا، (یُرِیْدُ) چاہتا ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، أرادَ، إرَادَةً (افعال): چاہنا، ارادہ کرنا۔ (الجُنُوْد) لشکر جُنْدٌ کی جمع: اجناد بھی جمع آتی ہے۔ (ثَمُوْدُ) عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے، جس کا اپنے مورث اعلی (ثمود) کے نام پر نام پڑ گیا ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے:- ثمود بن عابر (۶) بن ارم بن سام بن نوح، اور بعض نے اس طرح بیان کیا ہے:- ثمود بن عاد بن عوص بن ارم الخ وھو المنقول عن الثعلبی۔ مزید تفصیل و تحقیق کے لیے لغات القرآن وغیرہ۔ (وَرَآئِهِمْ) انکے آگے پیچھے، مراد ہر جانب ہے۔ (مُحِیطٌ) گھیرنے والا ہے، اسم فاعل واحد مذکر باب افعال سے۔ أحَاطَ إحاطَةً: گھیرنا، و بالأمر: کسی بات کا پورا علم رکھنا۔ (لَوْحٌ) اسم جامد، جمع ألْواحٌ: کشتی کا تختہ، ہر تختہ، لکھنے کی چوڑی تختی کسی بھی چیز کی ہو "لوح محفوظ" جس کو "ام الکتاب" بھی کہا گیا

---

(۱) روح: ۱۵/۱۰۵۔ (۲) حاشیہ بیان القرآن سورہ "عنکبوت" ع: ۲۔ (۳) روح المعانی: ۱۵/۱۰۵۔ (۴) روح: ۱۵/۱۰۵۔

(۵) روح: ۱۵/۱۰۵۔ (۶) ابن کثیر: ۳/۲۲۷، میں ابن عاثر (ث) کے ساتھ، اور بیان القرآن (سورہ فجر) میں عابر "با" کے ساتھ لکھا ہے اور روح: ۵/۲۳۱ میں ابن عامر لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہے۔ کما قال تعالیٰ "وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ" کیا ہے؟ کیسی ہے؟ اللہ ہی کو معلوم ہے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے کچھ اقوال ناقابل فہم مروی ہیں (۱) بس اتنا سمجھنا چاہئے، کہ "لوح محفوظ" سے مراد: اللہ تعالیٰ کی علمی کتاب ہے، جس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے، سابق ولاحق، حاضر وغائب، کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جس طرح واقعات گزرنے کے بعد لوح (تختی) پر باقی رہ جاتے ہیں، اور وہ (تختی) اپنے مضمون کو ظاہر کرتی ہے اسی مناسبت سے شاید اللہ تعالیٰ کے صحیفۂ علمی کو "لوح" کہا جاتا ہے۔ لَاحَ (ن) لَوْحاً کے معنی: ظاہر ہونا ہے۔ (۲) (محفوظ) اسم مفعول واحد مذکر، باب سمع سے، حفاظت کیا ہوا، "لوح محفوظ" کو محفوظ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کمی بیشی اور بقول "بغوی" شیاطین کی دسترس سے اور بقول محققین مخلوق کی علمی رسائی سے محفوظ ہے (۳)۔

ترکیب: (اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ) (انّ بطش......) انّ اور اسکا اسم لام، مزحلقہ، (شدید) خبر اور جملہ: "انّ بطش......" مستانفہ۔ (انه هو يبدئ ويعيد) جملہ: "يبدئ" محلا مرفوع خبر ھو کی اور جملہ: "ھو يبدئ" محلا مرفوع خبر انکی اور جملہ: "إنّه ......" تعلیلیہ، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ جملہ: "يعيد" معطوف يبدئ پر، (وهو الغفور الودود) واؤ عاطفہ (ھو) مبتدا، (الغفور) خبر اول، (الودود) خبر ثانی (ذو العرش) خبر ثالث (المجيد) خبر رابع، (فعّال) خبر خامس، اور "زمخشری" نے "فعال" کو ھو مبتدا محذوف کی خبر مانا ہے۔ (۴) (لما يريد) فعال کے متعلق، اور جملہ: "هو الغفور......" محلا مرفوع معطوف "يبدئ" پر۔ (هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ) (فرعون وثمود) بدل الجنود سے اور جملہ: "هل اتاك ......" مستانفہ (بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ) "بل" حرف اضراب وانتقال، (الذين كفروا) مبتدا، (في تكذيب) خبر، اور جملہ: "الذين كفروا......" مستانفہ۔ (والله من ورائهم محيط) واؤ اعتراضیہ، یا حالیہ یا عاطفہ، (الله) مبتدا (من ورائهم) محیط کے متعلق (محيط) خبر، اور جملہ: "الله ......" اعتراضیہ، اور واؤ کے حالیہ ہونیکی صورت میں جملہ محلا منصوب كَائِنُوْنَ کی ضمیر سے جس سے في تكذيب متعلق ہے، اور واؤ کے عاطفہ ہونے کی صورت میں معطوف جملہ: "الذين كفروا......" پر۔ (بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ) "بل" حرف اضراب (مجيد) صفت (في لوح) قرآن کی صفت ثانی، اور جملہ: "هو قرآن......" مستانفہ (۵)۔

---

(۱) شائقین ابن کثیر: ۴/۴۹۷ اور روح: ۱۵/۱۰۷ کی مراجعت کرسکتے ہیں۔

(۲و۳) ازلغات القرآن: ۵/۲۳۱ والروح: ۱۵/۱۰۸۔

(۴) واطلق "الزمخشری" بأنّ "فعال" خبر لمبتدا محذوف، فقال صاحب "الكشف" إنما لم يحمله على انه خبر السابق لأن قوله سبحانه: (فعال لمايريد) تحقيق للصفتين: البطش بالأعداء والغفرو الودّ بالأولياء، ولو حمل عليه لفاتت هذه النكتة" قال صاحب الروح: وهو تدقيق لطيف. (روح المعانی: ۱۵/۱۰۶)

(۵) من الروح: ۱۵/۱۰۶، واعراب القرآن: ۸/۲۷۲، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۲۹۵

(۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (۳۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۝ قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات میں نمودار ہونے والی ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ۝ اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ۝ وہ روشن ستارہ ہے۔ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۝ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی یاد رکھنے والا مقرر نہ ہو۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۝ تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۝ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۝ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ۝ بے شک وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔

ربط: اس سے پہلی سورت میں مؤمنین کے لئے تسلی اور کفار کے لئے عذاب الٰہی کی وعید مذکور تھی۔ ظاہر ہے اس عذاب وسزا کا جس سے کفار ومکذبین کو ڈرایا گیا ہے، تحقق اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قیامت واقع ہو، اور جن اعمال پر سزا ہونی ہے وہ بھی محفوظ ہوں۔ اس لئے اس سورت میں اعمال کے محفوظ ہونے اور قیامت کے ممکن اور واقع ہونے کو بیان کیا گیا ہے، نیز بعث بعد الموت کی دلیل یعنی قرآن کے حق ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح اس سورت کو پہلی سورت کے اختتام سے بھی مناسبت ہوگئی اس لئے کہ اس کے آخر (بل هو قرآن مجيد) میں قرآن کریم کی حقانیت کا مضمون تھا۔

تفسیر: (وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ الخ) قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات میں نمودار ہونے والی ہے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے، وہ روشن ستارہ ہے حضرت "حسن بصری" کی رائے جس کو حضرت "تھانوی" نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ نجم سے مراد کوئی متعین ستارہ نہیں ہے، ہر روشن ستارہ اس کا مصداق ہوسکتا ہے۔

(اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ) (یہ جواب قسم ہے کہ) کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر کوئی (اعمال کا) یاد رکھنے والا(۱) (فرشتہ) مقرر نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اعمال پر محاسبہ ہونے والا ہے، اس لیے ان کی حفاظت اور یاد رکھنے کا یہ انتظام کیا گیا ہے، گرچہ اللہ تعالیٰ کو سب کے سب اعمال معلوم ہیں۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت: اس قسم کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے ہر وقت موجود ہیں، مگر ظہور ان کا رات کے وقت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اعمال وکارنامے اس وقت بھی نامۂ اعمال میں محفوظ ہیں، مگر ظہور ان کا خاص قیامت میں ہوگا(۲)۔

---

(۱) یہاں چونکہ جنس مراد ہے، جس کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے لہٰذا اس آیت اور سورہ انفطار کی آیت "وان عليكم لحافظين" میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ از معارف القرآن: ۸/۷۱۷۔ (۲) كما قال تعالىٰ: "وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ ←

(فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ الخ جب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اعمال پر محاسبہ ہوتا ہے، تو انسان کو قیامت کی فکر اور اس کے لئے تیاری کرنی چاہئے، اس طرح کہ اپنے کو احکام الٰہی کے تابع کر دے۔ اور اگر کسی کو قیامت کے مستبعد اور ناممکن ہونے کا شبہ ہو تو اس کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) سے نکلتا ہے اس پانی سے مراد منی ہے جو اچھل کر نکلتی ہے خواہ صرف مرد کی ہو یا مرد وعورت دونوں کی۔ اچھل کر نکلنا عورت کی منی میں بھی ہوتا ہے، گرچہ مرد کی منی کے برابر اچھلنا نہیں ہوتا ہے۔

اور دوسری صورت (جبکہ پانی سے مراد مرد وعورت دونوں کی منی ہو) پر لفظ "ماء" کو مفرد اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ دونوں پانی ملنے کے بعد شئی واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اور منی کے بارے میں یہ جو کہا گیا ہے کہ پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے، بعض نے تو اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے، مگر اعضاء انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر عضو سے نکلتا ہے، اور بچے کا ہر عضو اس جزء سے بنتا ہے جو مرد وعورت دونوں کے اس عضو سے نکلتا ہے، لہٰذا آیت کا بے تکلف مطلب یہ ہے کہ نطفہ مرد وعورت دونوں کے سارے بدن سے نکلتا ہے، اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم دو عضو سے کر دی گئی ہے، سامنے کے حصہ میں سینہ اور پیچھے کے حصہ میں پشت اہم عضو ہیں (۱)۔ حاصل یہ کہ نطفہ سے انسان بنا دینا زیادہ عجیب ہے دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت، اور جب زیادہ عجیب چیز اس کی قدرت سے ظاہر ہو رہی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بیشک وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (۲)

اللغة: (الطَّارِق) رات میں نمودار ہونے والی چیز، جمع: طُرَّاق، عقلاء میں، اور طَوَارِق غیر عقلاء میں، اسم فاعل واحد مذکر "طَرَق" (ن) طَرْقًا وَطُرُوْقًا: رات کے وقت آنا، سے۔ اور مزید تحقیق وتفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔

(الثَّاقِبُ) روشن اسم فاعل، واحد مذکر، ثَقَبَ (ن) النجمُ ثُقُوْبًا: چمکنا، روشن ہونا (۳)۔

(اِنْ) نہیں، حرف نفی، غیر عامل، (لَمَّا) حرف استثناء "اِلَّا" یعنی مگر کے معنی میں (۴)۔ (دَافِق) اچھلتا ہوا، یہ یا تو اسم مفعول (مدفوق) یعنی اچھالا ہوا کے معنی میں ہے اور اس کے لئے چونکہ اچھلنا لازم ہے، اس لئے لازمی مفہوم کو سامنے رکھ کر "اچھلتے پانی" سے ترجمہ کر دیا گیا ہے، یا یہ صیغہ "لابن" (دودھ والا) کی طرح نسبت کے لئے ہے، (۵) اس وقت اس کے معنی ہوں گے: ذی دفق (اچھال والا) یہ معنی اسم فاعل واسم مفعول دونوں پر صادق ہیں، اس لئے کہ دونوں میں اچھال ہے،

→ مَنْشُوْرًا " (سورہ بنی اسرائیل رکوع:۲) ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر سامنے رکھ دیں گے، جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا۔

---

(۱) از معارف القرآن: ۸/۷۱۸۔ (۲) "ضرور" حرف تاکید کا ترجمہ ہے۔ (۳) المعجم الوسیط ص ۹۷۔ (۴) "لما" کے سلسلہ میں مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ، سورہ "عبس" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۵) وقد جاء فاعل بمعنى مفعول نحو: ماء دافق، اى: ماء مدفوق، وعيشة راضية اى: مرضية. والأولىٰ ان يكونا على النسب۔ (رضی: ۳/۴۸۵)

لیکن یہاں مراد ثانی ہے، اور یہ اسم فاعل نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت معنی ہوں گے اچھالنے والا، اور یہ معنی درست نہیں ہے اس لئے کہ پانی (قطرۂ منی) کسی چیز کو اچھالنے والا نہیں ہے، بلکہ خود اچھلنے والا ہے۔ دَفَقَ الْمَاءَ (ن) دَفْقًا: پانی کو زور سے گرانا، جس کو اچھالنا کہتے ہیں۔ (صُلْبٌ) کمر کی ہڈی، جس کو ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، جمع: اَصْلَابٌ، اَصْلُبٌ، صِلَبَةٌ۔ (التَّرَائِبِ) اسم جامد، تَرِیْبَةٌ کی جمع، سینہ کی ہڈیاں جہاں ہار پڑا رہتا ہے۔ (اللہ) بلا شبہ وہ، یعنی اللہ تعالیٰ۔ (علی رجعه) اس کے (انسان کے) لوٹانے پر، یہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے، (قَادِرٌ) قدرت رکھنے والا، صیغۂ اسم فاعل واحد مذکر، قَدَرَ عَلَیْهِ (ض) قُدْرَةً، وقَدَارَةً: قدرت کا ہونا، بس چلنا۔

ترکیب: (وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ) اُقْسِمُ کے متعلق ہو کر جملہ قسمیہ ابتدائیہ، (وما ادرٰک) واؤ اعتراضیہ (ما) اسم استفہام محلا مرفوع، مبتدا، (ادری) فعل "ھو" ضمیر پوشیدہ راجع "ما" کی طرف، محلا مرفوع فاعل، "کاف" ضمیر متصل محلا منصوب مفعول بہ اول، (ما الطَّارِقُ) (ما) اسم استفہام مبتدا، (الطارق) خبر، اور جملہ: "ما الطارق" ادریٰ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلا منصوب، اور جملہ: "ما ادری......" معترضہ، (ان) حرف نفی (کُلُّ نَفْسٍ) مبتدا، (علیها) (ثابت) کے متعلق ہو کر خبر مقدم (لَمَّا) بمعنی الا حرف استثناء، (حافظ) مبتدا مؤخر، اور جملہ: "علیها حافظ" محلا مرفوع خبر کل نفس مبتدا کی، اور جملہ: "ان کل نفس......" جواب قسم، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، "فلینظر الانسان" فا تفریعیہ (۱) یا استئنافیہ (مِمَّ) "من" حرف جر "ما" اسم استفہام محلا مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق (خلق) کے اور جملہ: "مِمَّ خُلِقَ" محلاً منصوب لینظر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ (خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ) جملہ مستانفہ بیانیہ، (یَخْرُجُ) فعل با فاعل (مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ) متعلق یخرج کے، اور جملہ: "یَخْرُجُ" محلا مرفوع صفت ثانی "مَاءٍ" کی، (اللہ) ان اور اس کا اسم (عَلٰی رَجْعِهٖ) متعلق قادر کے (۲)، (لقادر)، "لام" مزحلقہ، "قادر" صیغہ اسم فاعل ("ھو" پوشیدہ ضمیر) اپنے فاعل سے مل کر خبر اور جملہ: "اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ......" مستانفہ (۳)۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی۔ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۙ پھر اس کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے۔

---

(۱) مفرع علی ما قبله ولیست الفاء بفصیحة خلافا للطیبی (روح المعانی) (۲) اور بعض نے "قادر" محذوف کے متعلق قرار دیا ہے اور "قادر" مذکور کو محذوف کی تاکید مانا ہے۔ (روح المعانی) تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "الله لقادر علی رجعه لقادر" مزید تفصیل "یوم تبلی السرائر" کی ترکیب کے تحت حاشیہ میں ہے۔ (۳) از اعراب القرآن وصرفہ: ۳۹۹/۱۵ و روح المعانی: ۱۸۲/۱۶۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں یہ بات بیان کی گئی تھی، کہ اللہ تعالیٰ قیامت یعنی انسان کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور مذکورہ بالا آیات میں اس کا وقت بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔ (یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ......) (یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی[1] یعنی قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد وخیالات، دل میں پوشیدہ نیت وعزم، جس کو دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا اور اسی طرح وہ اعمال وافعال، جو اس نے چھپ کر کیے تھے، جن کی دنیا میں کسی کو خبر نہیں تھی، سب معلوم اور ظاہر ہو جائیں گے اور دنیا میں جس طرح موقع پر جرم سے مکر جاتے ہیں اور اس کو چھپا لیتے ہیں، یہ بات وہاں ممکن نہ ہوگی۔ پھر اس (انسان) کو نہ تو خود (مدافعت) کی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا یعنی خود بھی عذاب سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا بچا سکے گا۔ (وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ) (قیامت کا امکان تو عقلی ہے لہٰذا دلیل عقلی سے اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے مگر وقوع نقلی ہے، جس کے لئے دلیلِ نقلی کی ضرورت ہے اور وہ قرآن کریم ہے اور اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو اس کے متعلق ہم کہتے ہیں) قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکلنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے: "إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ" کہ یہ قرآن (حق وباطل میں) فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے (جس طرح یہ کلام اپنی دلالت سے واقعی اور غیر واقعی باتوں میں فیصلہ کرنے والا ہے اسی طرح اپنی صفتِ اعجاز[2] سے ان دو احتمالوں کا بھی کہ یہ منجانب اللہ ہے یا نہیں، فیصلہ کر دینے والا ہے اور منجانب اللہ ہونے کی شق کو متعین کر دینے والا ہے لہٰذا قرآن کا حق ہونا اور اس سے قیامت کے وقوع کا حق ہونا ثابت ہو گیا۔

قسم کو جواب قسم سے مناسبت: اس قسم کو جواب قسم کے مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قابلیت ہوتی ہے اسکو مالامال کرتا ہے جیسے بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے۔[3]

اللغة: (تُبْلَى) آزمایا جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول۔ بَلَاهُ (ن) بَلْواً، وَبَلَاءً: آزمانا۔ (اَلسَّرَائِرُ) سریرۃ بمعنی راز و پوشیدہ بات کی جمع۔ معلوم ہونا چاہئے کہ "تُبْلَى السَّرَائِرُ" کا لفظی ترجمہ ہے: بھیدوں کو جانچا جائیگا۔ اور جانچنا چونکہ معلوم کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے یہ لازم (معلوم اور منکشف ہونا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت تھانوی نے اسی لازمی مفہوم کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے: "جس روز سب کی قلعی کھل جائیگی" اور ترجمہ "سب کی قلعی" یا تو جمع کی وجہ سے ہے، یا مضاف الیہ محذوف ہے تقدیری عبارت ہے سرائر جمیع الناس۔ (حاشیہ بیان القرآن) (ناصر) مددگار، حمایتی، نَصَرَهُ (ن) نَصْراً و نُصْرَةً: مدد کرنا، سے۔ (السَّمَاءِ) آسمان، بادل، دوسرے معنی مجازی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق یہاں یہی معنی مراد ہے۔ (الرَّجْعِ) مینہ، بارش، اصلاً یہ مصدر ہے، باب ضرب کا، رَجَعَ (ض) رَجْعاً، وَرُجُوعاً: لوٹنا، لوٹانا، "رَجْعٌ" متعدی اور ایک قول کے مطابق لازم بھی استعمال ہوتا ہے، البتہ "رُجُوعٌ" لازم کے ساتھ خاص ہے۔ بارش کو جیسے "رجع" کہا جاتا ہے اسی طرح "اَوْب" بھی کہا جاتا ہے جواب: لوٹنا کا مصدر ہے اور بارش کو

---

(۱) قلعی کھلنا: حقیقت ظاہر ہونا، اصلیت معلوم ہونا۔ (۲) معجزہ ہونا۔ (۳) از بیان القرآن: ۹۲/۱۲۔

"رجع" کہنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نام اس لئے رکھا گیا تا کہ وہ لوٹ کر آئے (الصَّدْعِ) اصلاً مصدر ہے، بمعنی پھاڑنا، باب "فتح" سے یہاں پھاڑ از زمین سے اگنے والی نباتات مراد ہیں، کیونکہ یہ اگنے سے زمین کو پھاڑ دیتی ہیں لہذا معنی ہوں گے: نباتات والی زمین کی قسم، اس وقت "الصدع" مصدر معروف ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ "الصدع" مصدر مجہول ہو بمعنی پھاڑا جانا، چونکہ زمین نباتات کے ذریعہ پھٹتی ہے اس لئے اس کو "ذات الصدع" کہا گیا ہے، (۱)حضرت شیخ "الہند" اور حضرت تھانویؒ کے ترجمہ میں اس دوسرے احتمال کی رعایت ہے۔ (اِنَّهٗ) بلا شبہ یعنی قرآن، ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے (۲)۔ (الهَزْلِ) اصلاً مصدر (۳) لغو اور باطل چیز، کھیل ہنسی کی بات، هَزَلَهٗ (ض) هَزْلًا: بے ہودگی کرنا، وَفِيْ كَلَامِهٖ: هَزْلًا (ض) فهو هَازِلٌ وهَزَّالٌ، وهَزِلَ (س) هَزَلًا: ہنسی کرنا، ٹھٹھا کرنا۔

ترکیب: (يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ) (یوم) ظرف (مفعول فیہ) فعل محذوف "يَرْجِعُهٗ" کا جس پر "على رجعه" دلالت کر رہا ہے، اور جملہ: مقدرہ "يرجعه ......" مستانفہ۔ یا "رَجْعِهٖ" مذکور کا، (۴) یا "اذکر" فعل محذوف کا مفعول بہ، اور جملہ: "تبلى......" محلا مجرور "یوم" کا مضاف الیہ، (السرائر) نائب فاعل، "فا" فصیحہ شرط محذوف "اِذَا رَجَعَهٗ" کے جواب میں، یا عاطفہ (۵)، "ما" حرف نفی، غیر عامل، (۶) (له) خبر مقدم (من) حرف جر زائد (قوة) لفظا مجرور، محلا مرفوع، مبتدا مؤخر۔ "واؤ" حرف عطف، "لا" زائدہ "ناصر" لفظا مجرور، محلا مرفوع معطوف "قوة" پر اور جملہ: "ماله ......" "اذا" کا جواب، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور "فا" کے عاطفہ ہونے کی صورت میں محلا مجرور معطوف "تبلى......" پر۔

(وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ) "واؤ" حرف جر برائے قسم (السَّمَآءِ) مجرور، جار مجرور سے مل کر فعل محذوف "اُقْسِمُ" کے متعلق، اور جملہ: "(اقسم) والسماء......" مستانفہ، (ذَاتِ الرَّجْعِ) صفت السماء کی، (الارض) معطوف السماء پر، (ذات الصدع) صفت الارض کی، (قَوْلٌ) خبر انّ کی، (فصل) فاصل کے معنی میں ہو کر صفت "قول" کی، یا مبالغۃً صفت ہے، اور جملہ: "انه لقول ......" قسم کا جواب، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔

(وما هو بالهزل) واؤ عاطفہ "ما" مشابہ بلیس، (هو) ضمیر مرفوع منفصل محلا مرفوع "ما" کا اسم "با" حرف جارہ زائد،

---

(۱) از روح: ۱۶ وزکریا/ ۱۷۹ واعراب القرآن: ۸/ ۲۷۸۔ (۲) مذکورہ۔ (۳) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۰۳۔

(۴) ظرف میں چونکہ ایسی باتوں کی گنجائش ہوتی ہے، جن کی غیر ظرف میں نہیں ہوتی ہے، لہذا یہ اشکال نہ ہونا چاہئے، کہ عامل (رجعه) اور اس کے معمول (یوم) کے درمیان اجنبی (لقادر) کا فصل ہے، جو نا جائز ہے، اس کا دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ "قادر" یا تو "على رجعه" کا عامل ہے، یا یہ کہ اس کا عامل دوسرا "لقادر" محذوف ہے، اور تقدیری عبارت ہے:- "اِنَّهٗ لَقَادِرٌ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ"، اُن حضرات کے نزدیک جو "لام ابتداء" کے مابعد کو ماقبل میں عامل نہیں مانتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں قادر عامل ہے اور دوسری صورت میں عامل کی تفسیر ہے، لہٰذا یہ اجنبی کا فصل نہیں ہے۔ (روح المعانی: ۱۶/ ۱۷۷)۔

(۵) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۰۲، واعراب القرآن: ۸/ ۲۷۹۔ (۶) "ما" مشابہ بلیس کی خبر جب مقدم ہو تو یہ عمل نہیں کرتا ہے۔ (کافیہ)

(المھزل) لفظاً مجرور محلاً منصوب خبر "ما" کی اور جملہ: "ماھو......" معطوف جملہ: "انہ لقول....." پر (۱)۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیر کر رہے ہیں۔ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ اور میں بھی طرح طرح کی تدبیر کر رہا ہوں۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ تو آپ ان کافروں کو یوں ہی رہنے دیجئے۔ ان کو تھوڑے ہی دن رہنے دیجئے۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں قرآن کریم کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے، اور مذکورہ بالا آیات میں قرآن کریم کے ساتھ کفار کا ناروا سلوک بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

(اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝) (اس بات کے ثابت ہونے کے باوجود کہ قرآن کریم کلام حق اور منجانب اللہ ہے، ان کفار ومشرکین کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ (حق کی نفی اور اس کی آواز کو دبانے کے لیے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے (اور میں بھی انکی ناکامی اور سزا کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں (اور ظاہر ہے کہ میری ہی تدبیر غالب آوے گی، چنانچہ قرآن کریم کی آواز بڑھتی گئی، اور اس کا پیغام پھیلتا چلا گیا، جاننے اور ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، اور مخالفین، ناکام ہوگئے۔ (فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝) اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ جب یہ سن لیا کہ میں تدبیر کر رہا ہوں تو آپ ان کافروں کی مخالفت سے نہ گھبرایئے، اور ان پر جلدی عذاب آنے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ ان کو یوں ہی رہنے دیجئے (اور زیادہ دن نہیں بلکہ) تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے (پھر عذاب نازل کروں گا، خواہ مرنے سے پہلے یا مرنے کے بعد)

اللغۃ: (يَكِيْدُوْنَ) وہ تدبیر کرتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف۔ كَادَ (ض) كَيْدًا: کسی کو نقصان پہونچانے کے لیے اس طرح حیلہ کرنا کہ اس کے سامنے اظہار اس کے خلاف ہو، دھوکہ دینا، اللہ تعالیٰ کی شان میں کیونکہ یہ حقیقی معنی محال ہے، اس لیے یہ مجازاً تدبیر کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۲) اور ابن اعرابی کا قول ہے کہ کید کے معنی ہے اچھی بری، تدبیر کرنا، اس وقت یہ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگا، مجاز کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے (۳) (مَهِّلْ) آپ مہلت دیدیجئے، یوں ہی رہنے دیجئے، صیغہ واحد مذکر، بحث امر حاضر معروف مَهَّلَهٗ تمہیلا (تفعیل): مہلت دینا، سے۔ (اَمْهِلْهُمْ) آپ انہیں مہلت دیجئے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف باب افعال سے مصدر (امہال) مہلت دینا۔ (رُوَيْدًا) تھوڑی سی نرمی کے ساتھ مہلت دینا۔ "رُوْد" (بضم الراء) (۴) بروزن "عُوْد" کی تصغیر ہے، اور "رُوْد" کے معنی نرمی کے ہیں اور یہ تصغیر بقول صاحب "روح المعانی" تحقیر وتقلیل (۵) دونوں کے لئے ہے (۶) لہٰذا اصلی معنی

---

(۱) ترکیب روح المعانی: ۱۶/ ۱۷۷ـ اعراب القرآن: ۸/ ۲۷۹، اور اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۰۲ سے ماخوذ ہے۔ (۲) من الروح: ۸/ ۴۱۔ تحت قولہ تعالیٰ: "کذالک کدنا لیوسف" ج۱۰/ ۹۱ تحت قولہ تعالیٰ: "تاللہ لا کیدن اصنامکم" (۳) اعراب القرآن: ۴/ ۱۸/ ۳/ ۱۳ـ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۲/ ۳۰۳ وروضی ۴/ ۱۷۶ـ (۵) تصغیر کی بہت سی اغراض ہیں، جن میں سے تحقیر وتقلیل بھی ہے۔ تحقیر کے معنی ہے: کسی چیز کے حقیر اور درجہ کے اعتبار سے گھٹیا ہونے کو بیان کرنا، جیسے "رُجَيْلٌ" "معمولی درجہ کا آدمی"، "عُوَيْلِمٌ" "معمولی درجہ کا ←

ہوئے: معمولی اور تھوڑی سی نرمی کرنا، اور چونکہ اس میں تضمین ہے۔ امہال (مہلت دینا) کی، اس لئے اب اس کے معنی ہوئے: معمولی اور تھوڑی سی نرمی کے ساتھ مہلت دینا، اور اسی تضمین کی وجہ سے یہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے، چنانچہ مصدر کی صورت میں "رُوَیْدًا زَیْدًا" زید کو تھوڑی سی مہلت دینا، اور اسم فعل بمعنی امر کی صورت میں "رُوَیْدَ زَیْدًا" (زید کو مہلت دے) کہا جاتا ہے، ورنہ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے یہ لازم ہے، جو مفعول بہ کا تقاضا نہیں کرتا ہے(۱)۔

مذکورہ آیت "امہلہم رویدا" میں تین احتمال ہیں:- (۱) "رُوَیْدًا" مصدر ہو، اور مفعول مطلق برائے تاکید ہو "امہلہم" کا۔ (۲) امہالا مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای: اَمْهِلْهُمْ اِمْهَالًا رُوَیْدًا. (۳) مصدر بمعنی اسم فاعل ہو اور فاعل کی ضمیر سے حال ہو، اس وقت معنی ہوں گے: اَمْهِلْهُمْ مُرْوِدًا: ان کو مہلت دیجیے درانحالیکہ آپ نرمی کرنے والے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔

ترکیب: (یکیدون) محلا مرفوع خبر ان کی، کیدا مفعول مطلق، اور جملہ: "انہم......" مستانفہ، (وَاَکِیْدُ کیدا) "واؤ" استینافیہ اور (اَکِیْدُ) جملہ مستانفہ (۲) (کَیْدًا) مفعول مطلق (فَمَهِّلِ الکافرین اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا) "فا" برائے ترتیب (۳) یا فصیحہ شرط مقدر (اِنْ کَانُوْا لَكَ) کے جواب میں (۴) (مہل) "فا" کے برائے ترتیب ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ (۵) اور فصیحہ ہونے کی صورت میں شرط مقدر کا جواب ہونے کی وجہ سے محلا مجزوم ہے، (امہلہم) بدل مہل سے۔

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸۷) (۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ آپ اپنے عالیشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے۔ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ جس نے بنایا پھر ٹھیک بنایا۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی۔ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ اور جس نے چارہ نکالا۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝ پھر اس کو سیاہ کوڑا کردیا۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی ۝ ہم (قرآن) آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ۝ مگر جس قدر اللہ کو منظور ہو۔ وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے۔

← عالم، اور تقلیل کے معنی ہے: شئی کے جسم اور ذات میں کمی کو بیان کرنا، جیسے "وُلَیْدٌ" (چھوٹا سا لڑکا) "طُفَیْلٌ" چھوٹا سا بچہ، یا مقدار اور عدد میں کمی بیان کرنا جیسے "دُرَیْهِمَاتٌ" تھوڑے سے درہم، کہا جاتا ہے: "اِشْتَرَیْتُ كِتَابًا بِدُرَیْهِمَاتٍ بِضْعٍ وَرُقَیْقَاتٍ نَافِعَةٍ" میں نے تھوڑے سے درہموں میں ایک کتاب خریدی، جس میں تھوڑے سے مفید اوراق ہیں۔ (النحو الوافی: ۴/۶۸۲)(۶) روح المعانی: ۱۶/۱۸۱ (زکریا)۔

(۱) من الرضی: ۳/۱۷۶ اور الروح: ۱۶/۱۸۱ او اعراب القرآن: ۸/۲۸۰۔ (۲) حاشیہ اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۰۳۔ (۳) روح المعانی: ۱۶/۱۸۰۔ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۶/۳۰۳۔ (۵) اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کا عطف درست ہو۔

ربط: پہلی سورت میں آخرت کی جزاوسزا کا ذکر تھا، اور اس سورت میں آخرت کی فلاح کے مقصود اصلی ہونے نیز اس کے حصول کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ طریقہ تسبیح خداوندی، ذات وصفات کی معرفت، تزکیہ، ذکر اور نماز ہے، اور آخرت ہی کے مقصود ومطلوب ہونے کو بتلانے کے لیے آخر میں دنیا کے اضمحلال اور فناء کو بیان کیا گیا ہے، نیز قرآن کریم کے ذریعہ دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

تفسیر: (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) (اے پیغمبر ﷺ) آپ (اور جو مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں)(۱) اپنے عالیشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے۔ تسبیح کے معنی: پاک رکھنا اور پاکی بیان کرنا ہے۔ اور لفظ اسم بہت سے مفسرین کے نزدیک آیت پاک میں زائد ہے، جس کو تعظیم کے مقصد سے زیادہ کردیا جاتا ہے، مثلاً "لبید" کا قول ہے:۔

"إِلَى الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَامِ عَلَيْكُمَا" اس میں لفظ "اسم" زائد ہے، اور معنی: "ثُمَّ السَّلَامُ عَلَيْكُمَا ہے" لہذا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے عالیشان پروردگار کی پاکی بیان کیجیے۔ یعنی ایسے وصف سے اس کو متصف نہ کیا جائے جو اس کی شایان شان نہیں ہے(۲)۔

(الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى) جس نے (ہر شئی) کو بنایا پھر ٹھیک بنایا۔ اس میں حق تعالی نے اپنے دو تصرف کو جو عام مخلوق سے متعلق ہیں، ذکر فرمایا ہے۔ پہلا تصرف "خلق" کا ہے، "خلق" کے معنی: محض صنعت گری کے نہیں ہے، بلکہ بغیر کسی سابق مادہ کے وجود میں لانا ہے، ظاہر ہے یہ کام کسی مخلوق کے بس میں نہیں، صرف حق تعالی شانہ کی قدرت کاملہ ہے، کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جب چاہتے ہیں؛ اور جس چیز کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔

دوسرا تصرف یہ ہے کہ حق تعالی نے جو ہر چیز کو بنایا ہے، تو ٹھیک ٹھیک بنایا ہے یعنی جسامت، شکل وصورت اور اعضاء واجزاء کی وضع وہیئت میں، ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا گیا ہے، چنانچہ انسان اور ہر جانور کو اس کی ضروریات وتقاضوں، اور اس سے متعلقہ خدمت کو سامنے رکھ کر اعضاء دئے گئے، اور ان میں وہ تناسب رکھا؛ جو خالق کائنات کے علاوہ کے بس سے باہر ہے۔ (وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى) اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی۔ اس میں بھی اللہ تعالی نے عام مخلوق سے متعلق اپنے دو تصرف بیان فرمائے ہیں: (۱) تجویز کرنا، اور مطلب تجویز کرنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے اور بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہر چیز کے لیے ان کاموں کو بھی تجویز کیا، جو اس کے لیے مناسب ہیں، اور ان کاموں کے انجام دینے کے لیے جن مناسب وسائل کی ضرورت تھی وہ وسائل بھی عطا فرمائے۔

(۲) راہ بتلانا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کام اللہ تعالی نے مخلوقات کے لیے تجویز کیے، ہر مخلوق کو اس کی ہدایت ورہنمائی

---

(۱) اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صیغہ عموم کے لیے ہے، صرف حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی اس سے مراد نہیں ہے اور دلیل عموم کی حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: "اجعلوها في سجودكم" (حاشیہ بیان القرآن)۔

(۲) ذهب كثيرٌ إلى انه (اى: لفظ الاسم) مقحم الخ، (روح:۱۶/۱۸۲ زکریا)

بھی فرمائی کہ اسے ان کاموں کو کرنا ہے اور اس طرح انجام دینا ہے۔

چنانچہ اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ آسمان وزمین، اور سیارات، پہاڑ اور دریا سب کے سب جس خدمت پر اول خلقت سے مامور کیے گئے، اس خدمت کو ٹھیک ٹھیک اسی طرح بغیر کسی سستی یا کوتاہی و کمی کے انجام دے رہے ہیں، خصوصاً انسان اور حیوانات جن کا عقل وشعور ہر وقت مشاہدہ میں آتا ہے، ان میں غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر نوع اور ہر صنف بلکہ ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور اپنی مخالف چیزوں کے نقصان کو دفع کرنے کے لیے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل وشعور والا ہے، جنگل کے جانوروں، درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کو دیکھو کہ ہر ایک کو اپنی ضروریارت زندگی حاصل کرنے، اور رہنے بسنے، اور اپنی انفرادی اور جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کیسے ہنر سکھائے ہیں؛ اور یہ سب بلا واسطۂ تعلیم، خالق کائنات کی طرف سے ہے۔ انہوں نے کسی اسکول، کالج میں رہ کر، یا کسی استاذ سے یہ چیزیں نہیں سیکھی ہیں، بلکہ یہ سب اس ہدایت عامہ اور تلقین ربانی کے ثمرات ہیں، جس کا ذکر آیت "قَدَّرَ فَهَدٰى" میں ہے[۱]۔ (وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى الخ) اور جس نے (سبز، خوشنما) چارہ (زمین سے) نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ یہ نباتات سے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف کو بیان فرمایا ہے، کہ اول نہایت سبز وخوشنما گھاس، چارہ زمین سے پیدا کیا، پھر آہستہ آہستہ اس کو خشک وسیاہ کوڑا کر ڈالا، تاکہ خشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کے لیے ذخیرہ کیا جا سکے؛ اور خشک بھی کٹ کر کام میں آئے[۲]۔

(سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى الخ) (ہم جتنا قرآن نازل کرتے جاویں گے) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرا دیا کریں گے) پھر آپ (اس میں سے کوئی جزء) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر بھلانا اللہ کو منظور ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمنے اپنی تربیت سے ہر چیز کو بتدریج اس کے کمال مطلوب تک پہونچایا ہے، آپ کو بھی آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دیں گے، اور ایسا یاد کرا دیں گے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پائیں گے، بجز ان آیتوں کے جن کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہو کہ وہ بھی "نسخ" کی ایک قسم ہے[۳]۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابتدا میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا، اور جبریل امین کوئی آیت قرآن کریم کی سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں۔ اس لیے جبرئیلؑ کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی قرآن کریم کے الفاظ پڑھتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کریم کا یاد کرانا اپنے ذمہ لیکر آپ کو بے فکر کر دیا کہ جبریل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھوا دینا پھر ان کو حافظہ میں محفوظ کرا دینا ہماری ذمہ داری ہے، آپ فکر نہ کریں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ "فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" کہ آپ قرآن کریم کا کوئی جزء نہیں بھولیں گے مگر جس قدر بھلانا اللہ ہی کو منظور ہے[۴]۔ (اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ) وہ ہر ظاہر اور مخفی[۵] کو جانتا ہے یعنی یہ یاد رکھانا اور فراموش کرنا

---

(۱) معارف القرآن: ۸/ ۷۴۴۔ (۲) تفسیر حقانی/ ۷۸۷۔ (۳) مذکورہ۔ (۴) از معارف القرآن: ۸/ ۷۴۵۔

(۵) "الجھر" پر "ال" استغراقی ہے اس لیے "ہر ظاہر" سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

سب حکمت کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے، اس لیے اس سے کسی چیز کی مصلحت مخفی نہیں لہٰذا جب کسی چیز کا محفوظ رکھنا مصلحت ہوتا ہے تو محفوظ رکھتے ہیں اور جب بھلا دینا مصلحت ہوتا ہے تو بھلا دیتے ہیں۔

اللغۃ: (سَبِّحْ) پاکی بیان کر، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف، باب تفعیل سے۔ سَبَّحَ اللّٰهَ وَلَهٗ تَسْبِيْحًا (تفعیل): دور رکھنا یعنی اللہ تعالیٰ کو برائی کی نسبت سے دور رکھنا (۱) جس کی تعبیر پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے سے کی جاتی ہے (اِسْم) نام۔ جمع: اسماء۔ (قَدَّرَ) اندازہ کیا، تجویز کیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے۔ قَدَّرَ تَقْدِيْرًا: اندازہ کرنا، قضاء (فیصلہ کرنا) (۲) (جس کو تجویز کرنا بھی کہا جاتا ہے) یہاں ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔ (غُثَاءً) اسم جامد، وہ کوڑا کرکٹ جو نالہ میں پانی کے ساتھ آجاتا ہے، اور نالہ کے کنارہ جمع ہو جاتا ہے، یہاں مراد سوکھی گھاس ہے (۳)۔ (اَحْوٰى) سیاہ، صفت مشبہ باب "سمع" سے، حَوِيَ (س) حَوًى، حُوَّةً: سیاہ ہونا، سبزی مائل سیاہ ہونا۔ یا سیاہی مائل سبز ہونا، گندمی رنگ کا ہونا، ان سب میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، اور سبھی کا یہاں احتمال ہے (۴) ہم نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ (سَنُقْرِئُكَ) آپ کو پڑھا دیا کریں گے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب افعال سے۔ اَقْرَاَ يُقْرِئُ اِقْرَاءً (افعال): پڑھوانا۔ (لَا تَنْسٰى) آپ نہیں بھولیں گے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث فعل مضارع منفی معروف، نَسِيَ الشَّيْءَ (س) نَسْيًا، و نِسْوَةً وَنَسَاوَةً وَنِسْيَانًا: بھولنا۔ (الْجَهْرَ) مصدر بمعنی اسم فاعل، ظاہر، قول ہو یا فعل (۵)۔ جَهَرَ الشَّيْءُ (ف) جَهْرًا وَجَهْرَةً: ظاہر ہونا۔ (يَخْفٰى) پوشیدہ ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت۔ خَفِيَ (س) خَفَاءً، وَخُفْيَةً: چھپنا۔

ترکیب: (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى، وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى الخ) (سَبِّحْ) فعل امر، ضمیر "انت" پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، اِسْمَ مفعول بہ (ربك) مضاف الیہ اسم کا، اور کاف ضمیر مجرور متصل محلاً مجرور، رب کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (الاعلیٰ) صفت رب کی، مجرور تقدیری کسرہ کے ساتھ، (الذی خلق) موصول صلہ سے مل کر رب کی، صفت ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور، (والذی قدر) معطوف الذی خلق پر (فهدیٰ) معطوف قَدَّرَ پر۔ (وَالَّذِيْ اَخْرَجَ) معطوف سب پہلے "الذی" پر یا اپنے سے متصل "الذی" پر (جیسا کہ اس سلسلے میں دو قول پہلے آچکے ہیں) (الْمَرْعٰى) مفعول بہ اخرج کا، (فَجَعَلَهٗ) فعل با فاعل اور "ھا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ اور جملہ "جعله ......" معطوف اخرج پر (غُثَاءً) جعل کا مفعول ثانی (احوىٰ) صفت غثاء کی۔ (سنقرئك) سین حرف استقبال، یا برائے تاکید (کما فی الروح) نُقْرِئُ فعل با فاعل، کاف ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ، (فلا تنسیٰ) "فا"

---

(۱) التسبیح فی الأصل : مطلق التبعید. والمراد به : تبعید الله تعالیٰ عن السوء، (روح:۱/۳۵۴، پ:۱، ع:۴)

(۲) روح:۱۵/۶۲ زکریا (طور) (۳) معارف القرآن:۸/۷۲۳۔ (۴) روح:۱۵/۱۲۰ ملتان۔

(۵) روح:۱۵/۱۲۰ ملتان واعراب القرآن وصرفہ ۱۵/۳۰۶۔ (۵) روح المعانی ۱۶/۱۹۱۔

عاطفہ (لا تنسیٰ) فعل با فاعل، ”الا“ حرف استثناء ملغی (ما شاء اللہ) ”ما“ موصول، (شاءَ) فعل اور لفظ جلالہ فاعل اور عائد محذوف، فعل فاعل اور عائد سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مفعول بہ لاتنسیٰ کا جب کہ اسم مفاعیل سے استثناء ہو، اور اگر اسمِ اوقات سے استثناء ہو، تو تقدیری عبارت ہوگی: ” لَا تَنسیٰ فِیْ وَقْتٍ مِنَ الْاَوْقَاتِ اِلَّا وَقْتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ“ اس وقت مفعول فیہ ہوگا۔ حضرت تھانویؒ کا ترجمہ اس کے مطابق ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ پہلی تقدیر کے مطابق ہے۔ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (اللّٰہ یَعْلَمُ الْجَھْرَ) (اللّٰہ) اِنّ اور اس کا اسم، (یَعْلَمُ) فعل با فاعل، ”الجھر“ مفعول بہ اور جملہ: ”یعلم......“ محلاً مرفوع خبر انّ کی (وما یخفیٰ) ”واؤ“ عاطفہ ”ما“ موصول، (یخفیٰ) صلہ موصول صلہ سے مل کر معطوف الجھر پر(۱)۔

جملوں کی حیثیت او ران کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: ”سبح ......“ ابتدائیہ ہے جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: ”خلق“ موصول کا صلہ ہے لہٰذا اس کے لیے اور اس پر معطوف جملوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ اور جملہ: ”سنقرئك“ مستانفہ ہے اور جملہ: ”لاتنسیٰ“ اس پر معطوف ہے لہٰذا ان دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے اور جملہ: ”شاء اللہ“ موصول کا صلہ ہے اور جملہ: ”اللہ یعلم......“ معترضہ تعلیلیہ ہے اور جملہ: ”یخفیٰ“ موصول کا صلہ ہے، اور ان جملوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے(۲)۔

> وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ اور ہم اس آسان شریعت کے لیے آپ کو سہولت دیں گے۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ تو آپ نصیحت کیا کیجیے، اگر نصیحت کرنا مفید ہو۔ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وہ شخص نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے۔ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ اور جو بخت بدنصیب ہے وہ اس سے گریز کریگا۔ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ پھر اس میں نہ مری جاویگا اور نہ جیے گا۔

ربط وتفسیر: اوپر قرآن کریم کے آسان کرنے کا ذکر تھا اور مذکورہ بالا آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شریعت کے آسان کرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: (وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى) اور (جیسا آپ کے لیے قرآن کریم کا یاد کرنا آسان کردیں گے اسی طرح) ہم اس آسان شریعت کے لیے آپ کو سہولت دیں گے (اس کا سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی تبلیغ کرنا سبھی کو آسان کردیں گے اور موانع (رکاوٹوں) کو دور کردیں گے۔ اور شریعت کی صفت ”یسریٰ“ یا تو مدح کے لیے ہے، یا اس لیے ہے کہ وہ یُسر (آسانی) کا سبب ہے(۳) اس لیے کہ جو اس پر عمل کریگا آئندہ (اخروی زندگی) میں اس کے لیے آسانی ہی آسانی ہے۔ (فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى) تو آپ نصیحت کیا کیجیے اگر نصیحت کرنا مفید ہو (شروع سورت ”سبح اسم ربك“ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح وتقدیس خداوندی کا حکم ہے، جو اپنی تکمیل ہے اور اس آیت میں دوسروں کی تکمیل واصلاح کا حکم ہے، یعنی اپنی بھی تکمیل کیجیے اور دوسروں کی بھی تکمیل کیجئے، اس طرح کہ ان کو نصیحت اور

---

(۱) ترکیب ”اعراب القرآن“ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ (۲) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۰۶۔ (۳) بیان القرآن۔

احکامِ خداوندی کی تبلیغ کیجئے۔ اور اس میں "اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْریٰ" (اگر نصیحت کرنا مفید ہو) کی شرط بطور تاکید نصیحت کرنے کا حکم دینے کے لیے ہے، یعنی نصیحت کرنے سے اگر کسی کو فائدہ ہو تو نصیحت کرنا چاہئے، اور یقینی بات ہے کہ نصیحت کرنے سے دنیا میں کسی نہ کسی کو فائدہ ضرور ہوتا ہے، گرچہ سب کو نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّکْریٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (اور آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دیگا) اور کسی امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے، اس کی تاکید کا موجب (باعث) ہوتا ہے۔ لہٰذا "ان نفعت الذکری" کا ذکر بطور شرط کے نہیں ہے، بلکہ بطور تاکید نصیحت کرنے کا حکم دینے کے لیے ہے۔ اس کی مثال ہمارے عرف میں یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور تنبیہ کے کہا جائے کہ اگر تو آدمی ہے تو فلاں کام کرنا ہوگا۔ یا اگر تو فلاں کا بیٹا ہے، تو تجھے ایسا کرنا چاہئے، یہاں مقصود شرط نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ بطور تاکید اس کا اظہار ہوتا ہے کہ جب تو آدمی ہے، یا فلاں بزرگ کا بیٹا ہے تو تجھے یہ کام کرنا چاہئے (۱)۔

(سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی......) وہ شخص نصیحت مانے گا جو (خداتعالیٰ سے) ڈرتا ہے، اور جو سخت بدنصیب ہے، وہ اس سے گریز کریگا (اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نصیحت فی نفسہ وفی ذاتہ نافع ومفید ہے، اور اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نصیحت کے اپنی ذات میں نافع ومفید ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ سب کے لیے مفید ہوگی، اور سب ہی اس کو مان لیں گے، بلکہ وہی شخص نصیحت سے فائدہ اٹھائے گا، اور سمجھانے سے سمجھے گا جس کے دل میں تھوڑا بہت خدا کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو، اور جو سخت بدنصیب ہے، یعنی اس کی قسمت میں دوزخ لکھی ہوئی ہے، وہ کہاں سمجھے گا بلکہ وہ اس نصیحت سے گریز اور روگردانی کریگا۔ جو (آخرکار) بڑی آگ میں داخل ہوگا بڑی آگ سے مراد دوزخ ہے جو دنیا کی سب آگوں سے بڑی ہے۔ پھر نہ اس میں مر ہی جاویگا (کہ مرکر تکلیف کا خاتمہ ہو جائے) اور نہ ہی جئے گا (یعنی آرام کی زندگی نہ جئے گا) یہ سزا اس "اشقیٰ" کی ہے جو نصیحت سے گریز کرتا ہے اور اپنے کفر اور سرکشی پر مُصر رہتا ہے۔ ایسے شخص پر نصیحت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ لیکن نصیحت بہرحال فی نفسہ نافع ومفید ہے، اور آپ کے ذمہ واجب ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے۔ یہاں تک کی آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی بھی تکمیل کیجیے اور دوسروں کو بھی تبلیغ کیجیے کہ ہم آپ کے معاون ہیں۔

اللغة: (نُیَسِّرُ) ہم آسانی دیں گے، آسان کردیں گے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف، یَسَّر تَیْسِیْرًا (تفعیل): آسان کرنا، سے۔ (الْیُسْریٰ) آسان "اَیْسَرُ" اسم تفضیل کا واحد مؤنث۔ یہاں اس کا موصوف محذوف ہے "الشَّرِیْعَة یاالطَّرِیْقَة" تقدیری عبارت ہوگی: "نُیَسِّرُكَ لِلشَّرِیْعَةِ الْیُسْریٰ یاَلِلطَّرِیْقَةِ الْیُسْریٰ" (۲)۔ یَسَرَ یَسْرًا (ض) و یَسَرًا (س) و یَسُرَ یُسْرًا (ک) آسان ہونا، ہلکا ہونا۔ (ذَکِّرْ) نصیحت کیجیے! صیغہ واحد مذکر حاضر،

---

(۱) ازفوائد عثمانی/ ۷۸۸، ومعارف القرآن: ۸/ ۷۲۶۔ **نوٹ:** بہت سے مفسرین نے اس کو حقیقی شرط پر محمول کر کے تفسیر بیان کی ہے، اختصاراً ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ شائقین ابن کثیر: ۴/ ۵۰۰ اور روح المعانی: ۱۶/ ۱۹۲ کی مراجعت کریں۔

(۲) من الروح: ۱۶/ ۱۹۲، ومعارف القرآن: ۸/ ۷۲۵۔

بحث امر حاضر معروف، ذَكَّرَ تَذْكِيْرًا وَتَذْكِرَةً (تفعيل): نصیحت کرنا، یاد دلانا، سے۔ (سَيَذَّكَّرُ) نصیحت قبول کریگا: سورہ "عبس" کے شروع میں یہ لفظ گزر چکا ہے (يَتَجَنَّبُ) گریز کریگا، بچے گا۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، تَجَنَّبَ الشَّيْءَ تَجَنُّبًا (تفعل): گریز کرنا، بچنا، سے۔ (الْاَشْقَى) سخت بدنصیب، بڑا بدنصیب، صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر۔ شَقِيَ (س) شَقًا، وَشَقَاءً، وَ شَقَاوَةً: بدنصیب ہونا، بدبخت ہونا۔ (لَا يَمُوْتُ) نہیں مریگا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، باب "نصر" سے۔ مَاتَ (ن) ومَاتَ يَمَاتُ (س) مَوْتًا: مرنا۔

(لَا يَحْيٰى) نہ جئے گا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف۔ حَيِيَ (س) حَيَاةً: زندہ ہونا۔

تركيب: (وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى) "واؤ" عاطفہ، "نُيَسِّرُ" فعل بافاعل کاف ضمیر منصوب متصل محلا منصوب، مفعول بہ "للیسرىٰ" متعلق نُيَسِّرُ کے اور جملہ: "نُيَسِّرُ كَ......" معطوف جملہ "سنقرئك" پر جو جملہ مستانفہ ہے لہٰذا جملۂ معطوف علیہ کی طرح جملۂ معطوفہ کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہوگا، اور ان دونوں جملوں کے درمیان جملہ: " الله یعلم ......" معترضہ ہے(۱)۔ (فذكر ان نفعتِ الذِّكرىٰ) "فا" فصیحہ جو شرط مقدر کے جواب پر آئی ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "إِذَا عَلِمْتَ أَنَّكَ مِنْ أَرْبَابِ الْفُيُوْضَاتِ الْكَمَالِيَّةِ بِهِدَايَتِنَا وَتَوْفِيْقِنَا فَذَكِّرْ"(۲) جملہ شرطیہ کی ترکیب اس طرح ہوگی۔ "اذا" ظرفیہ متضمن معنی شرط، محلا منصوب ظرف جواب کا۔ (عَلِمْتَ) فعل بافاعل (أَنَّكَ) أَنَّ اور اس کا اسم (من ارباب الفيوضات الكمالية) متعلق ثابت کے، بهدايتنا متعلق ثانی (ثابتٌ) کے، وتوفيقنا معطوف هدايتنا پر "أَنَّ" اپنے اسم وخبر سے ملکر بتاویل مفرد ہوکر "عَلِمْتَ" فعل کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے محلا منصوب، (فذكر) جواب "اذا" کا۔ اور چونکہ ادات شرط غیر جازم کی جزاء ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا، اور صاحب "اعراب القرآن" کی تقدیری عبارت کے مطابق محل جزم میں ہوگا۔ (ان نفعت الذكرىٰ) (نَفَعَتْ) محلا مجزوم فعل شرط (الذكرىٰ) فاعل اور جملہ "نَفَعَتْ" شرط، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے(۳) جواب محذوف ہے: "فذكر"۔ (سَيَذَّكَّرُ مَنْ) سین حرف استقبال، یذکر فعل (من) اسم موصول محلا مرفوع، فاعل یذکر کا

---

(۱) روح: ۲۶/۱۹۲ واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۴۷۔ (۲) جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ آپ ہماری ہدایت وتوفیق سے فیوض کمالیہ والے لوگوں میں سے ہیں تو نصیحت کیجیے۔ اعراب القرآن: ۸/ ۲۸۸ میں "اذا" کے بجائے "إن" ہے، لیکن احقر کی رائے میں "إن" کے بجائے إذا کا استعمال اس موقعہ پر زیادہ مناسب ہے۔ (۳) فائدہ: جملہ شرطیہ کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ فعل شرط کے لفظ یا اس کے محل میں ادات جازم کا اثر ظاہر ہو چکا ہے۔ لفظ میں اثر ظاہر ہونے کی مثال "إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ" ہے، اور محل میں اثر کرنے کی مثال "إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ" ہے، جب ایسا ہے تو مجموعہ کیلیے محل اعراب نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے دو جملے مستثنیٰ ہیں: -(۱) وہ جملہ جس پر "اذا" شرطیہ داخل ہو، یہ محلا مجرور ہوتا ہے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ (۲) وہ جملہ شرط جس پر "مَنْ" شرطیہ داخل ہو، یہ محلا مرفوع ہوتا ہے "من" کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ (النحو الوافی: ۴/ ۳۳۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ "نباء" میں "فمن شاء اتخذ......" کی ترکیب مع حاشیہ۔

(یخشیٰ) صلہ (وَيَتَجَنَّبُهَا) "واؤ" عاطفہ "يَتَجَنَّبُ" فعل (الاشقیٰ) فاعل، (ھا) ضمیر منصوب متصل راجع "ذِکریٰ" کی طرف، محلاً منصوب مفعول بہ۔ اور جملہ: "یتجنبها ...... "معطوف جملہ: "سیذکر ......" پر (الذی یصلیٰ) "الذی" صفت (الاشقیٰ) کی، (یصلیٰ) فعل ضمیر پوشیدہ فاعل (النار الکبریٰ) مفعول بہ یا مفعول فیہ (ثُمَّ لَا يَمُوْتُ) "ثُمَّ" حرف عطف (لَا يَمُوْتُ) معطوف جملہ "یصلی" پر ولایحیٰ معطوف لایموت پر۔

بعض جملوں کی حیثیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "ذکر" مقدر اداتِ جازم (ان) کا جواب ہے اور اس پر "فا" داخل ہے، لہٰذا محلاً مجزوم ہے۔ اور "سَيَذَّكَّرُ ......" جملہ مستانفہ ہے، اور جملہ: "یخشیٰ" "من موصولہ کا صلہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے اور جملہ: "يَتَجَنَّبُهَا ......" جملہ "سیذکر" پر معطوف، لہٰذا معطوف علیہ کی طرح اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ اور جملہ: "يَصْلَىٰ ......" موصول کا صلہ ہے، لہٰذا اس کے لیے اور اس پر معطوف جملوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

> قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝۱۴ بے شک بامراد ہوا جو شخص پاک ہوگیا۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝۱۵ اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷ حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۸ یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹ یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ربط: تفسیر سے واضح ہے۔

تفسیر: "قد افلح من تزکیٰ ......" "بے شک بامراد ہوا جو شخص (قرآن سن کر) پاک ہوگیا (ان آیات میں "سیذکر من یخشیٰ" کی تفصیل ہے اور کامیاب اور بامراد ہونے سے مراد آخرت کے عذاب سے بچنا اور جنت کا حصول ہے۔ کما قال تعالیٰ: "اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ "(۱) وَاَيْضاً قَالَ: "اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا"(۲) "تزکیٰ" کا مفہوم عام ہے جس میں خبیث عقائد، گندے اخلاق سے پاکی بھی داخل ہے اور مال کی زکوٰۃ بھی۔) اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا(۳) (نام لینے سے مراد زبان اور دل سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ہے، صرف زبان سے نام لینا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ حضور قلب کے بغیر خدا کے نام لینے پر ثواب نہیں ملتا ہے، لہٰذا اس پر کامیابی کا مدار نہیں ہوسکتا ہے(۴) اور نماز کے مفہوم میں فرض اور نفل دونوں نماز داخل ہیں، اور بعض مفسرینؒ نے جو خاص عید کی نماز سے اس کی تفسیر کی ہے، تو وہ بھی اس میں داخل ہے(۵)۔ حاصل یہ کہ

---

(۱) بلاشبہ یہ (جنت کی نعمتوں کا مل جانا) بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ "صٰفّٰت") (۲) بلاشبہ متقیوں کے لیے بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ "نبأ") اور اس کامیابی کی تفسیر "حدائق واعناب" وغیرہ نعمتوں سے کی گئی ہے۔ (۳) چونکہ ایک دفعہ نام لینا اور نماز پڑھنا مراد نہیں ہے، بلکہ ان دونوں پر دوام و ہیشگی مراد ہے، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۴) روح: ۱۶/۱۹۶۔ (۵) از معارف القرآن: ۸/۷۲۶۔

قرآن کریم کو سن کر جو شخص اپنی زندگی میں اس طرح تبدیلی کرے کہ ایک طرف تو خبیث عقائد اور گندے اخلاق سے اپنے کو پاک صاف کر لے، دوسری طرف زبان اور دل سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتا رہے۔ اور فرض نماز کی پابندی کرے اور نوافل کا بھی اہتمام رکھے، علاوہ ازیں دیگر فرائض واجبات کو بھی ادا کرے۔ (اس لیے کہ نماز کا ذکر تو اہم عبادت ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ مراد تو سارے احکام کو بجا لانا ہے۔) تو ایسا شخص کامل طور پر قیامت کے دن بامراد ہوگا۔ لیکن منکرین کا حال یہ ہے کہ اس قرآن کریم کو سن کر اس کو نہیں مانتے ہیں، اور آخرت کا سامان نہیں کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔)

(بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا الخ) (مگر تم اس قرآن کریم کو مان کر اپنی آخرت کا سامان نہیں کرتے ہو) بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر ہے (دنیا کے باغات، نہریں، محلات اور یہاں کی کسی بھی چیز کو وہاں کی نعمتوں سے کوئی نسبت نہیں ہے۔) (وَاَبْقٰى) اور پائیدار ہے (دنیا کی نعمتیں ایک وقت میں ہوتی ہیں اور ایک وقت میں نہیں لیکن آخری گھر بھی پائیدار، اور وہاں کی نعمتیں بھی پائیدار، ایسا نہیں کہ ایک وقت کے بعد ختم ہو جائے۔) (اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى) بلاشبہ یہ مضمون (کہ آخرت دنیا کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہے اور پائیدار ہے)(۱) اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی (۲) ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔ "روح المعانی" میں "عبد بن حمید" کی تخریج سے حدیث مرفوع مذکور ہے کہ: "ابراہیم" علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے اور "موسیٰ" علیہ السلام پر تورات کے نزول سے پہلے دس صحیفے نازل ہوئے (۳)۔

اللغة: (قَدْ اَفْلَحَ) کامیاب ہو گیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی قریب مثبت معروف، باب افعال سے۔ اَفْلَحَ يُفْلِحُ اِفْلَاحًا: مقصد میں کامیاب ہونا۔ (تَزَكّٰى) پاک ہو گیا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعّل سے۔ تَزَكّٰى الرَّجُلُ تَزَكِّيًا: پاک صاف ہونا، صدقہ دینا۔ (ذَكَرَ) نام لیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ ذَكَرَ الشَّیْءَ (ن) ذِكْرًا، وَتِذْكَارًا، وَذِكْرٰی: یاد رکھنا، تذکرہ کرنا، یاد آنا۔ (صَلّٰى) اس نے نماز پڑھی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب تفعیل سے، صَلّٰى يُصَلِّيْ تَصْلِيَةً: نماز پڑھنا، اصلی معنی دعاء کرنا ہے، نماز میں بندہ چونکہ اپنی حالت، قول اور فعل سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے؛ اس مناسبت سے یہ لفظ (ارکان مخصوصہ کی ادائیگی) یعنی نماز پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا (۴)۔

(تُؤْثِرُوْنَ) تم مقدم رکھتے ہو، ترجیح دیتے ہو، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف، آثَرَ اِيْثَارًا (افعال): ترجیح دینا، سے۔ (الدُّنْيَا) عالم دنیا، زیادہ قریب۔ اصلاً یہ صفت ہے، اور اَدْنٰى (بمعنی زیادہ قریب، زیادہ گھٹیا) اسم تفضیل کا

---

(۱) اِشَارَةٌ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى: "وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" اور بہت سے مفسرین نے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" کو مشار الیہ قرار دیا ہے۔ (روح المعانی ۱۶/۱۹۸) (۲) یہ ترجمہ بدل کی وجہ سے ہے۔ (۳) روح: ۱۶/۱۹۸۔ (۴) روح: ۱/۱۹۲، پ: ۱، ع: ۱، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب لغات القرآن وصرف۔

مؤنث ہے، بعد میں اس پر اسمیت کا غلبہ ہوگیا یعنی عالم دنیا کا اسم ہوگیا۔ اس مناسبت سے کہ عالم دنیا آخرت کے مقابلہ میں انسان کے زیادہ قریب ہے، (۱) نیز آخرت کے مقابلہ میں گھٹیا بھی ہے، اس وقت اسمِ تفضیل اپنے معنی پر نہیں ہوگا، ورنہ تو لازم آئیگا کہ آخرت بھی گھٹیا ہے مگر کم درجہ کی گھٹیا ہے، پہلے معنی کی صورت میں یہ دَنَا (ن) دُنُوًّا: نزدیک ہونا، سے ماخوذ ہوگا اور اصل نکلے گی "دُنْوَا" "واؤ" کو "فُعلیٰ" صفتی کے لام کلمہ کی جگہ واقع ہونے کی وجہ سے "یا" سے بدل لیا گیا، جیسے "عُلیا" جو اصل میں عُلوَا تھا (۲) اور دوسرے معنی کی صورت میں دَنِیَ (س) یَدْنیٰ دَنَا دَنَایَۃً: گھٹیا ہونا، ردی ہونا، سے ماخوذ ہوگا، (۳) اور اس وقت "دُنیا" اپنی اصل پر ہوگا۔ (اَلْاٰخِرَۃُ) عالم آخرت۔ اصلاً یہ اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے (۴) بمعنی پیچھے آنے والی، "اَخَرَ" ثلاثی مجرد سے، گرچہ اس سے فعل کا استعمال نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ "آخر" اسم تفضیل بھی اسی سے مشتق ہے، بعد میں اس پر بھی "دنیا" کی طرح اسمیت کا غلبہ ہوگیا، چنانچہ یہ عالم آخرت کا اسم ہوگیا ہے (۵)۔ (خیرٌ) بدرجہا بہتر۔ صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر مزید تفصیل سورہ "زلزال" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ابقیٰ) پائیدار، زیادہ دیر تک رہنے والی۔ صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر بَقِیَ (س) بَقَاءً: باقی رہنا سے۔ (صحف): گزر گیا سورہ "عبس" میں۔

ترکیب: (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّیٰ) "قد" حرف تحقیق، (اَفْلَحَ) فعل ماضی مثبت معروف، "من" موصولہ (تزکّیٰ) فعل "ھو" ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، فعل فاعل سے مل کر صلہ، موصول، صلہ سے مل کر "قداَفلح" کا فاعل۔ اور جملہ: "قد افلح......" مستانفہ۔ (وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّیٰ) "واؤ" حرف عطف، (ذَکَرَ) فعل، ھو ضمیر پوشیدہ فاعل (اسمَ) مفعول بہ (رَبِّہٖ) مرکب اضافی ہوکر مضاف الیہ (اسمَ) کا، (فَصَلّیٰ) معطوف (ذَکَرَ) پر (بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقیٰ) "بَلْ" حرف اضراب (انتقال) اور جس سے انتقال ہے وہ مقدر ہے، جو کلام سے سمجھا جارہا ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: "اَنْتُمْ لَا تَفْعَلُوْنَ مَافِیْہِ صَلَاحُ اَمْرِکُمْ بَلْ تُؤثِرُوْن الخ (۶) (تؤثرون) فعل واو ضمیر مرفوع متصل، محلاً مرفوع فاعل (الحیوۃ الدنیا) موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ (والآخِرَۃُ) واو حالیہ (الآخرۃ) مبتدا (خیرٌ) خبر (وابقیٰ) معطوف خیرٌ پر۔ اور جملہ: "الآخرۃ......" حال تُؤثِرُون کے فاعل سے۔ (اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلیٰ ٥ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسیٰ) (انَّ) حرف مشبہ بالفعل، (ھٰذا) اسم اشارہ مبنی علی السکون محلاً منصوب اِنَّ کا اسم، (لام) مزحلقہ جس کو لام ابتدائیہ بھی کہا جاتا ہے، (فی) حرف جر، (الصحف الاولیٰ) موصوف صفت سے مل کر مجرور، اور جار

---

(۱) سُمِّیَت الدنیا لدنوھا والآخرۃ لتاخرھا، فھما صفتان فی الأصل غَلَبَتْھُما الا سمیۃ الخ (مظہری: ۱/۲۱، پ: ۱، ع: ۱، والروح: ۱/۲۰۱، پ: ۱، ع: ۱)۔ (۲) النحو الوافی: ۴/۷۷۸۔ (۳) مصباح اللغات/ ۲۵۲۔ (۴) چنانچہ "الدار الآخرۃ" اور "ینشئ النشاۃ الآخرۃ" میں الآخرۃ صفت بن رہا ہے (روح: ۱/۲۰۱) (۵) الآخرۃ: تانیث الآخر، اسم فاعل من اخر الثلاثی بمعنی تاخر الخ (روح: ۱/۲۰۱، پ: ۱، ع: ۱، ومظہری ۱/۲۱، پ: ۱، ع: ۱) (۶) ترجمہ تم وہ نہیں کرتے ہو جس سے تمہارا (آخرت) کا معاملہ ٹھیک ہوتا ہے (جس کی شکل قرآن پر ایمان لا کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق بناتا ہے) بلکہ تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔ (اعراب القرآن: ۸/۲۸۱ ومثلہ فی الروح ۱۶/۱۹۷)۔

مع بدل مل کر انکی خبر (صحف ابراھیم وموسیٰ) مرکب اضافی ہوکر بدل (الصحف الاولیٰ) ہے۔

جملوں کی نوعیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "تؤثرون" مستانفہ ہے، اور جملہ: "الآخرۃ خیر......" حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور جملہ: "ان ھٰذا لفی الصحف......" مستانفہ ہے(۱)۔

لغات: ابراہیم عجمی لفظ ہے، علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور علمیت سے قبل اس کے معنی "مہربان باپ" کے ہیں(۲) اور لقب آپ کا خلیل اللہ ہے، آپ حضور ﷺ کے جدِ امجد اور آپ کے علاوہ تمام انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں، یہی وجہ ہے کہ بحالت تشہد نماز میں درود کے وقت آپ کا نام بھی لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں،

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ کیا آپ کو اس چھا جانے والے واقعہ کی کچھ خبر پہونچی ہے؟ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ بہت سے لوگ اس روز ذلیل، مصیبت جھیلتے، خستہ ہوں گے۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ آتش سوزاں میں داخل ہوں گے۔ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ کھولتے ہوئے چشمہ سے پانی پلائے جائیں گے۔ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا۔ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝ جو نہ فربہ کریگا اور نہ بھوک کو دفع کریگا۔

ربط: پہلی سورت میں آخرت کی تیاری کا حکم تھا، اور اس سورت میں تیاری کرنے والوں کی جزا اور تیاری نہ کرنیوالوں کی سزا کا ذکر مقصود ہے(۳)۔

تفسیر: ("هل اتاك حديث الغاشية......") کیا آپ کو اس چھا جانیوالے واقعہ کی کچھ خبر پہونچی ہے؟ (اس واقعہ سے مراد قیامت ہے، جو تمام عالم پر چھا جائیگی اور جس کا اثر سارے عالم پر محیط ہوگا۔ اور آیت میں "ھل" مختار قول کے مطابق استفہام کے لیے ہے اور استفہام تشویق (شوق دلانے) کے لیے ہے، یعنی استفہام سے مقصود طلب جواب نہیں ہے بلکہ اس "غاشیہ" کے سننے کا شوق دلانا ہے، اور ظاہر ہے شوق کسی اہم چیز کے سننے کا دلایا جاتا ہے، اس لیے اس استفہام برائے تشویق سے اس واقعہ یعنی قیامت کا اہم ہونا بھی معلوم ہوتا ہے،(۴) آگے اس خبر کی تفصیل ہے۔ بہت سے چہرے یعنی

---

(۱) ترکیب "اعراب القرآن" لمحی الدین "اعراب القرآن وصرفہ" اور "روح المعانی" سے ماخوذ ہے۔ (۲) روح: ۱/۵۸۹ وتفریح الأذکیاء فی احوال الأنبیاء: ۱/۱۸۸۔ (۳) بیان القرآن۔ (۴) روح: ۱۶/۲۰۰ وبیان القرآن۔

لوگ (۱) اس روز ذلیل (اور) مصیبت جھیلتے (اور مصیبت جھیلنے سے) خستہ (یعنی درماندہ وتھکے ہوئے ہوں گے۔ مصیبت جھیلنے سے مراد حشر میں پریشان پھرنا، اور دوزخ میں سلاسل (زنجیروں) اور اغلال (طوقوں) کو لادنا اور دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا ہے اور اس کے اثر سے خستگی ودرماندگی (تھکنا وبدحال ہونا (ظاہر ہے)، جو "ناصبہ" کا مفہوم ہے۔

(اور) وہ آتش سوزاں میں داخل ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جاویں گے (کھولتا ہوا چشمہ وہی ہے جس کو دوسری آیتوں میں "حمیم" فرمایا ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا بھی چشمہ ہوگا۔ ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ (تو کھانے والوں کو) فربہ کریگا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کریگا۔ "فربہ نہیں کریگا اور نہ بھوک کو دفع کریگا" کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس میں غذا بننے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی بھوک دفع کرنے کی۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ: "ان کا کھانا بجز "ضریع" کے اور کچھ نہ ہوگا" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا نہیں ہوگا لہٰذا "ضریع" ہی کی طرح "زقوم" یا "غسلین" کا ان کے کھانے میں شامل ہونا اس کے منافی نہیں ہے (۲)۔

اللغۃ: (الغَاشِيَةِ) چھا جانے والی، چھپانے والی، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، غَشِيَهُ الْاَمْرُ (س) غَشْيًا: چھا جانا، چھپانا، سے۔ (عَامِلَة) محنت کرنے والے، کام کرنیوالے، صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث عَمِلَ (س) عَمَلًا: کام کرنا، سے۔ (خاشعة) ذلیل، خَشَعَ (ف) خُشُوْعًا: ذلیل ہونا، سے اسم فاعل واحد مؤنث۔ (۳) (نَاصِبَة) خستہ، تھکے ہوئے، صیغہ اسم فاعل واحد مؤنث نَصِبَ (س) نَصَبًا: تھکنا، سے۔ (حَامِيَةً) سوزاں (دہکتی ہوئی) صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل۔ حَمِيَتِ النَّارُ (س) حَمْيًا، حُمُوًّا، حُمِيًّا: آگ کا تیز گرم ہونا، جس کو "دہکنا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (اٰنِيَةٍ) حرارت وگرمی میں اپنی انتہاء کو پہونچا ہوا، جس کو ترجمہ میں "کھولتے ہوئے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، اَنَی السَّائِلُ (ض) اَنًّا: بہنے والی چیز کا انتہائی گرم ہونا (کھولنا) (۴) (ضَرِيْع) اسم جامد، ایک خاردار قسم کا جھاڑ ہے، جو زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، امام "مجاہدؒ" کے بقول تر ہونے کے وقت یہ "شِبْرِق" اور سوکھنے کے بعد ضریع کہلاتی ہے۔ (۵) اور معارف القرآن میں "قرطبیؒ" کے حوالہ سے یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ بدبودار اور زہریلا ہوتا ہے اور کوئی جانور اس کے قریب نہیں جاتا ہے۔ (۶) (لا يُسْمِنُ) نہ فربہ کریگا وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، اِسْمَانٌ: (افعال) فربہ کرنا (موٹا کرنا) سے۔ (لا يُغْنِي) بے پرواہ نہیں کریگا۔ اس کا مرادی ترجمہ کیا گیا ہے: دفع نہیں کریگا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف اَغْنٰى يُغْنِي اِغْنَاءً (افعال) بے پرواہ کرنا، غنی کرنا۔ (جُوْع) بھوک یعنی معدہ کا کھانے سے خالی ہونا، مصدر، (۷) جَاعَ (ن)

---

(۱) اس کی طرف اشارہ ہے کہ "وجوہ" سے مراد "اصحاب وجوہ" ہیں۔ (۲) معارف القرآن: ۷۳۱/۸۔ (۳) روح المعانی: ۱۹۴/۱۳، پ: ۲۴، ع: ۱۹۔ سورہ "نازعات" میں بھی یہ لفظ آچکا ہے۔ (۴) روح المعانی واعراب القرآن۔ (۵) ابن کثیر: ۵۲/۴، والروح: ۱۳/۱۰ (ملتان) وحاشیہ بیان القرآن۔ (۶) معارف القرآن: ۷۳۱/۸۔ (۷) مصدر سماعی لفعل جَاعَ الخ (اعراب القرآن وصرفہ: ۱/۳۱۳ص، پ: ۲، ع: ۳)

جُوْعًا وَّمَجَاعَةً وَّجَوْعَةً: بھوک لگنا۔

ترکیب (هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ) (هل) حرف استفہام (اتی) فعل ماضی مبنی بر فتحہ تقدیری، کاف ضمیر منصوب متصل، محلاً منصوب مفعول بہ (حديث الغاشية) فاعل اور جملہ: "هل اتاك......" ابتدائیہ۔ (وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ، عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ، تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً) (وُجُوْهٌ) مبتدا، کیونکہ یہ تنویع (تقسیم) کے لیے ہے، جس کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے، لہٰذا نکرہ کا مبتدا بننا درست ہے، ویسے نکرہ کے مبتدا بننے سے متعلق تحقیق سورہ نازعات میں "قلوب یومئذ واجفة" کے تحت گزر چکی ہے۔ (یوم) مضاف، (اذ) مضاف الیہ اور تنوین مضاف الیہ محذوف کے عوض میں۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "يَوْمَ اِذْ غَشِيَتْ" "يَوْمَ" مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مفعول فیہ ہوا آنیوالی خبر (خاشعة) کا۔ (عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ) دونوں خبر "وجوه" کی، (تصلیٰ) خبر رابع وجوه کی (نارا حامية) موصوف صفت سے مل کر مفعول فیہ یا مفعول بہ تصلی کا، (تُسْقٰى من عينٍ اٰنِيَةٍ) (تسقیٰ) فعل مجہول "هي" ضمیر پوشیدہ محلاً مرفوع نائب فاعل، (من عين) متعلق) (آنية) صفت اور جملہ: "تُسْقٰى" خبر خامس (لَيْسَ لهم طعام الا من ضريعٍ) (لهم) ليس کی خبر مقدم (طعام) اسم مؤخر (من ضريع) کائن محذوف کے متعلق ہوکر صفت طعامٌ کی یا (طَعَامٌ) سے بدل۔ اور جملہ: "ليس لهم......" مستانفہ۔ (لا يُسْمِنُ ولا يُغْنِيْ من جُوْعٍ) "من جوع" لايغني کے متعلق، (۱) اور جملہ: "لا يُسْمِنُ" صفت (ضريع) کی اور جملہ: "لا يُغْنِيْ ......" معطوف لا يُسْمِنُ پر (۲)۔

جملوں کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ "وُجُوْهٌ......" مستانفہ بیانیہ ہے اور دیگر جملوں کے محل اعراب کو مذکورہ ترکیب کی روشنی میں آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ بہت سے چہرے اس روز بارونق ہونگے۔ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ اپنے کاموں سے خوش ہونگے۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ بہشت بریں میں ہوں گے۔ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ جس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے۔ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ اس میں بہتے چشمے ہوں گے۔ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ اس میں اونچے اونچے تخت ہیں۔ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں۔ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ اور برابر لگے ہوئے تکیے ہیں۔ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝ اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے پڑے ہیں۔

ربط: ماقبل میں آخرت کی تیاری نہ کرنیوالوں کی سزا بیان کی گئی ہے، اور مذکورہ بالا آیات میں آخرت کی تیاری

---

(۱) قاضی "کشاف" نے حاشیہ "بیضاوی" میں "مِنْ" کو زائدہ مانا ہے، لہٰذا یہ کسی کے متعلق نہیں ہوگا اس لیے کہ حرف جر زائد کسی کے متعلق نہیں ہوتا ہے، اور (جوع) اس وقت "يغني" کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا۔

(۲) ترکیب حسب سابق "روح المعانی" "اعراب القرآن لمحی الدین، اور اعراب القرآن وصرفہ" سے ماخوذ ہے۔

کرنیوالوں کی جزا (بدلہ) کا ذکر ہے۔

تفسیر: "وجوهٌ يومئذ الخ" کچھ چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے نیک کاموں سے خوش ہوں گے یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور اور انہوں نے نیک اعمال کو اپنی زندگی کا شیوہ بنایا، وہ اس دن کی ذلت، محنت اور تعب سے محفوظ ہوں گے، اور ان کے چہروں سے رونق وتر و تازگی محسوس ہوگی، اور وہ اس بات سے خوش ہوں گے کہ ان کی کوشش واعمال ٹھکانے لگے اور محنت کا خوب پھل پھلا۔ وہ بہشت بریں (اونچی جنت) میں ہونگے (جنت مشاہدہ کے اعتبار سے بھی اونچی ہے کہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مرتبہ کے اعتبار سے بھی۔ جس میں وہ کوئی لغوبات نہ سنیں گے یعنی جنت میں کوئی ایسی بات اہل جنت کے کان میں نہ پڑیگی، جو لغو و بیہودہ اور دل خراش ہو، اس میں کلمات کفریہ باطلہ بھی آگئے، اور گالم گلوج، افتراء و بہتان اور ایسے سب کلام آگئے، جن کو سن کر انسان کو ایذا پہونچتی ہے، چونکہ اس طرح کی چیزیں ایذا و تکلیف کی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے حالات میں اہتمام سے اس کو بیان فرمایا کہ اہل جنت کے کانوں میں کبھی کوئی ایسا کلمہ نہیں پڑیگا جس سے ان کا دل برا اور میلا ہو۔ (١) (فيها عينٌ جارية) اس میں بہتے چشمے ہوں گے یہ جنس پر محمول ہے اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "بہتے چشمے" چشموں کے بہنے سے مراد ان کے پانی کا بہنا ہے۔ اور چشمہ کا پانی تو بہتا ہی ہے پھر بھی اس صفت کا ذکر کیا جانا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ یہ چشمے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اس میں اونچے اونچے تخت ہیں (جگہ کے اعتبار سے اونچے ہوں یا مرتبہ کے اعتبار سے۔ دونوں احتمال ہیں (٢) اور دونوں کو بیک وقت مراد لے لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔) اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں یعنی مقرر جگہ پر پانی پینے کے برتن رکھے ہوں گے تا کہ جب پینے کو جی چاہے دیر نہ لگے۔ اور برابر لگے ہوئے تکیے ہیں یعنی نہایت ترتیب اور قرینے سے بچھے ہوئے گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے پڑے ہیں (تا کہ جس وقت جہاں چاہیں آرام کریں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی کلفت نہ اٹھائیں۔)

اللغة: (نَاعِمَةٌ) بارونق، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، نَعُمَ (ک) نُعُومَةً: (نرم وملائم ہونا) سے ماخوذ ہے اور بارونق سے کنایہ ہے۔ اس لیے کہ ملائم چہرہ بارونق ہوتا ہے (٣)۔ (لِسَعْيِهَا) اپنی محنت پر، اپنے عمل پر، سعیٌ مصدر ہے باب ضرب کا بمعنی محنت کرنا، عمل کرنا اور اس کے شروع میں "لام" تعلیل کے لیے نہیں ہے، بلکہ صلہ کے لیے ہے (٤) اور اس کا وہی مفہوم ہے جو "رضيتُ بِه" (میں اس سے خوش ہوا) کا مفہوم ہے۔ (راضية) خوش، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل رَضِيَ (س) رِضًى، ورِضْوَاناً: خوش ہونا، سے۔ (لاغية) لغوبات، بیہودہ چیز۔ لابِنٌ (دودھ والا) اور "تامِرٌ" (کھجور

---

(١) معارف القرآن۔ (٢) روح: ١٦/ ٢٠٦۔ (٣) روح: ١٦/ ٢٠٥۔ (٤) صلہ کا اطلاق تین معنی پر ہوتا ہے: (١) اسم موصول کا صلہ (٢) حرف جر زائد جیسے: "ما رأيت من احد" (٣) وہ حرف جر جس کے واسطہ سے فعل کا مفعول سے تعلق ہو، جیسے: "مررتُ به" میں "با" (حاشیہ علی الکافیہ زینی زادہ/ ٦) اور یہاں آخری معنی مراد ہے۔

والا) کی طرح یہ صیغہ نسبت کے لیے ہے اور موصوف (کَلِمَۃٌ) محذوف ہے، تقدیری عبارت ہوگی: "لاتسمع فیھا کَلِمَۃً لاغِیَۃً" (وہ اس میں لغو والی بات نہیں سنیں گے) اور یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہے(۱) اس لیے کہ اسم فاعل تو اس کو کہتے ہیں، جو ایسی ذات پر دلالت کرے، جس کے ساتھ معنی حدثی (معنی مصدری) بطور حدوث قائم ہو، اور "لغو" کے معنی ہے بیہودہ کام کرنا، ظاہر ہے بیہودہ کام کرنا (بات) کے ساتھ قائم نہیں ہے، اس لیے کوئی بھی کلمہ بیہودہ کام کرنیوالا نہیں ہے، بلکہ جو شخص اس کو بولنے والا ہے وہ لغو کرنیوالا ہے، البتہ یہ ایک کلمہ ہے جس سے لغو کام کیا گیا ہے، لہٰذا یہ لغو والا کلمہ ہوا(۲)۔ اور مزید تفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرف۔ (جَارِیَۃٌ) بہتے۔ صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم فاعل، جرَی الماءُ (ض) جَرْیًا وَجَرَیَانًا وَجَرْیَۃً: بہنا، سے۔ (سُرُرٌ) تخت، اسم جامد، سَرِیْرٌ بمعنی تخت کی جمع ہے، اَسِرَّۃٌ بھی جمع آتی ہے۔ (مَرْفُوْعَۃٌ) اونچے۔ واحد مؤنث، اسم مفعول۔ رَفَعَہٗ (ف) رَفْعًا وَرِفَاعًا: اونچا کرنا، سے۔ (اَکْوَابٌ) کُوْبٌ کی جمع: پانی پینے کا ایسا برتن جس میں دستہ اور ٹونٹی نہ ہو(۳) اس کو اردو میں "آبخورا" یا "کٹورا" کہا جاتا ہے۔ (مَوْضُوْعَۃٌ) رکھے ہوئے، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول وَضَعَہٗ (ف) وَضْعًا: رکھنا، سے۔ (نَمَارِقُ) تکیے، اسم جامد، اس کے واحد میں چھ لغتیں ہیں:- (۱) "نون" اور "را" کا ضمہ (نُمْرُقَۃٌ بروزن فُعْلُلَۃ) (۲) "نون" اور "را" کا کسرہ (نِمْرِقَۃٌ بروزن فِعْلِلَۃ) (۳) "نون" اور "را" دونوں کا فتحہ (نَمْرَقَۃٌ بروزن فَعْلَلَۃ) یہ تین لغتیں ہوئیں جو "ہا" کے ساتھ ہیں، ان کے آخر سے "ہا" کو ہٹا دیا جائے، تو مزید تین لغتیں ہو جائیں گی:- (۴) نُمْرُقٌ (۵) نِمْرِقٌ (۶) نَمْرَقٌ۔(۴) (مَصْفُوْفَۃٌ) برابر لگائے ہوئے، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول، صَفَّ الشیءَ باب (ن) صَفًّا برابر لگانا، سے۔ (زَرَابِیُّ) شاندار بچھونے، یا ایسے بچھونے جن پر ہلکا رواں ہوتا ہے(۵)، اردو میں اس کو قالین کہتے ہیں یہ اسم جامد ہے۔ اس کا واحد زُرْبِیَّۃٌ ہے ("زا" پر تینوں حرکتوں اور آخر میں "ہا" کے ساتھ) اور ایک قول کے مطابق زُرْبِیٌّ ہے ("زا" کی تینوں حرکتوں اور آخر میں "ہا" کے بغیر) لہٰذا اس میں بھی چھ لغتیں ہوئیں پہلی تین لغتوں میں اس کا وزن "فُعْلِلَۃٌ" اور آخر کی تین لغتوں میں "فُعْلِلٌ" ہے(۶)۔ (مَبْثُوْثَۃٌ) بکھیرے ہوئے، پھیلائے ہوئے (بچھائے ہوئے)(۷) صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول، بَثَّ الشَّیْءَ (ن) بَثًّا: بکھیرنا، پھیلانا (بچھانا) سے۔

ترکیب: (وُجُوْہٌ یومئذٍ ناعِمَۃٌ) اس کی ترکیب "وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ" کی طرح ہے۔ "لسعیھا" "راضیۃ" کے متعلق، اور "راضیۃ" خبر ثانی وُجوہٌ کی (فی جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ) فی جنۃ (کائنۃ) محذوف کے متعلق ہو کر خبر ثالث وجوہ کی، اور "عالیۃ" صفت "جنّۃٍ" کی۔ (لاتسمع فیھا لاغیۃ) "لاتسمع" فعل مضارع منفی معروف، ضمیر (ھی) پوشیدہ محلا مرفوع فاعل، "فیھا" متعلق لا تسمع کے، "لاغیۃ" مفعول بہ اور جملہ "لاتسمع" صفت ثانی "جنۃ" کی "فیھا" خبر مقدم

---

(۱) اسناد اگر مجازی مانی جائے تو اسم فاعل کا صیغہ ہوگا۔ کمافی الروح۔ (۲) روح: ۱۶/ ۲۰۶۔ (۳) روح: ۱۴/ ۱۳۶ (ملتان) سورہ واقعہ۔ (۴) روح: ۱۵/ ۱۳۲ (ملتان) اعراب القرآن: ۸/ ۲۹۳، جلالین/ ۴۹۸ (بین السطور) (۵) روح: ۱۶/ ۲۰۷ (زکریا)

(۶) اعراب القرآن وصرف: ۱۵/ ۳۱۴۔ (۷) روح: ۱۶/ ۲۰۷۔

"عَيْنٌ جَارِيَةٌ" موصوف صفت سے مل کر مبتدا موخر اور جملہ: "فیها عین......" محلا مجرور صفت ثالث "جَنَّةٍ" کی (فیها سرر مرفوعة) پہلے جملہ کی طرح ترکیب ہو کر صفت رابع "جنة" کی (واکواب موضوعة) "واؤ" عاطفہ "اکوابٌ موضُوعَةٌ" موصوف صفت سے مل کر معطوف "سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ" پر (ونَمارِقُ مَصْفُوفَةٌ) موصوف صفت سے مل کر معطوف "سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ" پر اسی طرح (وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ) کا بھی اسی پر عطف ہے۔

جملوں کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "وجوه یومئذٍ......" مستانفہ بیانیہ ہے اور باقی جملوں کے محل اعراب کو ترکیب میں غور کر کے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

> اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (١٧) تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (١٨) اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (١٩) اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (٢٠) اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ربط: ماقبل میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں، ان سب کا وقوع قیامت میں ہوگا اور بعض لوگ قیامت کے منکر ہیں، لہٰذا مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں کو ذکر فرمایا ہے، جن میں غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس کے لیے قیامت کو موجود کرنا ناممکن یا مشکل نہیں ہے، اس کے بعد بھی انکار کیا جائے تو عناد، ضد اور بدنصیبی و محرومی کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔

تفسیر: "اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ......" تو کیا وہ لوگ (جو قیامت کے منکر ہیں) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ نے اونٹ میں جو خصوصیات رکھی ہیں، اسی طرح اسکو جس ہیئت و کیفیت پر بنایا ہے، اس میں انسان اگر غور کرے، تو اس کے لیے خدا کی قدرت و حکمت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت کم یاب چیز ہے، ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ملتا ہے، قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزور ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات، آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پوری کر دیتی ہے۔ نیز اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لیے سیڑھی لگانا پڑتی، مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہ میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی ہر پیر میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ تہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے اور محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتا ہے (1)۔ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے یعنی بغیر کسی ظاہری

---

(۱) از معارف القرآن: ۸/۷۳۲۔

ستون کے اللہ تعالی نے کیسا اونچا بنایا ہے، یہ چیز ہر ایک کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں کہ ذرا بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھاتے ہیں۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے ہیں) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے کہ کروی الشکل (گول) ہونے کی باوجود بڑی ہونے کی وجہ سے مسطح معلوم ہوتی ہے، اسی لیے اس پر رہنا سہنا آسان ہو گیا۔

اللغة: (الإبل) اسم جامد، بہت سے اونٹ، اس کے لیے اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے، البتہ اس کی جمع (آبال) بیان کی گئی ہے اور یہ مؤنث سماعی ہے، دلیل اس کی تصغیر "اُبَیْلَۃ" ہے (۱)۔ (نُصِبَتْ) کھڑے کئے گئے ہیں وہ، اونچے کئے گئے ہیں، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، نَصَبَ الشَّیْءَ (ض) نَصْبًا: کھڑا کرنا، اونچا کرنا، (۲) سے (سُطِحَتْ) بچھائی گئی ہے وہ، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول سَطَحَهُ (ف) سَطْحًا: بچھانا، برابر کرنا، سے (۳)۔

ترکیب: (اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ) "ہمزہ" برائے استفہام انکاری "فا" عاطفہ معطوف علیہ محذوف ہے، تقدیری عبارت ہے: اَیُنْكِرُوْنَ الْبَعْثَ فلا ینظرون، (ینظرون) فعل فاعل سے مل کر معطوف (۴) (الی الابل) متعلق ینظرون کے (کیف) اسم مبنی علی الفتح محلا منصوب حال خلقت کی ضمیر سے، ذوالحال حال سے مل کر فاعل اور جملہ: "كَیْفَ خُلِقَتْ" محلا مجرور، بدل اشتمال "الابل" سے، (وَالی السماءِ کیف رُفِعت) (واؤ) عاطفہ اور (الی السماء) معطوف "الابل" پر اور جملہ: "کیف رفعت" حسب سابق ترکیب کے بعد محلا مجرور، بدل اشتمال "السماء" سے (والی الجبال کیف نُصِبت) (واؤ) عاطفہ الی الجبال معطوف، الی الابل پر اور جملہ: "کیف نصبت" حسب سابق ترکیب کے بعد بدل اشتمال "الجبال" سے۔ اسی طرح (والی الارض کیف سُطِحت) کی ترکیب کی جائے گی۔

فائدہ: جملہ مقدرہ: (یُنْكِرُوْنَ ......) مستانفہ ہے، اور جملہ: "ینظرون" اس جملہ مستانفہ پر معطوف ہے، لہٰذا معطوف علیہ کی طرح اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے (۵)۔

> فَذَكِّرْ ۟ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۟ؕ تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے، کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔
> لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۟ۙ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۟ۙ ہاں مگر جو روگردانی
> کریگا اور کفر کریگا۔ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۟ؕ تو خدا اس کو بڑی سزا دیگا۔ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ۟ۙ

---

(۱) روح: ۱۶/۲۰۸ (زکریا) (۲) المعجم الوسیط/۹۲۴۔ (۳) المعجم الوسیط ۴۲۹۔

(۴) یہ زمخشری کی رائے ہے، اور جمہور ایسے موقعہ پر "ہمزہ" کو مؤخر اور "فا" عاطفہ کو مقدم مانتے ہیں اور تقدیری عبارت "فَأَلَایَنْظُرُوْنَ" اور "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" میں "فَأَلَاتَعْقِلُوْنَ" مانتے ہیں، اور ماقبل والے کلام پر معطوف مانتے ہیں پھر ہمزہ کو اس لیے مقدم کیا گیا چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ من الروح: ۱/۳۹۳ (پ:۱، ع:۵) ورضی: ۴/۳۱۵۔

(۵) من الروح: ۱۶/۲۰۹ واعراب القرآن لمحی الدین: ۸/۲۹۲ واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۱۵۔

ہمارے ہی پاس ان کو پھر آنا ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۝ پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

ربط: ماقبل میں یہ بات بیان کی گئی ہے، کہ ان منکرین کے لیے دلائل موجود ہیں کہ اگر ان میں غور کریں تو انکار سے روکنے کے لیے کافی ہیں۔ اور مذکورہ بالا آیات میں یہ مضمون ہے کہ دلائل کے باوجود یہ لوگ نہیں غور کرتے تو ایسے لوگوں کی آپ بھی زیادہ فکر نہ کریں۔

تفسیر: (فذکر انما انت مذکر الخ) تو آپ نصیحت کردیا کیجئے، کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔ یعنی جب واضح اور کھلے دلائل کے ہوتے ہوئے بھی غور نہیں کرتے ہیں، اور اپنے کفر وانکار سے باز نہیں آتے ہیں، تو جائیں بھاڑ میں۔ آپ بھی ایسوں کی زیادہ فکر نہ کریں، بلکہ نصیحت کردیا کیجئے، کیونکہ نصیحت اور سمجھانے کے لیے ہی آپ کو بھیجا گیا ہے، اگر سمجھانے کے بعد بھی یہ لوگ نہیں سمجھتے، تو آپ ان پر کوئی داروغہ ومسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں؛ یہ کام تو مقلب القلوب ہی کا ہے^(۱)۔

(الا مَن تولیٰ وَ كَفَرَ) ہاں مگر جو روگردانی کریگا اور کفر کریگا تو خدا (تعالٰی) اس کو آخرت میں بڑی سزا دیگا (کیونکہ) ہمارے ہی پاس ان کو پھر آنا ہے، پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔ یعنی جس نے اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی اور اس کی آیتوں کا انکار کیا، تو وہ اللہ تعالٰی کی سخت ترین سزا سے جو آخرت میں ہوگی بچ نہیں سکتا۔ کیوں کہ یقیناً ایک دن ان کو ضرور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے؛ اور ہم کو ان سے ایک ایک رتی کا حساب لینا ہے۔ غرض آپ اپنا فرض منصبی ادا کئے جایئے اور ان کا مستقبل ہمارے سپرد کیجئے^(۲)۔

اللغۃ: (مُصَيْطِرٍ) مسلط، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، ثلاثی مزید ملحق برباعی مجرد کے باب "فَيْعَلة" سے۔ اصل میں مُسَيْطِر (سین کے ساتھ) تھا، اور سین کو صاد سے بدلدیا، مُصَيْطِرٌ ہوگیا۔ سَيْطَرَ عليه سَيْطَرَةً باب "فيعلة" وَسَطَرَ عليه، (ن) سَطْرًا: مسلط ہونا، مقرر ہونا۔^(۳) (يُعَذِّبُ) سزا دیگا۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب تفعیل سے "تَعْذِيبٌ" مصدر: سزا دینا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ "نبا" میں "عَذابًا" (اِيَاب) پھر آنا، (لوٹ کر آنا) مصدر، اصل میں اِوَاب تھا، جیسے "قیام" اصل میں قِوَامٌ تھا "واؤ" کو "یا" سے بدل لیا گیا، اِيَابٌ ہوگیا۔ آبَ (ن) أَوْبًا، واِيابًا، ومابًا: لوٹنا۔ (حِسَابَ) سورہ نبأ وسورہ انشقاق میں یہ لفظ گزر چکا ہے۔

ترکیب: (فَذَكِّر انما انت مُذَكِّرٌ......) "فا" برائے ترتیب محض^(۴) اور جملہ: "ذَكِّر" مستانفہ، "انما" کافہ ومکفوفہ "انتَ" مبتدا "مُذَكِّر" خبر اور جملہ تعلیلیہ، "لستَ" فعل ناقص اور "تا" ضمیر محلاً مرفوع اس کا اسم، (عليهم)

---

(۱) از تفسیر عثمانی۔ (۲) مذکورہ۔ (۳) روح: ۱۵/۱۳۴، وجلالین مع الحاشیۃ: ۴۹۸، ولغات القرآن: ۵/ ۳۹۸۔

(۴) یعنی صرف ترتیب کا فائدہ دینے کے لیے ہے عطف کے لیے نہیں، کیونکہ انشاء کا خبر پر عطف نہیں ہوتا ہے (کما فی مغنی اللبیب: ۱/ ۶۷) اور یہ بھی ممکن ہے کہ فا شرط مقدر کے جواب میں ہو۔ (اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۱۶)۔ ترتیب والا قول روح المعانی میں ہے۔

مُصَيْطِرٍ کے متعلق "با" زائدہ، جو کسی کے متعلق نہیں ہوگی، اس لیے کہ حرف جر زائد کسی کے متعلق نہیں ہوتا ہے، "مُصَيْطِرٍ" لفظا مجرور محلا منصوب، لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے اور جملہ "لست علیھم" مستانفہ بیانیہ۔ (اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ) "الا" حرف استثناء بمعنی لکن اور استثناء منقطع ہے۔ (علیھم) کی ضمیر سے۔

فائدہ: استثناء منقطع کی بعض صورتوں میں الا کے بعد جملہ واقع ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے (۱)۔ "من" موصولہ مبتدا "تولی" صلہ "و کفر" معطوف صلہ پر (فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ) "فا" برائے رابطہ (مبتدا چونکہ شرط کے معنی کو متضمن ہے، اس لیے خبر پر "فا" لائی گئی ہے) (یعذب) فعل "ھا" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ (اللّٰهُ) فاعل (العذاب) مفعول مطلق، (الاکبر) صفت، (اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ) "انّ" حرف مشبہ بالفعل "اِلَيْنَا" خبر مقدم "اِيَابَهُمْ" اسم موخر "ثم" حرف عطف "عَلَيْنَا" خبر مقدم اور "حِسَابَهُمْ" اسم موخر۔

جملوں کی نوعیت اور محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "من تولی......" مستثنیٰ منقطع کی بنیاد پر محلا منصوب ہے (۲) اور جملہ "تولی" صلہ ہے اور جملہ "کفر" صلہ پر معطوف ہے، لہٰذا دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور جملہ "یعذبہ" خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے (۳) اور جملہ "ان علینا......" تعلیلیہ اور جملہ "ثم ان علینا" جملہ تعلیلیہ پر معطوف ہے؛ (۴) لہٰذا ان دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

آیاتہا (۳۰) (۸۹) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰) رکوعہا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ اور جفت اور طاق کی۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ اور رات کی جب وہ جانے لگے۔ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵ کیا اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے۔

ربط: سابقہ سورت میں فریقین (مؤمن و کافر) کی جزا و سزا کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ (وجوہ یومئذ خاشعۃ) میں کفار کی سزا اور (وجوہ یومئذ ناعمۃ) میں اہل ایمان و طاعت کی جزا کو بیان کیا گیا ہے، اور مذکورہ سورت کا بڑا مقصد جزا و سزا والے اعمال کا بیان ہے۔ اور تمہید میں عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے والی بعض ایسی قوموں کا بیان ہے جن کے اعمال سزا والے تھے۔

---

(۱) فمن المنقطع ما یقع بعد إلا فیہ جملۃ (روح: ۱۶/۲۱۰) (۲) اعراب القرآن: ۸/۲۹۷ و اعراب القرآن و صرفہ: ۱۵/۳۱۸۔

(۳) روح: ۱۶/۲۱۰۔ (۴) اعراب القرآن و صرفہ: ۱۵/۳۱۷۔

تفسیر: (والفجر ولیال عشر الخ) قسم ہے فجر (کے وقت) کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی ("فجر" سے مراد ہر روز کی صبح صادق ہے اور اس کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے، کیونکہ یہ عالم میں ایک عظیم انقلاب لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے جیسا کہ سورہ "تکویر" میں "والصبح اذا تنفس" میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے(۱) اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "عبادت کرنے کے لیے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرۂ ذی الحجہ سب سے افضل ہے، اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کے برابر ہے۔"(۲) اور "جفت" سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور "طاق" سے مراد ذی الحجہ کی نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ ہے)(۳)۔ اور (قسم ہے) رات کی جب وہ جانے لگے یعنی گزرنے لگے۔ (هَلْ فِيْ ذَالِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ) کیا اس میں عقلمند کے واسطے کافی(۴) قسم بھی ہے۔ یہ استفہام تاکید و تقریر کے لیے ہے۔ یعنی مذکورہ قسموں میں سے ہر ہر قسم تاکید کلام کے لیے کافی ہے۔ گرچہ قرآن میں مذکور سبھی قسمیں اسی طرح کی ہیں، مگر اہتمام (مہتم بالشان ہونے) کی وجہ سے کافی ہونے کی صراحت کردی گئی ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے، جو اس قسم کے عظیم ہونے کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے(۵) اور جواب قسم مقدر ہے کہ "منکروں کو ضرور سزا ہوگی" جس پر آئندہ کلام قرینہ ہے؛ جس میں پہلے منکرین کی سزا کو بیان کیا گیا ہے۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت

ان قسموں کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہوسکتی ہے کہ یہ دلیل ہیں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی، جن کا تقاضہ ایمان اور اطاعت کا واجب ہونا ہے اور ترک واجب پر عذاب کا مرتب ہونا ظاہر ہے(۶)۔

اللغۃ: (اَلْفَجْرِ) صبح کا وقت، صبح کی روشنی، اصلاً یہ مصدر ہے۔ فَجَرَ (ن) الشَیْئَ فَجْرًا: کسی چیز کو خوب دور تک پھاڑ دینا۔ صبح کی روشنی سے چونکہ رات کی تاریکی پھٹ جاتی ہے، اس لیے صبح کو "فجر" کہا جاتا ہے(۷)۔ (الشَّفْعِ) جفت (جوڑا) (وَالْوَتْرِ) طاق (جو جوڑا نہ ہو) جمع: اَوْتَار، اسم جامد ہے۔ (یَسْرِ) گزرنے لگے، جانے لگے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف بحالت رفعی باب "ضرب" سے۔ اصل میں یَسْرِی تھا، "یا" کو یا تو تخفیفاً یا رعایت فاصلہ کی بناء پر حذف کیا گیا ہے، "اذا" کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اذا غیر عاملہ ہے(۸)۔ سَرَی (ض) سَرْیًا و سِرَایَۃً وَسُرًی: رات

---

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے یہی تفسیر منقول ہے، (روح:۱۶/۲۱۵)

(۲) مظہری ۱۰/۲۵۳ (بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ) و معارف القرآن:۸/۷۲۷۔ (۳) بیان القرآن والروح:۱۶/۲۱۶۔

(۴) "قسم" کی تنوین تعظیم کے لیے ہے ای: قسم عظیم، اسی کی تعبیر ترجمہ میں "کافی" سے کی گئی ہے۔

(۵) تاکید عظیم ہونے کی اس لیے ہے کہ قسم کا عظیم ہونا تو قسم کھانے سے معلوم ہوگیا ہے۔ (۶) بیان القرآن:۱۲/۹۸۔

(۷) روح:۱۶/۲۱۵۔ (۸) روح:۱۶/۲۱۸۔

میں چلتا(۱) یہاں گزارا کرنے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے(۲)۔ (ھل فی ذالك قسم) "ذالك" کا اشارہ "مقسم بہ" کی طرف ہے اور "مقسم" کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اور استفہام تحقیق وتقریر کے لیے ہے، حاصل معنی ہوں گے: واقعی اس میں کافی قسم ہے اور یا استفہام ایہامی تحقیق وتقریر کے لیے ہے، جیسا کہ مدعی اپنے دعوی پر ظاہر اور قوی دلیل پیش کرنے کے بعد کہے: "ھَلْ دَلَّ ھذا علی ما قلنا" "کیا یہ ہماری بات کی دلیل بھی ہے؟" یعنی یہ بہت بڑی دلیل ہے(۳)۔ (حِجْر) عقل، جمع: أحجار، وحجور، (ذی حِجر) عقل والا۔

ترکیب: (وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۭ) (واو) حرف جر برائے قسم (الفجر) مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق فعل محذوف (اُقسم) کے (ولیال) معطوف الفجر پر (عشر) صفت (والشفع) (والوتر) دونوں معطوف الفجر پر (والیل) معطوف الفجر پر (اذا یسر) "اذا" کو ظرفیت (مفعول فیہ ہونے) کے معنی سے خارج مان لیا جائے تو اذا مضاف اور (یسر) بتاویل مفرد ہوکر مضاف الیہ، اور مضاف مضاف الیہ سے مل کر بدل "الیل" سے، اور ظرفیت کے معنی سے خارج نہ مانا جائے تو "الیل" سے پہلے "عظمة" یا اس کے مانند کوئی مضاف مقدر مانا جائے گا، جس کا یہ مفعول فیہ ہوگا، کیونکہ قسم عظیم اور بڑی چیز ہی کی کھائی جاتی ہے، (اس کے متعلق کچھ تفصیل "والیل اذا عسعس" (سورہ تکویر) میں آچکی ہے، نیز اذا کے متعلق تفصیل کلام لغات القرآن وصرفہ میں سورہ "انفطار" کے شروع میں ہے، لہٰذا وہاں ملاحظہ کرلیا جائے) جواب قسم مقدر ہے: "لَيُعَذَّبُنَّ"(۴) "ھل" حرف استفہام (فی ذالك) خبر مقدم (قسم) مبتدا مؤخر (لذی حجر) متعلق (کائن) کے ہوکر صفت "قسم" کی، اور جملہ "ھل فی ذالك" معترضہ ہے(۵) اور جملہ: "(اقسم) والفجر" مستانفہ ہے اور جملہ: (لَيُعَذَّبُنَّ) جواب قسم ہے اور ان میں سے کسی جملہ کے لیے محل اعراب نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا ان کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ البتہ جملہ: "يَسْرِ" مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے۔

> اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۽ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۽ یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جن کے قد وقامت ستون جیسے تھے۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۽ جن کے برابر شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا۔ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۽ اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القری میں پتھروں کو تراشتے تھے۔ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۽ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۽ جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۽ اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۽ سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا

---

(۱) روح: ۹/ ۶ پارہ ۱۵ رکوع ۱، واعراب القرآن ۸/ ۳۰۳ (۲) روح: ۱۶/ ۲۱۸۔ (۳) مذکورہ: ۱۶/ ۲۱۹۔

(۴) روح: ۱۶/ ۲۱۹، اور بعض نے "ان ربک لبالمرصاد" کو جواب قرار دیا ہے۔ (۵) بیان القرآن۔

برسایا۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ بیشک آپ کا رب گھات میں ہے۔

ربط : سورت کے شروع میں چند چیزوں کی قسم کھا کر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ منکروں کو ضرور سزا ہوگی۔ یہ سزا آخرت میں تو ہوگی ہی، دنیا میں بھی ہوسکتی ہے: مذکورہ بالا آیات میں اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے چند سرکش و نافرمان قوموں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر: (الم تر کیف فعل ربك الخ) کیا آپ (ﷺ(۱)) کو معلوم نہیں ہے (یعنی معلوم ہے (۲)) کہ آپ کے پروردگار نے قوم "عاد" یعنی قوم "ارم" کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جن کے قد و قامت ستون جیسے تھے (اور) جن کی برابر شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا (عاد بن عاص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد و نسل کے دو نام ہیں:۔ (۱) عاد (۲) ارم۔ پہلا نام باپ کے نام پر اور دوسرا دادا کے نام پر ہے اور حضرت "ہود" علیہ السلام کو اس قبیلہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس قوم میں دو طبقے ہیں، متقدمین جن کو "عاد اولیٰ" اور متاخرین جن کو "عاد اخریٰ" کہا جاتا ہے، (۳) یہاں "عاد" کے ساتھ "ارم" کی قید اس بات کو بتلا رہی ہے کہ "عاد" سے مراد "عاد اولیٰ" ہے۔ اس لیے کہ قلت وسائط اور قرب کی وجہ سے عاد کا اطلاق "عاد اولیٰ" ہی پر ہوتا ہے (۴)۔

اس قوم کی مذکورہ آیت میں دو صفت بیان کی گئی ہیں:- (۱) (ذات العماد) ستون والے، یعنی لمبائی اور قد کی درازی میں ستون جیسے تھے۔ (۲) (لم یخلق مثلها الخ) یعنی ان جیسا قوت اور طاقت میں اس زمانہ میں کوئی نہیں پیدا کیا گیا۔ (۵)

(وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ) اور قوم "ثمود" کے ساتھ (کیا معاملہ کیا) جو وادی القریٰ میں (پہاڑ) کے پتھروں کو تراشا کرتے تھے "ثمود" عاد کی طرح ایک قبیلہ کا نام ہے، یہ نام اس قبیلہ کے دادا "ثمود" کے نام پر رکھا گیا ہے، "ثمود" "عابر (۶)" کا بیٹا ہے اور "عابر" "ارم بن سام بن نوح" کا۔ لہٰذا "عاد" اور "ثمود" "ارم بن سام" میں جا کر مل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی رہائش "وادی القریٰ" اور حجر "نامی" شہروں میں تھی، جو حجاز اور شام کے درمیان میں ہے اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ مذکورہ آیت میں ان کی صفت (الذین جابوا الخ) ذکر کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہنر مند تھے کہ پہاڑوں کے پتھروں کو تراش کر مضبوط مضبوط قسم کے مکانات بناتے تھے، لیکن سرکشی پر جب عذاب

---

(۱) خطاب حضور ﷺ کو ہے کما فی "الروح": فانه استشهاد بعلمه صلى الله عليه وسلم الخ (۲۲۰/۱۶)

(۲) اس لیے کہ استفہام انکاری ہے۔ (۳) یہ "عاد اخریٰ" وہی ہے جس کو ثمود کہا جاتا ہے، یعنی ارم کی ایک شاخ کا نام عاد اولیٰ اور دوسری کا نام ثمود یا عادِ اخریٰ ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قوم عاد پر جس وقت عذاب آیا، تو ان کا ایک وفد مکہ معظمہ گیا ہوا تھا وہ عذاب سے محفوظ رہا، اس کو عاد اخریٰ کہتے ہیں۔ معارف القرآن: ۵۹۹/۳ (اعراف)۔ (۴) از بیان القرآن: ۹۶/۱۲۔

(۵) ابن کثیر: ۵۰۷/۴۔ (۶) روح ۲۴۰/۵، پ: ۸، ع: ۱۷، میں یہ لفظ "عابر" "با" کے ساتھ لکھا ہے، اور بیان القرآن میں بھی مذکور ہے، البتہ ابن کثیر میں "ثا" کے ساتھ "عاثر" لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الٰہی آیا تو یہ ہنر اور علم وفن ذرا بھی ان کے کام نہیں آیا۔

(وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ) اور میخوں والے فرعون (۱) کے ساتھ (کیا معاملہ کیا، "درمنثور" میں ابن مسعود، سعید بن جبیر مجاہد، حسن اور سدی سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا تھا اس کے چاروں ہاتھ پاؤں چار میخوں سے باندھ کر سزا دیتا تھا۔ (۲) لیکن اس کے ظلم نے آخر مات کھائی، سلطنت بھی ہاتھ سے گئی، اور خود بھی مع اپنے لشکر کے ہلاک ہوا۔

(الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ......) جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔ یہ مذکورہ تینوں گروہوں کی مشترکہ صفت کا بیان ہے کہ ان قوموں نے عیش ودولت اور زور وقوت کے نشہ میں مست ہوکر ملکوں میں خوب اودھم مچایا، بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم نہیں اور ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے اور کبھی اس ظلم وشرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑیگا۔ آخر جب ان کے کفر وتکبر اور جور وستم کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور مہلت ودرگذر کرنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا، تو دفعۃً خداوند قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا یعنی عذاب نازل کیا اور ان کی سب قوت وبڑائی خاک میں مل گئی؛ اور وہ سازوسامان کچھ بھی کام نہ آیا۔ اگلی آیت "فصب علیھم الخ" میں یہی مضمون بیان کیا گیا۔

(اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ) بیشک آپ کا رب گھات میں ہے۔ یعنی جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والے کی اور اس کے اعمال واحوال کی خبر رکھتا ہے اور پھر وقت آنے پر اپنی ان معلومات کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سب بندوں کے ذرہ ذرہ اعمال واحوال کو دیکھتا ہے اور وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا (۳) کھول کر رکھ دیتا ہے اور ہر ایک سے انہی اعمال کے موافق معاملہ کرتا ہے، جو شروع سے اس کے زیر نظر تھے۔ لہٰذا ایسے خداوند قہار اور عالم کل سے یہ کیسے ممکن تھا کہ مذکورہ قوموں کو کیفر کردار تک نہ پہونچاتا۔ اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ کے کفار بھی "ان ربك لبا لمرصاد" کی حقیقت اور مذکورہ قوموں کی ہلاکتوں کو سامنے رکھیں، اور کفر وشرک اور مذموم حرکتوں سے باز آئیں ورنہ تو وقت پر انجام بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔

اللغۃ : (عاد) مختصر تعارف تفسیر کے تحت آچکا ہے، اور مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں دیکھیں۔ (الْعِمَاد) ستون، وہ چیز جس کا سہارا لیا جائے۔ جمع عُمُدٌ، وَاَعْمِدَۃٌ۔ (الْبِلَادِ) اسم جامد، شہر، بَلَدٌ اور بَلْدَۃٌ دونوں کی یہ جمع آتی ہے (ثَمُوْد) مختصر تعارف اس آیت کی تفسیر اور اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ بروج آیت: ۱۸، کے تحت آچکا ہے، (جَابُوْا) تراشا انہوں نے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، جَابَ (ن) جَوْبًا: تراشنا، کاٹنا، سے۔ (الصَّخْرَ) اسم جامد، صَخْرۃ (بمعنی سخت بڑا پتھر جسکو چٹان کہتے ہیں) کی جمع ہے صُخُوْرٌ اور صَخَرٌ بھی جمع آتی ہیں۔ (الواد) اس لفظ کی تحقیق سورہ "نازعات" میں "اذنا داہ ربہ بالواد الخ" کے تحت گزر چکی ہے (۴) اور یہاں اس سے

---

(۱) فرعون کا مختصر تذکرہ سورہ نازعات میں آچکا ہے۔ (۲) روح: ۱۶/۲۲۴۔ (۳) کچا چٹھا صحیح حال، کل کیفیت۔

(۴) "الواد" اصل میں "الوادی" تھا، رعایت فاصلہ کی وجہ سے "یا" کو حذف کردیا گیا ہے۔ (اعراب القرآن: ۸/۳۰۲)

مراد "وادی القریٰ" ہے جو ثمود کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، جیسا کہ ان کا ایک شہر "حجر" بھی ہے، اور یہ سب حجاز اور شام کے درمیان ہیں، (۱) (أَكْثَرُوْا) انہوں نے زیادہ کیا، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب افعال سے، "إِكْثَارٌ" مصدر: زیادہ کرنا۔ (الفساد) بگاڑ، خرابی، اصلاً مصدر ہے فَسَدَ (ن): فَسَادًا: خراب ہونا۔ (صَبَّ) برسایا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ صَبَّ الماءَ (ن) صَبًّا: پانی بہانا، انڈیلنا، یہی اس کے اصلی معنی ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی نسبت پانی یا (سائل بہنے والی چیز) ہی کی طرف ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں یہ نازل کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، اور "انزال" کے بجائے "صبّ" سے تعبیر کرنے میں اس عذاب کی کثرت اور تتابع (مسلسل ہونے) کی طرف اشارہ کرنا ہے، جیسا کہ پانی بہانے میں ایسا ہی ہوتا ہے اور نسبت غیر سائل (سوط) کی طرف اس لیے کر دی گئی ہے کیونکہ سوط کو سرعت نزول میں برسنے اور بہنے والی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (۲) (سَوْط) بٹا ہوا چمڑا، جس کو کوڑا کہا جاتا ہے۔ جمع: سِيَاط و أَسْوَاط۔ (عذاب) یہاں مُعَذَّب بہ (جس کے ذریعہ تکلیف و سزا دی جائے) کے معنی میں ہے، اور "سوط عذاب" میں اضافت بیانیہ ہے، ای: سوطًا من العذاب (۳) باقی لفظ عذاب کی تحقیق سورہ "نبا" میں گزر چکی ہے۔ (المرصاد) گھات کی جگہ اسم مکان بروزن مفعال ہے، اس لفظ کی مزید تحقیق کے لیے دیکھیے سورہ "نبا" میں "مرصادا"

ترکیب: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ o إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ o الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ o وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ o ہمزہ برائے استفہام انکاری (۴) (لم) حرف نفی جازم مبنی علی السکون۔ (تَرَ) فعل با فاعل۔ (کیف) اسم استفہام محلاً منصوب، مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے، اس لیے کہ "کیف فعل ربك" کے معنی ہے: "أَيَّ فَعْلٍ فَعَلَ رَبُّكَ" (بعاد) متعلق "فَعَلَ" کے (إِرَمَ) بدل یا عطف بیان عاد سے (ذات العماد) صفت "ارم" کی (التی) صفت ثانی "ارم" کی (لم یخلق مثلها) صلہ (فی البلاد) متعلق (لم یخلق) کے۔ (وثمود) معطوف (عاد) پر (الذین) صفت (ثمود) کی (۵) (جابوا) صلہ، (الصخر) مفعول بہ (جابوا) کا (بالواد) متعلق جابوا کے۔ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ o الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ o فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ o فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ o إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ o (وفرعون) معطوف "عاد" پر (ذی الاوتاد) مرکب اضافی ہو کر صفت "فرعون" کی

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) یعنی جیسے برسنے اور بہنے والی چیز کو اترنے میں دیر نہیں لگتی ہے بلکہ جلدی اترتی ہے ایسا ہی یہ عذاب کا کوڑا تھا، جس کو اترنے اور برسنے میں دیر نہیں لگ رہی تھی، لہٰذا جب یہ شئی مصبوب (برسنے والی چیز) کے مشابہ ہو گیا تو "صَبَّ" کی اس کی طرف اسناد کر دی گئی۔ من الروح: ۱۵/۱۴۳۔ (۳) روح: ۱۶/۲۲۳ (زکریا) (۴) اور نفی کی نفی سے چونکہ اثبات کا فائدہ ہوتا ہے، لہٰذا "الم تر" کا حاصل نکلا "قد رایت" اس لیے اس کو استفہام تقریری بھی کہا جاتا ہے۔ کما فی اعراب القرآن: ۸/۳۰۴۔

(۵) ثمود کے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع صفت لائی گئی ہے (اعراب القرآن وصرفہ)

(اللذین) "عاد، ثمود اور فرعون" تینوں کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے(۱) (طغوا) صلہ (فی البلاد) متعلق "طغوا" کے (فاکثروا) معطوف "طغوا" پر (الفساد) مفعول بہ، (فصب) معطوف "طغوا" پر (علیهم) متعلق "صب" کے (سوط عذاب) مفعول بہ صب کا، (ان ربك) ان اور اس کا اسم، (لبالمرصاد) لام مزحلقہ یعنی لام ابتداء (بالمرصاد) متعلق "کائن" کے ہوکر خبر۔

جملوں کی حیثیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "لم تر" مستانفہ ہے۔ اور جملہ: "فعل ربك......" "لم تر" کے دو مفعول کے محل میں ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور جملہ: "لم یخلق......" کے لیے صلہ ہونے کی وجہ سے کوئی محل اعراب نہیں ہے یہی حال جملہ: "جابوا......" اور "جملہ: "طغوا......" کا ہے۔ اور جملہ: "اکثروا......" "جملہ: "طغوا" پر معطوف ہے، جو صلہ ہے لہٰذا معطوف علیہ کی طرح اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور جملہ: "صب......: "جملہ "اکثروا" پر معطوف ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور جملہ "ان ربك" معللہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے(۲)۔

> فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے، یعنی اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝۱۶ اور جب اس کو آزماتا ہے۔ یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔

ربط: ماقبل میں مذکورہ قوموں کی سرکشی پر ان کی ہلاکت وتباہی کو بیان کیا گیا ہے اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی گھات میں ہے۔ اس کا تقاضہ یہ تھا کہ موجودہ کفار عبرت پکڑتے، اپنی حالت سدھارتے اور عذاب وسزا والے اعمال سے بچتے، ایمان وطاعت اور ان اعمال کو اختیار کرتے جن سے آخرت بنتی اور رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے، لیکن ان کفار کا حال یہ ہے عذاب وسزا والے اعمال میں اپنی زندگی جھونک رہے ہیں، جن سب کی اصل دنیا کی محبت ہے، جو ام الخبائث والمعاصی ہے، سارے گناہ اسی سے جنم لیتے ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "حب الدنیا راس کل خطیئة" (دنیا کی محبت ہر غلطی وگناہ کی جڑ ہے) مذکورہ آیات میں کفار کی دنیا سے اسی محبت کے مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر: (فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ): سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی(۳) اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی، اور جب اس کو آزماتا ہے، یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے

---

(۱) اور بھی ترکیب ممکن ہے، جس کو شوق ہو "اعراب القرآن" کی مراجعت کرے۔ (۲) از اعراب القرآن وصرفہ۔

(۳) "فاکرمه" کی "فا" چونکہ تفسیریہ ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کیا یعنی "ان ربک بالمرصاد" کے مضمون کا تقاضہ یہ تھا کہ موجودہ کفار عبرت پکڑتے اور عذاب والے اعمال سے بچتے اور آخرت والے اعمال اختیار کرتے۔ لیکن کافر انسان (۱) کا حال یہ ہے کہ اس کا مقصود زندگی دنیا اور اس کی نعمتیں ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دو طرح آزمائش لیتے ہیں:- (۱) عزت اور مال و دولت دیکر، اس میں اس کے شکر وطاعت کا امتحان مقصود ہوتا ہے (۲) روزی کو تنگ کرکے، اس میں صبر کا امتحان مقصود ہوتا ہے، کافر انسان کو جب پہلی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ فخریہ اور استحقاق (۲) کا مدعی بنکر کہتا ہے کہ خدا نے جاہ و مرتبہ اور مال و دولت دیکر مجھے عزت دی یعنی میں اس کا مقبول ہوں کہ مجھے ایسی ایسی نعمتیں دیں۔ اور جب اس کو دوسری آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، تو شکایت کے طور پر کہتا ہے کہ روزی کی تنگی میں مبتلا کرکے میرے خدا نے مجھے ذلیل کردیا، میری قدر گھٹا دی، یعنی میں اس کا مستحق تھا کہ مجھے نعمتیں ملتی، لیکن اس کے باوجود خدا نے مجھے نظروں سے گرادیا ہے، دونوں آزمائش میں اس کے خیال و نظریہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں:- (۱) وہ دنیا کو مقصود بالذات سمجھتا ہے، جس سے انکار آخرت اور اس کو نظر انداز کرنا جنم لیتا ہے۔ (۲) دعویٰ استحقاق جس سے نعمتوں کے ملنے کی صورت میں نعمت پر فخر و غرور اور ناشکری اور روزی کی تنگی کی صورت میں مصیبت پر شکوہ اور بے صبری جیسے گناہ اور برائیاں مرتب ہوتی ہیں، اس لیے کہ مستحق و حقدار کو کسی کے شکریہ کی کیا ضرورت؟ اور حق نہ ملنے کی صورت میں کیوں نہ وہ شکایت کرے؟ لیکن مؤمن کا شیوہ اور طرز سوچ اس سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ دنیا اس کا مقصود زندگی نہیں ہے، اور اسے جو کچھ اللہ کی طرف سے نعمتیں ملتی ہیں، وہ اپنے کو ان کا مستحق نہ سمجھ کر انہیں محض فضل الٰہی اور عطائے خداوندی سمجھتا ہے۔ اور قلب و زبان اور اعمال سے شکر کو بجالاتا ہے اور دوسری صورت پیش آتی ہے، تو اس کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کو دور کرنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ پھیلاتا ہے اور عبادت وطاعت میں اضافہ کردیتا ہے

اللغة:- (أمّا) حرف شرط، یہاں محض تاکید کے لیے ہے، تفصیل کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی مجمل کلام نہیں آیا ہے جس کی یہ تفصیل کرے (۳) اور اس لفظ کی تحقیق "لغات القرآن وصرفہ" سورہ "نازعات" رکوع دوم میں "فاما من طغیٰ" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (اِبْتَلیٰ) آزمایا اس نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افتعال سے۔ ابتلاہ ابتلاءً (افتعال): آزمانا۔ (أکْرَمَ) اس نے عزت دی، اس نے قدر بڑھائی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، أکْرَمَهٗ إکرامًا (افعال): عزت دینا، تعظیم کرنا، سے۔ (نَعَّمَ) اس نے نعمت دی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، نَعَّمَهٗ تَنْعِیْمًا (تفعیل): نعمت دینا، آسودہ حال بنانا، سے۔ (قَدَرَ عَلَیْهِ) اس نے اس پر تنگی کی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، قَدَرَ علیه الرِّزْقَ (ض)

---

(۱) اس کی طرف اشارہ ہے کہ "الانسان" پر "ال" عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد کافر انسان ہے۔ (بیان القرآن)

(۲) یعنی اس کا دعوی کرتا ہے کہ میں صلاحیت و علم و ہنر کی بنیاد پر اس کا مستحق ہوں کہ یہ چیزیں مجھے ملیں۔ (۳) حاشیہ جلالین / ۴۹۸ بحوالہ جمل اور "اعراب القرآن" میں تفصیل کے لئے قرار دیا ہے، اور احقر کے نزدیک "جمل" کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔

قَدْرًا: روزی تنگ کرنا ہے۔ (أَهَانَنِ) اس نے مجھے ذلیل کیا، میری قدر گھٹا دی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مثبت معروف، باب افعال سے۔ اصل میں "أَهَانَنِی" (یائے متکلم) کے ساتھ تھا، "یا" کو "اکرمنِ" کی "یا" کی طرح اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے۔ أَهَانَهٗ إِهَانَةً (افعال): ذلیل کرنا۔

ترکیب: فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ ○ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ○) "فا" استینافیہ، "اما" حرف شرط برائے تاکید محض، "الانسان" مبتدا، "اذا" ظرفیہ، مفعول فیہ "یقول" کا(۱) (ما) زائدہ "ابتلٰه" حسب معمول ترکیب کے بعد جملہ محلاً مجرور "اذا" کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (فاکرمه) "فا" عاطفہ برائے تفصیل وتفسیر اور جملہ معطوف "ابتلٰه" پر اسی طرح جملہ "نعمه" جملہ "ابتلٰه" پر معطوف ہے لہٰذا یہ دونوں جملے بھی محلاً مجرور ہیں۔ (فَيَقُوْلُ) "فا" برائے ربط اس لیے کہ "اما" میں شرط کے معنی ہے، اور جملہ: "اما الانسان......" مستانفہ (ربی) مبتدا، (اکرمن) فعل، "ھو" ضمیر پوشیدہ، محلاً مرفوع، فاعل، "نون" وقایہ "یا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب، مفعول بہ اور جملہ: "اکرمن" محلاً مرفوع "ربی" مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ اور جملہ: "ربی اکرمن" محلاً منصوب قول کا مقولہ ہونے کی وجہ سے۔ (وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلٰهُ) "اما" کے بعد "ھو" مبتدا مقدر ہے، تاکہ کلام میں توازن رہ سکے، اس لیے کہ پہلے "اما" کے بعد مبتدا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "وَأَمَّا ھو اذا ما ابتلٰه"(۲)۔ باقی ترکیب بعینہٖ جملہ: "فَأَمَّا الانسان اذا ما ابتلٰه......" کی طرح ہے، (۳) جس پر جملہ: "وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلٰهُ" کا عطف ہے۔

> كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں کرتے ہو۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ اور مال سے بہت محبت رکھتے ہو۔

ربط وتفسیر: ماقبل میں کفار کے بارے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:۔ (۱) دنیا ان کا مقصود زندگی ہے۔ (۲) مال ودولت اور رزق کی فراوانی کو اللہ کے یہاں مقبول اور رزق کی تنگی کو مردود ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں، ان آیات میں اولاً "کلا" کے ذریعہ ان دونوں باتوں پر زجر ہے اور پھر کفار کے اور دیگر ناپسندیدہ اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "کلا"

---

(۱) یہ ظرف گرچہ اپنے عامل (یقول) پر مقدم ہے مگر مراد اور نیت کے اعتبار سے مؤخر ہے، اس لئے کہ معنی یہ ہیں فیقول الانسان وقت الابتلاء الخ لہٰذا "یقول" سے متعلق ہونے میں جو خبر واقع ہے، کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے کہ "فا" بھی اس تعلق کے لئے مانع نہیں ہے، گرچہ بعض نحاۃ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، تاہم راجح بلکہ حق جواز ہے۔ کما فی "الروح" نقلا عن الشهاب: وهو الحق الذی لامحيد عنه (۱۶/۲۲۶) (۲) روح: ۱۶/۲۲۷ (۳) یعنی اذا "یقول" کا ظرف ہوگا اور جملہ "ابتلٰه" مضاف الیہ ہوگا، اور جملہ "قدر علیه" اس پر معطوف ہوگا اور جملہ: "یقول" "ھو" مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور جملہ: "ربی اهانن" یقول کا مقولہ ہوگا۔

ہرگز ایسا نہیں یعنی نہ دنیا مقصود بالذات ہے اور نہ اس کا ہونا اور نہ ہونا اللہ کے یہاں مقبول وذلیل ہونے کی دلیل ہے، بلکہ معاملہ اکثر اسکے برعکس نظر آتا ہے، فرعون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی دردِ سر بھی نہ ہوا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے آروں سے چیر کر دو ٹکڑے کردیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر و مفلس تھے، وہ اغنیاءِ مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔“ اور نہ ہی کوئی اکرام کا مستحق ہے اور نہ ہی کوئی شکر کے وجوب سے مستثنیٰ ہے، یہ سبھی باتیں ”کلا“ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ (بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ) الخ بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو یعنی تمہارے اندر صرف وہی عیوب اور برے اعمال نہیں، جن کا ذکر آیت ”فاما الانسان......“ میں آیا ہے، بلکہ اور بھی عیوب اور برے اعمال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو، یعنی اس کی اہانت کرتے ہو اور اس کا مال کھا جاتے ہو۔ اس مضمون کو بیان کرنے کے لیے قرآن کریم نے جو ” لاتکرمون “ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یتیم کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کا حق اس تک پہونچادیا جائے، بلکہ واجب ہے کہ اس کا اکرام بھی کرو اہانت آمیز رویہ سے اس کے ساتھ پیش نہ آؤ، اپنے بچوں کے مقابلہ میں اس کو حقیر و ذلیل نہ جانو⁽¹⁾۔

اور دوسروں کو (بھی) مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے ہو، یہ دوسری بری خصلت کا بیان ہے کہ یتیم و مسکین کے حقوق واجبہ کو خود بھی ادا نہیں کرتے اور دوسرے لوگوں کو بھی حقوق ادا کرنے کے لیے نہیں کہتے ہو، کفار اس کے عملاً تارک اور اعتقاداً منکر ہیں۔ اور کافر کے لیے ترک واجب زیادتی عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اعتقاد کا فساد یعنی کفر و شرک اصل عذاب کا سبب ہوتا ہے، لہٰذا ان لوگوں کو کفر و شرک کی بنیاد پر تو اصل عذاب ہوگا اور واجب (یتیم کے اکرام، اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب) کو چھوڑنے کی بنا پر زیادہ عذاب ہوگا۔ اور تم میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو یہ تیسرا عیب ہے کہ دوسروں کے حقوق بھی کھا جاتے ہو۔ اور میراث موجودہ تفصیل کے ساتھ گرچہ ”مکہ“ میں مشروع نہ تھی، مگر نفس میراث حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی شریعت سے متوارث چلی آرہی تھی۔ چنانچہ بچوں اور لڑکیوں کو میراث کا مستحق نہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ میراث کا حکم پہلے سے بھی تھا۔ (وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا) اور تم لوگ مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔ یہ اصل مرض اور بنیادی عیب ہے، جس سے مذکورہ اور غیر مذکورہ بُرے اعمال و جرائم جنم لیتے اور پنپتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”حب الدنیا راس کل خطیئة“ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

اللغة: (لَاتُكْرِمُوْنَ) تم قدر نہیں کرتے، عزت سے نہیں رکھتے۔ مزید دیکھئے ”اَكْرَمَن“ (الْيَتِيْمَ) انسانوں میں وہ نابالغ بچہ جس کا باپ مرگیا ہو⁽²⁾ صفت مشبہ، يَتَمَ الصَّبِيُّ (ض، ک، س،) يُتْمًا: یتیم ہونا، فهو يتيم والجمع ايتام ويتامى۔ (لَاتَحَاضُّوْنَ) دوسروں کو ترغیب نہیں دیتے ہو تم، آپس میں تاکید نہیں کرتے ہو تم، صیغہ جمع مذکر حاضر، باب

---

(1) ازمعارف القرآن: ۸/۷۴۲۔ (2) اور چوپاؤں میں وہ نابالغ بچہ جس کی ماں مرگئی ہو اور پرندوں میں وہ بچہ جس کی ماں اور باپ دونوں مرگئے ہوں، یتیم ہیں۔ (روح: ۱۱/۲۸۶ پارہ ۱۱ رکوع ۱۰)

"تفاعل" سے۔ تَحَاضَّ يَتَحَاضُّ تَحَاضًّا: ایک دوسرے کو ترغیب دینا۔ اس کے اندر باب تفاعل کی خاصیت "تشارک" پائی جاتی ہے، وحَضَّهُ عَلَيْهِ (ن) حَضًّا: ابھارنا۔ (طَعَام) کھانا دینا، کھانا کھلانا، "اِطعام" کا اسم ہے یعنی اسم مصدر ہے (المِسْكِيْن) محتاج، نادار، کمزور جو کسی چیز پر قادر نہ ہو، "سُكُوْنٌ" سے بروزن "مِفْعِيْلٌ" صیغہ مبالغہ ہے اور میم اس کے شروع میں زائد ہے۔ سکون کے اصلی معنی حرکت ختم کر کے ٹھہرنا ہے، نادار و مسکین بھی چونکہ سائل نہ ہونے کی وجہ سے اصحاب وسائل کی طرح حرکت اور چلت پھرت نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے اس کو مسکین کہا جاتا ہے، (۱) سَكَنَ (ک) سُكُوْنَةً وَمَسْكَنَةً: مسکین ہونا۔ مسکین کی جمع: مَسَاكِيْنُ اور مِسْكِيْنُوْنَ ہے (۲) (تاكلون) کھاتے ہو تم، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب "نصر" سے "أَكْلٌ" مصدر: کھانا۔ (التُّرَاث) اسم جامد، میت کا چھوڑا ہوا مال، اصل میں "وُرَاث" بروزن "فُعَال" تھا واؤ کو "تا" سے بدل لیا گیا، "تُرَاث" ہو گیا۔ (۳) وَرِثَ فُلَانًا ومِنْهُ وَعَنْهُ الْمَالَ (حسب) وِرْثًا وإرْثًا، وَرِثَةً، وَوِرَاثَةً: وارث ہونا۔ (لَمًّا) سمیٹنا، مصدر، لَمَّ الشيئَ (ن) لَمًّا: سمیٹنا، جمع کرنا "لمّا" "اكلا" کی صفت ہے، اور چونکہ صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے اور "لمّا" مصدر ہونے کی وجہ سے وصف محض ہے، جس کا حمل درست نہیں ہے لہٰذا یا تو یہ کہا جائے کہ "لمّا" سے پہلے "ذا" مضاف پوشیدہ ہے، اور تقدیری عبارت ہے: "اكلا ذالمّ" یا یہ کہا جائے کہ مبالغۃً "اكلا" پر "لمّ" کا اطلاق کر دیا گیا ہے (۴)۔ (وَتُحِبُّوْنَ) اور تم محبت رکھتے ہو، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب "افعال" سے۔ اَحَبَّ الشَّيْئَ إِحْبَابًا (افعال): محبت کرنا۔ (حُبًّا) محبت، اسم مصدر (۵) حَبَّ الشيئُ او الانسانُ (ن) مَحَبَّةً: محبوب ہونا و فلانًا: محبت کرنا، لیکن اس معنی میں باب "افعال" سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ (۶) (جَمًّا) بہت زیادہ، مصدر جَمَّ الماءُ (ن) جَمًّا، وجَمَمًا: زیادہ ہونا، یہاں "جمًّا" "حُبًّا" کی صفت ہے اور اس میں بھی وہی تاویل کی جائیگی جو "لمّا" میں مذکور ہوئی ہے۔

ترکیب: كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ (كلا) حرف ردع (بل) حرف انتقال، (لاتكرمون اليتيم) جملہ مستانفہ، (ولاتحضون) معطوف، جملہ "لاتكرمون" پر (على طعام المسكين) متعلق، "لا تحضون" کے (وتاكلون التراث) معطوف جملہ مستانفہ (لاتكرمون......) پر۔ (اكلا) مفعول مطلق برائے نوع، (لمّا) صفت "اكلا" کی (وتحبون المال) معطوف جملہ مستانفہ (حبا جما) موصوف صفت سے ملکر مفعول مطلق برائے نوع "تحبون" کا۔

فائدہ: مذکورہ تفصیل کی روشنی میں محل اعراب و غیر محل اعراب والے جملوں کی شناخت کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) من الروح:۱/۳۸۶، پارہ:۱رکوع:۱۰، و ۲/۷۰ پارہ ۲رکوع ۴ ولغات القرآن:۵/۳۶۷۔ (۲) المعجم الوسیط / ۴۴۰۔

(۳) اعراب القرآن:۸ / ۳۰۸۔ (۴) من الروح:۱۶/۲۲۸ (۵) اعراب القرآن وصرفہ:۱۵/۳۲۵۔

(۶) قیل: إن "أحب" اکثر من "حب" روح:۲/۵۲، پارہ ۲رکوع:۴۔

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ ہرگز ایسا نہیں، جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا جائیگا۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ اور آپ کا پروردگار اور فرشتے جوق در جوق آئیں گے۔ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ اور اس روز جہنم کو لایا جائیگا۔ اس روز انسان کو سمجھ آئیگی اور سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا؟ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ کہے گا کاش! میں اس زندگی کے لیے کوئی عمل آگے بھیج لیتا۔ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا۔ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔

ربط وتفسیر: اوپر انسان کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ عبرت کے مضامین سن کر عبرت پکڑنے کے بجائے ایسے اعمال، اقوال اور احوال کو اختیار کرتا ہے، جو عذاب کا سبب ہیں اور کافر منکر چونکہ سمجھتا ہے کہ ان اعمال پر عذاب ہونیوالا نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ آیات میں "کَلَّا" کے ذریعہ اولاً اس کے اس خیال کا رد کیا گیا ہے اور پھر مجازات (جزا وسزا) کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ (كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ الخ) ہرگز ایسا نہیں (یعنی جیسا تم سمجھتے ہو کہ مذکورہ اعمال، اقوال واحوال پر عذاب نہیں ہوگا، ہرگز ایسا نہیں بلکہ ضرور ہوگا، آگے مجازات کے وقت کا بیان ہے کہ یہ جزا وسزا اس وقت ہوگی جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا جائیگا (زمین سے مراد اس کے بلند اجزا پہاڑ، ٹیلے وغیرہ ہیں)(۱) اور "دکًّا" کا تکرار اول کی تاکید کے لیے نہیں ہے، بلکہ استیعاب کو بتانے کے لیے ہے، جیسے: "جَاءُوْا رَجُلًا رَجُلًا" (وہ ایک ایک آدمی آگئے یعنی سب آگئے) اور "عَلَّمْتُهُ الحسابَ بابًا بابًا" (اس کو میں نے حساب کا ایک ایک باب یعنی پورا حساب سکھلا دیا ہے) میں تکرار استیعاب کے لیے ہے لہٰذا "دکًّا دکًّا" کے معنی یہ ہے کہ زمین کے بلند اجزاء کو لگاتار اور تسلسل کے ساتھ توڑا جائے گا۔ یہاں تک کہ زمین پر کوئی بھی پہاڑ اور ٹیلا وغیرہ باقی نہیں رہیگا اور زمین ایک ہموار میدان ہوجائیگی، اور یہ نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوگا(۲)۔ (وَجَاءَ رَبُّكَ الخ) اور تیرا پروردگار اور فرشتے جوق در جوق فرشتے آئیں گے۔ پروردگار کا آنا متشابہات میں سے ہے(۳) اور فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے اور یہ آنا میدان محشر میں انتظامات کے لیے ہوگا(۴)۔

(وَجِيْءَ يَوْمَئِذٍ الخ) اور اس روز جہنم کو لایا جائیگا۔ راجح یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ لاکھوں فرشتے جہنم کو اس کی جگہ سے کھینچ کر میدان محشر میں لائیں گے۔ چنانچہ "مسلم شریف" میں حضرت "عبداللہؓ بن مسعودؓ" کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "اس دن (قیامت کے دن) جہنم کو ایسی حالت میں لایا جاویگا کہ اس میں ستر باگیں (لگام) ہونگی اور ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ رہے ہوں گے"۔(۵) چونکہ یہ بات دوسرے عالم کی

---

(۱) ماخذہ ما فی "الروح" عن "المبرد" "الدك: حط المرتفع بالبسط والتسوية: (۱۶/۲۲۹)　(۲) روح: ۱۶/۲۲۹۔

(۳) یعنی ان الفاظ میں سے ہے، جن کی مراد حقیقی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

(۴) روح: ۱۵/۱۴۷ (ملتان) و تفسیر عثمانی ۷۹۱۔　(۵) ابن کثیر: ۴/۵۱۰ والروح: ۱۶/۲۳۰

ہے جہاں اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب باتیں پیش آئیں گی، لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔ (یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ الخ) یعنی اس وقت انسان سمجھے گا کہ میں سخت غلطی اور غفلت میں تھا، مگر اس وقت کا سمجھنا کس کام کا؟ سمجھنے کا موقع تو ہاتھ سے نکل چکا۔ (یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ الخ) یعنی اس سمجھ آنے کے بعد وہ کہے گا کاش! میں اس زندگی کے لیے کوئی (نیک عمل) آگے بھیج لیتا۔ یعنی افسوس! دنیا کی زندگی میں کچھ نیکی کرکے آگے نہ بھیجی، جو آج اس زندگی میں کام آتی، یونہی خالی ہاتھ چلا آیا، کاش! حسنات کا کوئی ذخیرہ آگے روانہ کردیتا؛ جو یہاں کے لیے توشہ بنتا۔ (فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ الخ) پس اس روز نہ تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا، اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا، یعنی ایسی سخت سزا اور قید کریگا، کہ دنیا میں (۱) کبھی کسی نے کسی کو نہ اتنی سخت سزا دی ہوگی، اور نہ ایسی سخت قید وجکڑ کی ہوگی۔

اللغة: (دُکَّتْ) ریزہ ریزہ کردیا جاوے، ہموار کردیا جاوے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب "نصر" سے۔ دَكَّ الحائطَ وَ الجبلَ ونحوَهما (ن) دَكًّا: دیوار، پہاڑ اور ان جیسی (بلند چیزوں) کو توڑنا، اونچے حصے کو توڑ کر ہموار وبرابر کرنا؛ ریزہ ریزہ کرنا(۲)۔ (یَتَذَکَّرُ) نصیحت قبول کرے گا (جس کی تعبیر سمجھ آنے سے کی گئی ہے) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف باب "تفعل" سے "تَذَکُّر" مصدر: نصیحت قبول کرنا، یاد کرنا۔ (الذِّکْرٰی) نصیحت قبول کرنا (سمجھ آنا)، مصدر بروزن "فِعْلٰی" "ذَکَرَ (ن) ذِکْرًا و ذِکْرٰی: نصیحت قبول کرنا، یاد کرنا، (لَا یُوْثِقُ) نہیں جکڑے گا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف باب افعال سے، "اِیْثَاق" مصدر بمعنی جکڑنا۔ (وَثَاق) اسم مصدر "ایثاق" کے معنی میں، زنجیر وغیرہ میں باندھنا (جکڑنا)(۳)۔

ترکیب: (کَلَّا اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا) (کلا)، حرف ردع وزجر (اذا) ظرفیہ متضمن معنی شرط مضاف اور مفعول فیہ جواب (یتذکر) کا اور جملہ: "دکت الارض ......" محلا مجرور اذا کا مضاف الیہ (دکًّا دکًّا) (دونوں اسم مفعول کے معنی میں ہوکر) حال "الارض" سے(۴) اور جملہ "جاء ربك...... "محلا مجرور معطوف جملہ: "دکت ......" پر، (صفًّا صفًّا) اسم فاعل (مُصْطَفِّیْنَ) یا ذوی صفوف کے معنی میں ہوکر حال الملك سے، "مرادی" کی رائے یہ ہے کہ پورا مجموعہ حال ہے اور عامل دونوں میں "جاء" ہے، اور اس کی نظیر خبر میں، هذا "حُلْوٌ حَامِضٌ" ہے(۵)۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ، یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی۔ (وجِیْءَ) معطوف "دُکَّت..." پر یومئذ اذا

---

(۱) فلا یرد انه لیس یوم القیامة معذب سوی الله تعالیٰ فکیف یقال: لایعذب. (۲) روح: ۱۶/ ۲۲۹ ومثلہ فی حاشیہ جلالین/ ۴۹۹۔ (۳) جلالین، ص: ۴۹۹، حاشیہ: ۱۴، و اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۲۸۔ (۴) "ابن خالویہ" نے پہلے دکًّا کو مفعول مطلق اور دوسرے کو تاکید قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن: ۸/ ۳۱۰) لیکن ہماری تفسیر پہلی ترکیب کے مطابق ہے۔ (۵) دوسرے "صفًّا" کے بارے میں اور بھی رائیں ہیں: - (۱) اوّل کی تاکید ہے۔ (۲) اوّل کی صفت ہے، (۳) "فارسی" کی رائے یہ کہ دوسرا صفًّا اول "صفًّا" کی وجہ سے منصوب ہے اس لیے کہ اوّل صفًّا جب حال ہے تو عمل کرسکتا ہے۔ (اعراب القرآن: ۸/ ۳۱۰)۔

دکّ" سے بدل (بجهنم) محلاً مرفوع نائب فاعل جِیْئَ کا اور جملہ: "یتذکر ...... " اذا کا جواب جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (وانی) واو اعتراضیہ (انی) اسم استفہام برائے مکان محلاً منصوب مفعول فیہ (ثابت) کا (لَهٗ) ثابت کا متعلق ثانی "ثابت" صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ و متعلق سے مل کر خبر مقدم، (الذکریٰ) مبتدا مؤخر اور جملہ: "انی لہ......" معترضہ (یقولُ) فعل با فاعل (یلیتنی) "یا" حرف تنبیہ، یا حرف ندا۔ اس وقت منادیٰ محذوف ہوگا، اور تقدیری عبارت ہوگی: "یا قومی لیتنی الخ" (لیت) حرف مشبہ بالفعل، اور (نون) وقایہ، اور "یا" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب لیت کا اسم، (قَدَّمْتُ) فعل با فاعل، لحیاتی، متعلق، اور جملہ: "قدمت ......" محلاً مرفوع خبر "لیت" کی۔ اور جملہ "لیتنی قدمت" محلاً منصوب مقولہ "یقول" کا اور جملہ: "یقول ......" مستانفہ۔(1) (فیومئذ لایُعَذِّبُ عذابہ احد) "فا" استینافیہ، "یومئذ" لایعذب کا ظرف، "عذابہ" مفعول مطلق برائے نوع، اور جملہ: "لایعذب......" مستانفہ (ولا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗ احدٌ) بعینہ جملہ "لا یعذب الخ" کی طرح ترکیب ہو کر جملہ: "لا یعذب ......" پر معطوف(2)۔

> يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ اے اطمینان والی روح۔ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ تو اپنے پروردگار کی طرف واپس چل! اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ربط: پہلے مجرموں اور ظالموں کا بیان تھا، اب اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کا بیان ہے۔

تفسیر: (یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ......) اے اطمینان والی روح! یعنی جس شخص کو حق کا یقین و اذعان تھا، کفار و مشرکین کی طرح انکار یا شک نہیں تھا اور اس کے دل کو اللہ کے ذکر اور طاعت سے چین و سکون ملتا تھا۔ قیامت میں(3) حق تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ یا فرشتہ کے واسطہ سے مذکورہ خطاب کیا جائیگا اور روح چونکہ اشرف و اعلیٰ جز ہے، اس لیے "روح" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اپنے پروردگار کی طرف واپس چل واپسی کا مفہوم چونکہ "پہلی جگہ یا حالت میں پہنچنا" ہوتا ہے، اس لیے اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، یہاں ایک بیان کی جارہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ نیک بندہ پر مرنے کے بعد برزخ میں، اسی طرح بعث (دوبارہ زندہ ہونے) کے بعد نیز حساب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم و عنایت ہوتی ہے، حساب سے فراغت کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و کرم کی طرف واپس چلے جاؤ، لہٰذا "ارجعی الیٰ ربك"

---

(۱) جو اس سوال کے جواب کے لئے لایا گیا ہے کہ نصیحت قبول کرنے کے وقت کافر کیا کہے گا؟ بعض نے "یتذکر" سے بدل اشتمال مانا ہے ہماری تفسیر پہلے احتمال پر ہے۔ (۲) ترکیب "اعراب القرآن" لمحی الدین اور اعراب القرآن وصرفہ اور "روح المعانی" سے ماخوذ ہے۔ (۳) سابقہ آیات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اوپر جو کفار کا عذاب بیان کیا گیا ہے، وہ قیامت کے بعد ہی ہوگا لہٰذا اس سے ظاہر ہے کہ مؤمنین کا یہ خطاب بھی اسی وقت ہوگا (معارف القرآن: ۸/۷۴۵)

"ارجعی الیٰ کرامۃ ربك" کے معنی میں ہوگا اور "فادخلی الخ" کی "فا" تفسیر یہ ہوگی، جس سے "ارجعی الیٰ ربك" کی تفسیر و وضاحت کی گئی ہے، یعنی جس اکرام وعنایت کی طرف چلنے کو کہا جارہا ہے وہ نیک بندوں میں شامل ہوکر جنت میں پہونچنا اور پھر اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا ہے، ظاہر ہے یہ اکرام کی طرف واپسی کہلائیگی جس سے سابقہ حالتوں (برزخ وغیرہ) میں نوازے جاچکے ہیں۔ گرچہ اس کی نوعیت ماقبل کے اکرام سے مختلف ہے تاہم ہے تو اکرام ہی کی جنس سے (۱)۔ بعض مفسرین نے نفس سے "روح" ہی کو مراد لیا ہے مجموعہ مراد نہیں لیا ہے اور اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں، شائقین معارف القرآن، ابن کثیر اور روح المعانی وغیرہ کی مراجعت کریں۔

(فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ) یہ روحانی نعمت ہے کہ انس کے لیے احباب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

اللغۃ: (النفس) اسم جامد، روح، ذات، شخص۔ (اَلْمُطْمَئِنَّۃُ) اطمینان وسکون والی، صیغہ واحد مؤنث، اسم فاعل، باب اِفْعِلَّالٌ (اِقْشِعْرَارٌ) رباعی مزید با ہمزہ وصل سے۔ اِطْمَأَنَّ یَطْمَئِنُّ، اِطْمِئْنَانًا، (افعلال): قلبی سکون پانا۔ (اِرْجِعِیْ) واپس ہوجا، صیغہ واحد مؤنث حاضر، بحث امر حاضر معروف، رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا: (واپس ہونا) سے (مَرْضِیَّۃ) جس سے خوش ہو، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول۔ اصل میں مَرْضُوْوَۃ تھا۔ خلاف قیاس "دِلِیٌّ" کا قاعدہ (۲) جاری کیا گیا کہ دونوں واؤ کو "یا" سے بدل کر "یا" کا "یا" میں ادغام کردیا گیا اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل لیا گیا، مَرْضِیَّۃ ہوگیا۔ (۳) رَضِیَ (س) رِضًی وَرِضْوَانًا: خوش ہونا۔

ترکیب: یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً "یا" حرف ندا، "ایۃ" منادیٰ مبنی علی الرفع، محلاً منصوب اَدْعُوْ فعل مقدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے اور "ہا" برائے تنبیہ "النفس" بدل یا عطف بیان یا صفت (۴) "ایۃ" کی، لفظاً میں تابع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ (رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً) دونوں منصوب، ارجعی کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر۔

جملوں کی حیثیت اور ان کے محل اعراب کی وضاحت

جملہ: "یا یتھا النفس" "یقول" فعل مقدر کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب، تقدیری عبارت ہوگی: "یقول اللہ تعالیٰ: (۵) یاایتھا النفس......" اور جملہ "ارجعی" جواب ندا ہے جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ "فادخلی" اور جملہ: "وادخلی جنتی" دونوں جواب ندا پر معطوفہ ہیں (۶)۔

---

(۱) من الروح: ۱۶/ ۲۳۵/ ۲۳۶۔

(۲) "دِلِیٌّ" کے قاعدہ سے مراد یہ ہے کہ دو "واؤ" "فعول" کے آخر میں جمع ہوں تو دونوں واؤ، کو "یا" سے بدل کر "یا" میں ادغام کردیا جاتا ہے اور ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل جاتا ہے، جیسے "دلو" کی جمع "دُلُوْوٌ" سے دِلِیٌّ (علم الصیغہ قاعدہ: ۱۵)۔

(۳) علم الصیغہ گردان "رَضِیَ" "الخ"۔ (۴) الکافیہ ص: ۳۰۔ (۵) اعراب القرآن: ۸/ ۳۱۲۔

(۶) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۲۸۔

آیاتها ٢٠ (٩٠) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (٣٥) رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونیوالی ہے۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ④ کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ⑤ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ کہتا ہے کہ میں نے بہت مال خرچ کرڈالا۔ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ⑦ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا ہے۔

ربط: پہلی سورت کی طرح اس سورت میں بھی مجازات (جزاء وسزا) کے اعمال کا تذکرہ ہے مگر پہلی سورت میں زیادہ ذکر اعمال شر کا اور اس سورت میں زیادہ ذکر اعمال خیر کا ہے۔ اور شروع سورت میں بعض ایسی چیزوں کا ذکر ہے، جو انسان سے اعمال خیر کا تقاضہ کرنے والی ہیں۔ جیسے انسان کا مشقتوں میں پیدا ہونا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات واحسانات کا ہونا۔ اور سورت کے آخر میں اچھے وبرے اعمال کی جزاء وسزا مذکور ہے۔

تفسیر: (لَاۤ اُقْسِمُ......) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، مراد اس سے مکہ معظمہ ہے، جس میں شکار کرنے اور اس کے درخت اور گھاس تک کاٹنے کی ممانعت ہے، جس کا کفار بھی خیال کرتے ہیں، مگر اس شہر میں بزرگ ترین انسان اور مقدس ہستی رحمۃ للعالمین محمد عربی ﷺ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے اور آپ کے ماننے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا؛ صرف اس بنا پر کہ آپ لوگوں کو کفر وشرک اور ضلالتوں کے اندھیروں سے توحید وایمان اور ہدایت کے اجالے کی طرف نکالنے کا کام انجام دے رہے تھے۔ اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونیوالی ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، جس میں حضور ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ پر دشمنوں کی طرف سے ظلم وستم اور سختیوں کا خاتمہ ہونیوالا ہے، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ جب آپ کا داخلہ اس شہر میں فاتحانہ شان سے ہوگا، اور اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر کے لیے آپ کو مجرموں کو سزا دینے اور قتل کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن سنہ ٨ ہجری میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، اس روز آپ کے لیے احکام حرم باقی نہیں رہے تھے۔ چنانچہ جو کوئی لڑا اس کو مارا گیا اور بعض سنگین مجرموں کو خاص کعبہ کی دیوار کے پاس قتل کیا گیا، پھر اس دن کے بعد سے وہی ممانعت قیامت تک کے لیے قائم ہوگئی۔(١) اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی "باپ" سے مراد سب کے

---

(١) "حل" کے اور بھی مختلف معانی ہوسکتے ہیں جن کو سامنے رکھ کر تفسیریں مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن حضرت تھانویؒ وغیرہ نے مذکورہ بالا تفسیر ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ حیث قال: وهذا هو الوجه الراجح لذهاب السلف إليه، كما في الدر المنثور. (حاشیہ بیان القرآن)

باپ یعنی آدم علیہ السلام اور "ولد" سے مراد قیامت تک پیدا ہونے والی آپ کی ساری اولاد ہے (۱) اس طرح آدم علیہ السلام اور سارے بنی آدم کی قسم ہوگی۔ (۲) (لقد خلقنا الانسان الخ) (یہ جواب قسم ہے کہ) ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر عمر بھر کے تمام مرحلے مشقتوں، طرح طرح کے آلام وافکار اور مصائب میں گزرتے ہیں، جس سے ہر ذی عقل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ انسان عاجز محض ہے، اور زندگی میں پیش آنے والے تغیرات کسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں، جس کا فطری تقاضا ہے کہ انسان اپنے خالق کا مطیع وفرمانبردار رہے لیکن کافر و نافرمان انسان بڑی غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ وہ اس بات سے غافل ہے کہ قیامت اور جزا و سزا کا مرحلہ آنے والا ہے۔ (أيحسب أن لن يقدر الخ) یعنی وہ جو مذکورہ حالت سے متاثر نہیں ہوا ہے تو کیا یہ سمجھتا ہے کہ کفر و نافرمانی اور برے کرتوت کی سزا کے لیے (۳) اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا، اس لیے اپنے کفر پر ڈھٹائی اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے اعراض ہے۔ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی ساری حرکتیں خدا تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور وقت پر اس کی پکڑ ضرور ہوگی۔ (يقول أهلكت الخ) کہتا ہے کہ میں نے بہت مال خرچ کر دیا ہے۔ مال سے مراد وہ مال ہے جو اسلام کی مخالفت اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں خرچ کر دیا ہے، یہ اگرچہ انتہائی گھاٹا اور بدبختانہ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو اس کے دین کی مخالفت اور رسول کی دشمنی میں خرچ کیا جائے لیکن جب دلوں پر مہر لگ جائے اور وہ پوری طرح سیاہ ہو جائیں تو عیب ہنر اور گندگی اچھائی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ شخص بھی اس کو خوبی سمجھتا ہے۔ ایک تو اس کافر و منکر شخص میں یہ عیب ہے کہ برائی کو اچھائی سمجھتا ہے۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ اپنے عمل پر ندامت و شرمندگی ہوتی اور اس سے توبہ کرتا، الٹا شیخی بگھارتا اور اپنی تعریف کرتا ہے۔ تیسرا عیب یہ ہے کہ جھوٹ بھی بولتا ہے کہ کثیر مال لٹا رہا ہے۔ اگلی آیت میں اس کا جواب ہے۔

(أيحسب أن لم يره الخ) یعنی وہ جو شیخی بگھارتا ہوا کہہ رہا ہے کہ میں نے بہت مال خرچ کر دیا ہے، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے، اس کو اس کا وہم بھی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ ذات علیم وخبیر نے یہ بھی دیکھا ہے کہ مال کو کس گندے کام میں خرچ کیا ہے اور مقدار بھی دیکھی ہے، لہٰذا گندے کام میں خرچ کرنے، اور پھر شیخی بگھارنے، اور جھوٹ بولنے، سبھی کاموں پر اس کو سزا ہوگی۔

قسم و جواب قسم میں مناسبت:- قسم "لا اقسم ......" اور جواب قسم "لقد خلقنا الانسان ......" میں مناسبت یہ ہے کہ اس شہر مکہ میں اس وقت مخلوق میں سب سے افضل اور مقدس ہستی محمد عربی ﷺ کفار کی طرف سے دی جانے والی ایذاؤں اور مشقتوں میں مبتلا تھے، حق کو سننے کے لیے پتھر کا کلیجہ درکار ہے، جب افضل مشقتوں میں ہے تو غیر افضل کی مشقت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے جس کا بیان "لقد خلقنا ......" میں ہے، اسی طرح والد اور ولد کل مشقت ہیں، ان کے حال کا مشاہدہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح مشقتوں سے دوچار رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی انسان کے مشقت میں ہونے کی دلیل ہے (۴)۔

---

(۱) روح: ۱۳۱/۱۲ (۲) الایمان القرآن۔ (۳) معارف القرآن ادریسی۔ (۴) الایمان القرآن۔

اللغة: (لَا أُقْسِمُ) اس کے شروع میں "لا" تاکید کے لیے زائد ہے، جیسا کہ "لئلا یعلم اهل الکتاب" (تاکہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے) میں "لا" زائد ہے(۱) (اَلْبَلَدِ) اسم جامد، مذکر مونث دونوں استعمال ہوتا ہے، اصلی معنی ہے: زمین کا حصہ، آباد ہو یا غیر آباد۔ ارشاد باری ہے: "وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ" (ستھری زمین کا پودا نکلتا ہے) اس کے بعد قریہ (بستی و شہر) کے معنی میں اس کا استعمال معروف ہو گیا(۲) یہاں یہی معنی مراد ہے۔ (حِلٌّ) اس لفظ میں کئی احتمال ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ بمعنی حلال (حرام کی ضد) ہو، اس وقت یہ استقبال کے معنی میں ہوگا، اور تقدیری عبارت ہوگی: وانت حِلٌّ لك القتالُ" (اور آپ کے لیے لڑائی حلال ہونے والی ہے) اسی کو سامنے رکھ کر مذکورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس صورت میں صرفی اعتبار سے "حِلٌّ" میں صیغہ صفت اور مصدر بمعنی اسم فاعل دونوں کا احتمال ہے۔ حَلَّ (ض) حِلًّا وَحَلَالًا: حلال ہونا۔ مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔ (وَالِدٍ) جننے والا، صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، وَلَدَ (ض) وِلَادًا وَ وِلَادَةً: (جننا) سے۔ (كَبَدَ) مشقت، اس میں اسم جامد اور مصدر دونوں کا احتمال ہے۔(۳) كَبِدَ الرَّجُلُ (س) كَبَدًا فهو أكْبَدُ: درد جگر کی وجہ سے تکلیف ہونا، جگر کا پھولنا، اس کے بعد ہر مشقت و تعب کے لیے اس لفظ کا استعمال ہونے لگا۔(۴) (يَحْسَبُ) گمان کرتا ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، حَسِبَهُ (س، ح) حِسْبَانًا وَمَحْسِبَةً وَمَحْسَبَةً: گمان کرنا، سے۔ (لَنْ يَقْدِرَ) ہرگز قدرت نہیں ہوگی، قابو نہیں ہوگا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث نفی تاکید بلن در فعل مستقبل معروف، قَدَرَ علیه (ض) قُدْرَةً ، قَدَارَةً: کسی پر قدرت کا ہونا، بس چلنا۔ (أَهْلَكْتُ) میں نے خرچ کیا، اصلی معنی: میں نے ہلاک کیا، لیکن چونکہ یہ مال اس نے نفع کی امید پر خرچ نہیں کیا ہے، اور اس کو اس خرچ کی کوئی پرواہ نہیں ہے، لہٰذا یہ مال کا ہلاک کرنا اور ضائع کرنا ہوا، اس لیے "اهلکت" سے تعبیر کیا گیا۔ أَهْلَكَ إهلاكًا (افعال) ہلاک کرنا۔ (لُبَدًا) بہت، زیادہ، اسم جامد، لُبْدَة کی جمع ہے، جیسے غُرْفَة کی جمع غُرَف، لُبْدَة لَبَدٌ اور لِبْدَة (جمع: لِبَدٌ) تینوں کے اصلی معنی ہے: نمدہ(۵) اور گوند یا پانی وغیرہ سے چپکایا ہوا کپڑا، نمدہ ہو، یا چپکایا ہوا اون ان سب میں تہ پر تہ جمائی جاتی ہے، بعد میں اس کے استعمال میں وسعت ہوئی، اور کثیر مال کو جس کی تہ پر تہ چڑھ جائے، لُبَد کہنے لگے۔(۶) (لَمْ يَرَهُ) نہیں دیکھا اس کو، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث نفی جحد بلم معروف، لم یر "یری" سے بنا ہے، جزم کی وجہ سے لام کلمہ حذف ہو گیا؛ لم یر ہو گیا۔ رَآهُ (ف) رَأْيًا وَ رُؤْيَةً: دیکھنا۔

---

(۱) قال الجمهور : إنها صلة. روح المعانی:۲۲۳/۱۱ (سورہ قیامہ) (۲) روح:۲۱۹/۵، تحت قولہ تعالیٰ والبلد الطیب الخ (سورہ اعراف) واعراب القرآن:۲۶۷/۶ (فاطر) (۳) اعراب القرآن وصرفہ۔ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۳۳۲/۱۵، و اعراب القرآن لمحی الدین:۳۱۵/۸؛ وروح المعانی:۲۳۲/۱۶ (۵) نمدہ وہ کپڑا جو اون کو جما کر بناتے ہیں، اور وہ اونی کپڑا جو گھوڑے کی پیٹھ پر زین کے نیچے ڈالتے ہیں (دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں) فیروز اللغات ص ۱۳۷۹۔ (۶) من الروح: ۱۶۰/۱۶، واعراب القرآن لمحی الدین :۹۳/۸ (سورہ جن) واعراب القرآن وصرفہ: ۱۲۹/۱۵ و ۳۳۹، ولغات القرآن (مولانا عبدالرشید): ۲۰۲/۵۔

ترکیب: (لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ) "لا" زائدہ "اقسم" فعل بافاعل، "بهذا" متعلق اقسم کے (البلد) هذا کی صفت، یا بدل، یا عطف بیان(۱) اور جملہ "لا اقسم ......" ابتدائیہ (وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ) واو اعتراضیہ(۲) اور جملہ "انت حل......" معترضہ۔ (وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ) (واو) عاطفہ (والد) معطوف هذا اول پر (وما ولد) "واو" عاطفہ "ما" موصول "وَلَدَ" صلہ موصول صلہ سے مل کر معطوف "والد" پر یا هذا اول پر۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ) لام قسم کے جواب میں "قد" حرف تحقیق اور جملہ "خلقنا......" جواب قسم "فی کبد" "کائنا" کے متعلق ہوکر الانسان سے حال۔ (ایحسب) "ہمزہ" استفہام تہدیدی کے لیے ہے، اور جملہ "یحسب" مستانفہ ہے۔ (اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ) "ان" مخففہ من المثقلہ، اور محذوف ضمیر شان اس کا اسم، اور جملہ "لن یقدر" محلا مرفوع خبر اَن کی، اور جملہ "ان لن یقدر......" محلا منصوب یحسب کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے۔ (يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا) جملہ "یقول" مستانفہ(۳) اور جملہ "اهلکت" محلا منصوب یقول کا مفعول ہونے کی وجہ سے (لبدا) مالا کی صفت۔ (اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ) اس میں استفہام انکاری ہے، اور باقی ترکیب "ایحسب ان لن یقدر" کی طرح ہے(۴)۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں، وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلادیے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ سو وہ شخص گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ وہ کسی گردن کا چھڑانا ہے۔ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ یا کھانا کھلانا ہے فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو، اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ یا کسی خاک نشین محتاج کو۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ پھر ان لوگوں میں سے نہ ہوا، جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کی، اور ایک دوسرے کو رحم کھانے کی فہمائش کی۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ یہی لوگ داہنے والے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ ان پر آگ محیط ہوگی؛ جس کو بند کردیا جائیگا۔

ربط و تفسیر: انسان دو چیزوں سے متأثر ہوتا ہے: (۱) مصائب وآلام اور مشقتوں سے۔ (۲) انعامات واحسانات سے، مگر کافر و منکر انسان ان دونوں میں سے کسی سے متأثر نہیں ہوا، ماقبل میں پہلی چیز کو بیان کیا گیا ہے، اور مذکورہ بالا آیات

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیے سورۂ قریش میں "هذا البیت" پر دیا گیا حاشیہ۔

(۲) اختارہ "الزمخشری" واختار "ابو حیان" کونها للحال والجملة حالية (اعراب القرآن: ۸/۳۱۸)

(۳) و تحتمل الحال (اعراب القرآن) (۴) اعراب القرآن وصرفه، واعراب القرآن لمحی الدین۔

میں دوسری چیز بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: (الم نجعل له عينين الخ) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کو ذکر فرمایا ہے، جو انسان کو عطا فرمائی ہیں: - (۱) دو آنکھیں (۲) زبان (۳) دو ہونٹ۔ آنکھیں اور زبان انسان کی ضرورت کی کیسی چیز ہے؟ اور کتنے بے شمار فوائد ان سے وابستہ ہیں؟ ہر ایک پر یہ بات عیاں ہے، اسی طرح دو ہونٹ بھی بڑی نعمتِ خداوندی ہے، ان کے بغیر نہ صرف یہ کہ حسن و جمال ادھورا، نامکمل، اور چہرۂ انسانی بدنما و بدصورت ہے بلکہ زبان کے کام میں بھی یہ معین و مددگار ہیں۔ آواز و حروف کی ممتاز شکلیں بھی بناتے ہیں، نیز زبان ایسی سریع العمل مشین ہے کہ آدمی منٹ میں جہاں اس سے ایسا کلمہ بولا جاسکتا ہے، جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہونچادے، جیسے کلمۂ ایمان یا دشمن کی نظر میں محبوب بنادے جیسے پچھلے قصور کی معافی، وہیں اس سے ایسا کلمہ بھی صادر ہوسکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہونچادے، جیسے کلمۂ کفر یا دنیا میں اس کے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو دشمن بنادے، جیسے گالی گلوج، لہٰذا زبان کے جہاں بیشمار منافع ہیں، وہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے، گویا یہ ایک تلوار ہے، جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ں دو ہونٹوں میں مستور کر کے عطا فرمایا، تاکہ غلط اور بے موقعہ باتوں کو نکالنے سے اس کو روکا جاسکے؛ لہٰذا اندازہ کیجیے دو ہونٹ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں(۱)۔ (وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ......) اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلا دیے۔ دو راستوں سے مراد خیر و شر کے راستے ہیں۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اجمالاً عقل اور فطرت کے ذریعہ اور تفصیلاً انبیاء و رسل کے ذریعہ بتلایا، تاکہ خیر والے راستہ پر چل کر فلاح و کامیابی حاصل کرسکے، اور شر والے راستہ سے بچ سکے۔ غور کیجیے! کہ یہ کتنا بڑا خدا کا انعام و احسان ہے، اس لیے کہ اگر خیر و شر انسان کے لیے واضح نہ ہوتے، تو کتنے خیر کے متلاشی شر کی دلدل میں پھنس کر تباہ و برباد ہوجاتے۔ ان نعمتوں کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ انسان اپنے محسن اور منعمِ حقیقی کی شکر گزاری ایمان اور اطاعت و فرمانبرداری کی شکل میں کرے، لیکن کافر و منکر انسان، کفر و شرک کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہے۔ چنانچہ اگلی آیات میں بھی مضمون ہے۔ سو وہ شخص گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا یعنی مذکورہ انعامات و احسانات کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری، اطاعت و فرمانبرداری کرتا، اور گھاٹی سے ہو کر نکلتا۔ گھاٹی سے مراد وہ دینی کام ہیں جن کی تفسیر "فك رقبة الخ" سے کی گئی ہے، اور "ہو کر نکلنے" سے مراد ان کو انجام دینا ہے۔ "گھاٹی" پہاڑ کے دشوار گزار راستہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ نفس کی مخالفت کی وجہ سے مذکورہ اعمال بھی انسان پر شاق گزرتے ہیں؛ اس لیے گھاٹی سے ان کو تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲) اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟ یہ استفہام "عقبہ" کی تعظیم کے لیے ہے۔ (فَكُّ رَقَبَةٍ) وہ کسی گردن کا چھڑانا ہے۔ گردن چھڑانے سے مراد غلامی سے گردن چھڑانا یعنی آزاد کرنا ہے۔

(اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ الخ) یعنی بھوک اور فاقہ کے دن میں بالخصوص رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا؛ اور اس کی خبر گیری کرنا۔ اس میں دوہرا ثواب ہے: ایک یتیم کی خدمت دوسرے قرابتدار کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب۔ (اَوْ مِسْكِيْنًا

---

(۱) از معارف القرآن۔ (۲) روح: ۱۶/ ۲۲۵۔

ذَامَتْرَبَةٍ) یا خاک نشین مسکین کو (کھانا کھلاتا ہے) یعنی فقر وفاقہ اور تنگدستی کی وجہ سے جو خاک میں مل رہا ہے، اور زمین ہی پر پڑا رہتا ہے۔ غریب و مسکین کی خبر گیری کرنا، یہ بھی عند اللہ بڑا محبوب اور افضل عمل ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ مواقع ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنا ہے، نہ یہ کہ شادی غمی کی فضول رسموں، رسول کی عداوت، دین کی مخالفت اور خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا جائے۔ (۱)

انسان کی نجات کا نسخہ: ثم کان من الذین آمنوا الخ اس آیت میں نجات انسانی اور معاشرہ کی اصلاح کا نسخہ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ نسخہ چار اجزاء پر مشتمل ہے:- (۱) انسان ایمان والا ہو (۲) صبر، اور صبر سے مراد حضرت تھانویؒ کی تفسیر کے مطابق صبر علی الطاعۃ (اطاعت خداوندی کی پابندی کرنا) ہے۔ (۳) تیسرا جزء دوسروں پر رحم کھانا ہے، اسلام میں اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" (رحم کھانے والوں پر رحمٰن رحم کھاتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کریگا) (۴) چوتھا جزء نجات کے لیے ضروری ہے، "تواصی" جس کے معنی ہے ایک دوسرے کو تاکید و فہمائش کرنا، اور ایک دوسرے کو تاکید و فہمائش دو چیزوں کی ہونی چاہئے:- (۱) صبر کی یعنی انسان خود بھی صبر کرے اور دوسروں کو بھی تاکید و فہمائش کرے۔ (۲) رحم کھانے کی ایک دوسرے کو تاکید و فہمائش، یعنی خود بھی رحم کھائے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین و فہمائش کرے، قرآن نے گرچہ صراحۃ خود صبر کرنے اور رحم کھانے کو نہیں کہا ہے بلکہ تواصی کو کہا ہے، لیکن ظاہر ہے جس بات کی تلقین انسان دوسرے کو کریگا اور دوسرا اس سے نجات پائیگا تو اس کی نجات کے لیے اس پر عمل کیوں ضروری نہ ہوگا، ورنہ تو "اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" (تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھلائے بیٹھے ہو) کا مصداق ہو جائیگا۔ غور کیجیے شروع کی تین صفات: ایمان، صبر، ترحم (رحم کھانا) کی صفات سے انسان از خود متصف ہو، اور چوتھی صفت مذکورہ دو چیزوں کی فہمائش کو بھی انسان حسب استطاعت لازم پکڑ لے؛ تو انسان کی نجات اور معاشرہ کی صلاح و فلاح کا اس سے بڑا احسن اور کامیاب کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا ہے۔

"ثم" کا مطلب: اس سورۃ میں جو اعمال بیان کئے گئے ہیں ان میں ترتیب یہ ہے کہ ایمان کا مرتبہ سب سے مقدم ہے اس کے بعد ثبات علی الایمان کی تلقین جو "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" میں داخل ہے کا مرتبہ ہے، اس کے بعد ترحم کا، اس کے بعد "فك رقبة" سے "ذامعربة" والے اعمال کا درجہ ہے، لہٰذا یہ "ثم" تفخیم مرتبہ (مرتبہ کی بلندی کو بتانے) کے لیے ہے، یعنی غلام کو آزاد کرنا، اور مسکین وغیرہ کو کھانا کھلانے سے بڑھ کر انسان ایمان والا ہو، اور یہ تراخی فی الزمان کے لیے نہیں ہے، یعنی یہ مراد نہیں کہ پہلے مذکورہ اعمال کو انجام دے اور اس کے بعد ایمان لائے (۲)۔ (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ) یہی

---

(۱) تفسیر حقانی۔ (۲) بیان القرآن۔ "معارف القرآن ادریسی" میں "ثم" کو تراخی وقوعی یعنی تراخی فی الزمان پر محمول کرکے بھی ایک تفسیر کی گئی ہے۔ شائقین: ۸/۴۵۹ کی مراجعت کریں۔

لوگ داہنے والے ہیں، اولئك کا اشارہ مطلق اہل ایمان کی طرف ہے (۱) یعنی اہل ایمان خواص ہوں یا عوام وہ لوگ ہیں، جنہیں نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا؛ جو انسان کے آخرت میں کامیاب ہونے کی علامت ہے۔ (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا) اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں یعنی خود اصول ہی میں مخالف ہیں، فروع کا تو کیا کہنا۔ وہ لوگ بائیں والے ہیں یعنی ان لوگوں کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا (عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ) ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کردیا جائیگا، کہ دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازے بند کردیے جاویں گے۔ لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ کوئی مجرم اس سے نکل بھاگنے کا تصور کر سکے (۲)۔

اللغة: (عَيْنَيْنِ) دو آنکھیں، اسم جامد "عین" کا تثنیہ، جمع أَعْيُنٌ، عُيُوْنٌ۔ (لِسَانًا) زبان یعنی بولنے اور چکھنے کا آلہ جو اللہ تعالیٰ نے منہ میں رکھا ہے، جمع أَلْسِنَة، وَلُسُنٌ، وَأَلْسُنٌ۔ (۳) (شَفَتَيْنِ) دو ہونٹ، اسم جامد "شفة" کا تثنیہ جمع: شِفَاهٌ۔ (النَّجْدَيْنِ) اسم جامد، زمین کا بلند حصہ، اونچا اور واضح راستہ۔ اسی سے "نجد" ہے (عرب میں ایک علاقہ کا نام جو حجاز اور عراق کے درمیان ہے) کیونکہ یہ تہامہ سے جو نشیب میں ہے، بلند ہے۔ جمع: أَنْجُد، وَنِجَاد، وَأَنْجَاد، وَنُجُوْد، وَنُجُد (۴) "نجدین" سے مراد خیر اور شر کے دو راستے ہیں۔ خیر کے راستہ کا رفیع و بلند ہونا ظاہر ہے، لیکن شر کے راستہ میں کوئی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں انتہائی پستی ہے، لہٰذا دونوں راستوں کو "نجدین" سے تعبیر کرنا بربنائے تغلیب ہے (۵) جیسے "قمرین" سورج اور چاند کے لیے اور "اَبَوَيْن" باپ اور ماں کے لیے تغلیبا ہے۔ (لَا اقْتَحَمَ) وہ نہ دھمک سکا، وہ نہ نکل سکا، وہ نہ آسکا، سب ایک ہی مفہوم کی تعبیریں ہیں۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق منفی معروف، باب افتعال سے۔ "اقتحام" مصدر ہے، بمعنی جلدی اور سختی کے ساتھ داخل ہونا (۶) اردو میں اس کی تعبیر "آدھمکنا اور ایک دم سے آنا" سے کی جاتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ فعل ماضی پر "لا" کے دخول کے لیے تکرار شرط ہے، یعنی "لا" کے ساتھ ماضی کا مکرر ہونا، جیسے "فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى" لیکن "فلا اقتحم" میں تکرار کے بغیر "لا" کا استعمال ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار سے مراد عام ہے، لفظاً ہو یا معنیً، یہاں معنیً تکرار موجود ہے، اس لیے کہ "عقبة" کی فك رقبة الخ سے تفسیر کرنے کے بعد فلا اقتحم کے معنی ہوئے:۔ فَلَا فَكَّ رَقَبَةً وَلَا اَطْعَمَ مِسْكِيْنًا (۷)۔

(الْعَقَبَة) اسم جامد، دشوار گزار پہاڑی راستہ، اور صاحب "بحر" کے بقول پہاڑ پر چڑھنے کے لیے دشوار گزار پہاڑی راستہ (۸) اردو میں اس کو گھاٹی کہتے ہیں، جمع: عُقَبٌ وعِقَابٌ۔ (فَكُّ) چھڑانا، مصدر، فَكَّ (ن) فَكًّا، وَفَكَاكًا: چھڑانا۔

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) معارف القرآن ادریسی ۸/۴۵۸۔ (۳) المعجم الوسیط ص:ن۸۲۳۔ (۴) اعراب القرآن: ۸/۳۱۷۔

(۵) روح: ۱۶/۲۴۳ زکریا۔ (۶) الاقتحام: الدخول بسرعة وضغط وشدة. (روح: ۱۶/۲۴۵)۔ (۷) روح: ۱۶/۲۴۸۔ اور مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔ (۸) روح: ۱۶/۲۴۵۔

(رَقَبَةٍ) گردن، اسم جامد یہاں گردن (جزء) بول کر کل مراد ہے یعنی پوری ذات کا آزاد کرنا، جمع: رِقَابٌ ورَقَبٌ ورَقَبَاتٌ وأَرْقُبٌ۔ (إِطْعَامٌ) کھانا کھلانا، باب افعال کا مصدر، (مَسْغَبَةٍ) مصدر میمی بمعنی بھوک، اور بقول امام "راغب" تعب ومشقت کے ساتھ بھوک کو مَسْغَبَة اور سَغَب کہا جاتا ہے (۱) سَغَبَ (س، ن) سَغَبًا وسَغَابَةً وسُغُوبَةً ومَسْغَبَةً: بھوکا ہونا۔ (مَقْرَبَةٍ) رشتہ داری، مصدر میمی، قَرُبَ فِي النَّسَبِ (ک) قُرْبَى، وقَرَابَةً ومَقْرَبَةً: رشتہ دار ہونا (۲) ذامقربة وذاقرابة: رشتہ دار وقَرُبَ الشَّيْءُ وَمِنْهُ وَإِلَيْهِ (ک) قُرْبًا وقَرَابَةً ومَقْرَبَةً وقُرْبَانًا: نزدیک ہونا (۳) (مَتْرَبَةٍ) مصدر میمی، ایسی محتاجی وناداری جو آدمی کو مٹی سے چمٹادے، ادھر ادھر جانے کی اس میں سکت نہ ہو، تَرِبَ الرَّجُلُ (س) تَرَبًا، ومَتْرَبًا ومَتْرَبَةً: محتاج ہونا، اصلی معنی مٹی سے چمٹنا، مٹی میں ملنا، (۴) (آمنوا) دیکھئے سورہ "بروج" میں "الا ان یؤمنوا" (وَتَوَاصَوْا) ایک دوسرے کو تاکید کی، فہمائش کی۔ صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب "تفاعل" سے، اور یہ وصیت سے بنا ہے، جس کے معنی ہے، کسی کو ایسے عمل کی جس میں اس کی صلاح وفلاح ہو نصیحت آمیز ہدایت کرنا۔ چاہے قول کے ذریعہ ہو یا دلالت کے ذریعہ، اور خواہ قریب المرگ ہونےکی حالت میں ہو یا اس کے علاوہ حالت میں، گرچہ زیادہ استعمال اس کا مرنے سے کچھ پہلے نصیحت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے (۵)۔ (الصَّبْرِ) مصدر، باب "ض" کا نفس کو اس طرح روکنا جس طرح عقل وشرع کا تقاضا ہے۔

(الْمَرْحَمَةِ) مصدر میمی بمعنی رحمت، رحمت کہتے ہیں ایسی رقت قلب (دل کی نرمی) کو جو مرحوم کے ساتھ احسان کی مقتضی ہو، (۶) رَحِمَ فُلَانًا (س) رَحْمَةً ورُحْمًا ومَرْحَمَةً: شفقت کرنا، کسی کے بارے میں دل کا نرم ہونا۔ (الْمَيْمَنَةِ) اسم جامد، دائیں جانب، دایاں ہاتھ، برکت، جمع مَيَامِن (الْمَشْئَمَةِ) اسم جامد، بائیں سمت، نحوست وبے برکتی۔ (مُؤْصَدَةٌ) بند کی ہوئی، صیغہ اسم مفعول واحد مؤنث، باب افعال سے، أَصَدَ الْبَابَ (ن) أَصْدًا، إِصَادًا وأَصَدَهُ يُصَادًا (افعال): بند کرنا۔ مہموز الفاء (أَصَدَهُ) اور مثال واوی (أَوْصَدَهُ) دونوں استعمال ہوتا ہے (۷)۔

ترکیب: (أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ) ہمزہ برائے استفہام انکاری، اور علامہ "زمخشری" نے اس طرح کی مثالوں میں ہمزہ کو جو استفہام تقریری پر محمول کیا ہے، تو ان کی مراد لم نجعل (عدم جعل) کی تقریر اور اقرار کرانا نہیں ہے، بلکہ نفی کی نفی سے جو اثبات حاصل ہوا ہے یعنی (جعلنا) اس کی تقریر ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، لیکن اولی یہی ہے کہ انکار پر محمول کیا جائے (۸) (له) لم نجعل کے متعلق اس لیے کہ لم نجعل لم نخلق کے معنی میں ہے، (عينين) مفعول بہ لم نجعل کا، باقی کا اس پر عطف، (وَهَدَيْنَاهُ) معطوف فعل مضارع منفی یعنی (نجعل) پر، نفی پر معطوف نہیں ہے،

---

(۱) روح: ۱۶/ ۲۳۷۔ (۲) روح: ۱۶/ ۲۳۷۔ (۳) المعجم الوسیط: ۷۲۳۔ (۴) اعراب القرآن: ۸/ ۳۶۷، ولغات القرآن: ۵/ ۲۸۹۔ (۵) روح المعانی: ۱/ ۶۱۲ تحت قولہ تعالی: "ووصى بها ابراهيم" پارہ: ۱ رکوع: ۱۶۔ (۶) از لغات القرآن: ۳/ ۶۵۔

(۷) اعراب القرآن: ۸/ ۳۶۸ (۸) مغنی اللبیب: ۱/ ۱۷تا ۱۸۔

اور معطوف چونکہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کے پہلے بھی نفی مقدر ہوگی؛ تقدیری عبارت ہوگی: "وَ مَا ھدیناہ" (کیا ہم نے اس کو رہنمائی نہیں کی) (النَّجْدَيْنِ) مفعول ثانی ھدینا فعل کا، اور جملہ: "نجعل ....." مستانفہ اور جملہ: "ھدیناہ" مستانفہ پر معطوف(۱)۔ (فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ) "فا" عاطفہ اور "لا" نافیہ (العقبة) مفعول بہ، اور جملہ معطوف جملہ: "ھدیناہ" پر(۲) (وما ادراك ما العقبة) واؤ اعتراضیہ (ما) بمعنی ای شیئی مبتدا اور جملہ: "ادراك: "محلا مرفوع خبر ہونے کی وجہ سے، کاف ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ اول، (ما العقبة) (ما) مبتدا اور (العقبة) خبر اور جملہ: "ما العقبة" محلا منصوب ادری کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے(۳) اور جملہ: "ما ادراك" معترضہ جس کو عقبہ کی تعظیم کے لیے لایا گیا ہے، جس کی تفسیر "فك رَقبة" سے کی گئی ہے۔ واضح ہو کہ بعض حضرات نے "ما العقبة" کی تقدیری عبارت اس طرح نکالی ہے: "ما اقتحام العقبة" گھاٹی پر آ دھمکنا کیا ہے؟ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عقبة (گھاٹی) ایک عین (ذات) ہے اور اس کی تفسیر مصدر سے کی گئی ہے، جو عین اور ذات کے قبیل سے نہیں ہے، لہٰذا مُفَسَّر (عقبة) اور مُفَسِّر (فك رقبة) میں مطابقت نہیں رہی اس لیے "ما العقبة" میں العقبة سے پہلے اقتحام مضاف مقدر ہوگا، اس وقت مُفَسَّر اور مُفَسِّر دونوں مصدر اور عمل کے قبیل کی چیز ہوگئے(۴) لیکن اگر "العقبة" سے مراد اعمال شاقہ لیے جائیں تو اس تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے(۵)۔ (فَكُّ رَقَبَةٍ) خبر مبتدا محذوف (ھی) کی اور جملہ: "ھی فك رقبة" مستانفہ بیانیہ، (او اطعام) معطوف "فك رقبة" پر (فِي يَوْمٍ) متعلق اطعام کے، (ذَا مَقْرَبَةٍ) صفت يَتِيمًا کی (أَوْ مِسْكِينًا) معطوف يتيما پر (ذَا مَتْرَبَةٍ) صفت۔ (ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ) ثُمَّ حرف عطف، اور جملہ: "کان......" معطوف فلا اقتحم میں منفی یعنی (اقتحم) پر لہٰذا "کان" سے پہلے بھی نفی مقدر ہوگی، تقدیری عبارت ہوگی "ثُمَّ ما کان من الذین ......"(۶) اور یہ بھی ممکن ہے کہ "ثم کان" میں کان مصدر (کونه) کی تاویل میں ہو کر "فك رقبة" پر معطوف ہو، اس وقت جملہ: "کان" محل رفع میں ہوگا اس لیے کہ معطوف علیہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے(۷)۔ (أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ) مبتدا خبر، اور جملہ استینافیہ، (وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ) واؤ عاطفہ (الذین

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ۔ (۲) اعراب القرآن وصرفہ: ۲۴۳/۱۵، واعراب القرآن: ۳۲۲/۸۔ اور احقر کے خیال میں "فلا اقسم بالخنس" وغیرہ کی "فا" کی طرح "فلا اقتحم" کی "فا" کو استینافیہ اور جملہ کو مستانفہ قرار دیا جائے، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ مجموعۂ نعم پر انسان کی ناشکری کو مرتب کیا گیا ہے، نہ کہ تنہا "ھدیناہ النجدین" پر۔ (واللہ اعلم)

(۳) اس سے متعلق "ما ادراك ما یوم الدین" (انفطار) میں جو تفصیل آئی ہے، اس کی مراجعت کریں۔ (۴) اعراب القرآن: ۳۲۳/۸۔ (۵) حاشیہ بیان القرآن۔ (۶) ولا یلزم منه کون الإیمان غیر داخل فی مفهوم العقبة، لأنه یکفی فی صحة العطف والتکرار کونه جزءً أشرف خص بالذکر۔ (روح المعانی ۱۵/۶۰ ملتان)

(۷) قال الشیخ "التھانوی" رحمه الله: "وھذا ھو اسھل عندی" (حاشیہ بیان القرآن)

کفروا) مبتدا (ھم) مبتدا ثانی، (اصحب المشئمۃ) خبر ھم کی، اور جملہ: "ھم اصحب ...... " محلا مرفوع خبر الذین کفروا کی، اور جملہ: " الذین کفروا " معطوف جملہ ابتدائیہ پر، (عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ) (علیھم) خبر مقدم (نار) مبتدا مؤخر، (مؤصدۃ) صفت اور جملہ: "علیھم نار "محلا مرفوع خبر ثانی (ھم اصحب المشئمۃ) میں ھم کی۔

فوٹ : مذکورہ ترکیب کی روشنی میں جملوں کے محل اعراب کو آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③ اور دن کی جب وہ اس کو خوب روشن کردے۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④ اور رات کی جب وہ اس کو چھپالے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥ اور زمین کی اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ⑦ اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ⑧ پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کی اس کو سمجھ دی۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ⑨ یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے اس کو پاک کیا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ⑩ اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبادیا۔

ربط : پہلی سورت میں اعمال ایمانیہ اور کفریہ کی اخروی جزا وسزا کا بیان تھا، اور اس سورت میں "کذبت ثمود" سے مقصود یہ ہے کہ اعمال کفریہ پر دنیا میں بھی سزا کا احتمال ہے۔ (بیان القرآن)

تفسیر : (وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا الخ) قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی "ضحی" اس روشنی کو کہتے ہیں جو سورج کے چڑھنے کے وقت ہوتی ہے (۱) اس وقت سورج کی روشنی کامل ہوجاتی ہے، اور اچھی طرح پھیل جاتی ہے، لہٰذا سورج کی اس حالت میں قسم ہوئی جب کہ اس کی روشنی مکمل ہو۔ (۲) اور چاند (کی قسم) جب وہ (چاند) اس کے (سورج کے) پیچھے آئے یعنی سورج کے غروب ہوتے ہی چاند طلوع ہوجائے۔ ایسا وسط ماہ کی بعض راتوں میں ہوتا ہے، جب چاند تقریباً مکمل ہوجاتا ہے، اور اس قید کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:- (۱) چاند کی روشنی کے کمال کی طرف اشارہ ہو، جیسا کہ "ضحی" سے سورج کی روشنی کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) دو قدرت کی نشانی آگے پیچھے ظاہر ہوتی ہیں، قدرت کی ایک نشانی سورج کی شکل میں گئی، تو دوسری نشانی چاند کی شکل میں سامنے آگئی۔ اور دن (کی قسم) جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کردے یعنی دن اچھی طرح روشن ہوجائے، روشن کرنیوالا سورج ہے، اور اس کی روشنی کا ظہور دن میں ہوتا ہے، جو اس کے لیے ظرف ہے، لہٰذا جلّی کی اسناد دن کی طرف مجازی ہے۔ اور رات (کی قسم) جب وہ اس (سورج اور اس کے آثار کو بالکلیہ) چھپادے یعنی

---

(۱) کمالاتی فی اللغۃ۔ (۲) معارف القرآن۔

خوب رات ہو جائے، کہ دن کی روشنی کا کچھ اثر باقی نہ رہے، لہٰذا دن کی اور رات کی اسی طرح پہلے دو چیزیں سورج اور چاند کی قسم ان کی حالتِ کمال کے اعتبار سے ہے۔

(وَالسَّمَاۤءِ وَمَا بَنٰهَا......) اور (قسم) آسمان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بچھایا آسمان اور زمین مخلوق ہیں۔ اور بنانے اور بچھانیوالا خالق یعنی اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا مخلوق اور خالق کی قسم ہوئی لیکن مخلوق کی قسم کو خالق کی قسم پر اس لیے مقدم کیا گیا تاکہ دلیل سے مدلول کی طرف ذہن منتقل ہو، اس لیے کہ مصنوع کا وجود صانع کے وجود پر دلیل ہوتا ہے، لہٰذا اس میں استدلال علی التوحید کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ اور جان کی (قسم) اور اس کی جس نے اس کو (ہر طرح صورت، شکل اور اعضاء سے) درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کی اس کو سمجھ دی ،اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی، پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رُسل کی زبانی خوب کھول کھول کر جتلا دیا گیا، کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے، اور اس کے قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو، ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، گرچہ القاءِ اول میں فرشتہ اور ثانی میں شیطان واسطہ ہے (۱) آگے جوابِ قسم ہے (۲)۔ (قد افلح من زکّٰھا......) یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے اس کو پاک کر لیا یعنی نفس کو فجور و بدکرداری سے روکا اور تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کیا۔ اور نامراد (وناکام) ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا یعنی گناہوں سے اسے مغلوب کر دیا، اور گناہوں میں اسے دبا دیا۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت :- جواب "قد افلح" کو قسموں سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ، چاند کی چاندنی، دن کا اجالا، رات کا اندھیرا؛ آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا، اور نفس انسان میں خیر و شر کی متقابل قوتیں رکھیں، اور دونوں کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی قدرت دی؛ اسی طرح متضاد و مختلف اعمال پر مختلف آثار و نتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم مطلق کا کام ہے (تفسیر عثمانی ص:۷۹۳)

اللغۃ : (ضُحیٰ) اس لفظ کے متعلق تفصیلی گفتگو سورہ نازعات رکوع:۲ میں آ چکی ہے، البتہ اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ جب اس کی اضافت شمس کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہو رہی ہے تو مجازاً روشنی کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن مطلق روشنی نہیں بلکہ سورج کے مشرقی افق (آسمان کے مشرقی کنارہ) سے دور اور بلند ہونیکے وقت جو روشنی ہو؛ وہ مراد ہوتی ہے (۳)۔

---

(۱) تفسیر عثمانی ص:۷۹۳۔ (۲) ہو المروی عن قتادۃ والیہ ذہب الزجاج. (روح:۱۶/۲۵۷)، اور تفسیر عثمانی، معارف القرآن ادریسی، اور معارف القرآن شفیعی میں بھی اسکو اختیار کیا ہے، اور علامہ "زمخشری" نے "قد افلح" کو "فَاَلْهَمَهَا" کے تابع قرار دیا ہے، اور قسم کا جواب محذوف مانا ہے، جس پر "قد افلح" دلالت کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اے کفار مکہ! جب تم اہل فجور رہو تو ضرور غضب و ہلاکت میں مبتلا ہو گے۔ مثلہ فی الروح:۱۶/۲۵۸، حضرت تھانویؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

(۳) فاذا اضیف فہو مجاز عن إشراقہا : (روح:۱۶/۲۵۳)

(تَلَا) پیچھے آئے، صیغہ واحد مذکر غائب: بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، تلاہ (ن) تِلْوًا وتُلُوًّا: پیچھے چلنا، اتباع کرنا، والکتابَ وغیرَہٗ تِلاوۃً: پڑھنا (جلّٰی) خوب روشن کردے وہ (دن) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے۔ جَلّٰی تَجْلِیَۃً: اچھی طرح روشن کرنا۔(۱) وَجَلَا الْاَمْرُ (ن) جَلَاءً: واضح ہونا۔ (یَغْشٰی) چھپالے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب سمع سے۔ غَشِیَہُ الْاَمْرُ (س) غَشْیًا وغِشْیَانًا: ڈھانپنا، چھاجانا، واللیلُ غَشْیًا: تاریک ہونا، لازم ومتعدی دونوں استعمال ہوتا ہے۔ (طَحٰی) بچھایا اس نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ طَحَا (ن) طَحْوًا: بچھانا، ہلاک ہونا، یہاں پہلے معنی مراد ہے۔ (اَلْھَمَ) اس نے سمجھ دی(۲) القا کیا(۳) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب "افعال" سے۔ اَلْھَمَہُ الشیئَ اِلْھَامًا: کسی چیز کی سمجھ دینا، دل میں کوئی بات ڈالنا۔ (فُجُوْرَ) بدکرداری، مصدر، فَجَرَ (ن) فَجْرًا وفُجُوْرًا: لاپرواہی کے ساتھ گناہ کرنا، جس کو حضرت "تھانویؒ" نے "بدکرداری" اور حضرت "شیخ الہندؒ" نے "ڈھٹائی" سے تعبیر کیا ہے، مراد مطلق معصیت ہے۔(۴) (تقویٰ) پرہیزگاری، مراد مطلق اطاعت ہے۔(۵) "اِتَّقٰی" فعل کا اسم مصدر ہے(۶)۔

(زَکّٰی) پاک کرلیا اس نے، یا بڑھالیا اور بلند کرلیا (تقویٰ کے ذریعہ)(۷) صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے، زَکّٰی تَزْکِیَۃً: پاک کرنا، بڑھانا، بلند کرنا۔(۸) (قد خاب) یقیناً ناکام ونامراد ہوگیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی قریب، مثبت معروف، خَابَ (ض) خَیْبَۃً: مقصد میں ناکام ہونا، محروم ہونا، نقصان اٹھانا(۹) (دَسّٰی) دبایا اس نے، گھٹایا اس نے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعیل سے۔ اصل میں دَسَّسَ تھا (تین "سین" کے ساتھ) اور چونکہ جب تین حرف ایک طرح کے جمع ہوجائیں تو تیسرے کو "یا" سے بدلنا جائز ہے، جیسے "تَقَضّٰی" جو اصل میں تَقَضَّضَ تھا، تیسری ضاد کو "یا" سے اور "یا" کو "الف" سے بدل لیا گیا، تَقَضّٰی(۱۰) ہوگیا۔ اسی طرح یہاں تیسرے "سین" کو "یا" سے اور "یا" کو متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے "الف" سے بدل لیا

---

(۱) باب تفعیل میں کبھی مبالغہ کی خاصیت ہوتی ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) نفس فعل میں مبالغہ جیسے: "صَرَّحَ تَصْرِیْحًا" "خوب ظاہر ہونا، خوب ظاہر کرنا، (۲) فاعل میں مبالغہ وزیادتی جیسے "مَوَّتَ الْاِبِلُ" "بہت اونٹ مرگئے" (۳) مفعول بہ میں مبالغہ جیسے "قَطَّعْتُ الثِّیَابَ" "میں نے بہت کپڑے کاٹے (نوادر الوصول ص: ۹۸)" جلّٰی "میں نفس فعل میں مبالغہ وزیادتی کی خاصیت ہے، اس لئے ترجمہ کیا گیا ہے: "خوب روشن کردے"۔ (۲) روح: ۱۶/ ۲۵۷۔ (۳) بیان القرآن۔ (۴ و ۵) الفجور والتقویٰ: عن "الضحاك" المعصیة والطاعة مطلقا (روح: ۱۶/ ۲۵۷)۔ (۶) التقویٰ: هو اسم مصدر من فعل اِتَّقیٰ ... واصله الوقیا ثم قلبت الیاء واوًا فی الاسم للفرق بینه وبین الصفة. (اعراب القرآن وصرفه: ۱/ ۳۱۰ پ: ۱، آیت: ۹۷)

(۷) روح المعانی: ۱۶/ ۲۵۸ میں دونوں تفسیریں مذکور ہیں۔ (۸) اعراب القرآن وصرفه: ۱۵/ ۳۳۱۔ (۹) المعجم الوسیط ص: ۲۶۴۔

(۱۰) تَقَضَّی البازُ: باز کا شکار پر ٹوٹ پڑنا۔

گیا، دَسّی ہوگیا(۱) دَسّٰی یُدَسِّی تَدْسِیَۃً (تفعیل) وَدَسَّ (ن) دَسًّا: دبانا، چھپانا، گھٹانا۔ البتہ باب تفعیل سے آنے کی صورت میں اس میں مبالغہ کی خاصیت ہوگی یعنی اچھی طرح دبانا(۲)۔

ترکیب: (وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا) واؤ حرف جر برائے قسم (الشمس) مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق فعل محذوف (أُقْسِمُ) کے اور جملہ: "اقسم" ابتدائیہ، (وضحاها) معطوف الشمس پر (وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا) واؤ عاطفہ القمر سے پہلے "عظمۃ" مضاف مقدر، تقدیری عبارت ہوگی: "وعظمۃ القمر" مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف الشمس پر (اذا) ظرف القمر سے پہلے مقدر مضاف (عظمۃ) کا(۳) (تلٰها) جملہ محلاً مجرور مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ (وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا) کی ترکیب "والقمر اذا تلها" کی طرح ہے۔ (وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا) (والسماء) معطوف الشمس پر، (وما بنٰها) واؤ عاطفہ، ما بمعنی من (بنٰها) جملہ صلہ، موصول صلہ سے مل کر معطوف السماء پر "ما" میں تینوں جگہ مصدریہ کا بھی احتمال ہے۔ اس صورت میں "ما بنٰها" مصدر کی تاویل میں ہو کر السماء پر معطوف ہوگا۔ (وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا) کی ترکیب "والسماء وما بنها" کی طرح ہے۔ (فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا) (فالهمها) معطوف جملہ: "سَوّاها" پر لہٰذا معطوف علیہ کی طرف یہ بھی محلاً مجرور ہوگا۔ (فُجُوْرَهَا) مفعول ثانی "اَلْهَمَ" کا (وتقواها) معطوف فُجُوْرَهَا پر، اور جملہ: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" جواب قسم، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ماضی مثبت کے جواب قسم ہونے کی صورت میں، جواب پر "لام" اور "قد" دونوں کا یا صرف "لام" کا ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں صرف "قد" ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس لام کا حذف کثرت سے واقع ہے، بالخصوص جب کہ کلام طویل ہو جائے جو تخفیف کا مقتضی ہے، جیسا یہاں کلام طویل ہوگیا ہے، اور علامہ زمخشری نے "قد افلح" کو فالهمها فجورها کے تابع قرار دیا ہے اور جواب محذوف مانا ہے: لَیُدَمْدِمَنَّ اللّٰہ تعالیٰ علی کفارِ مکۃ، (اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو ضرور ہلاک کریں گے) اس وقت "قد افلح ......" جملہ مستانفہ بیانیہ ہوگا(۴)۔ (وقد خاب) معطوف جملہ "قد افلح" پر۔ مذکورہ ترکیب کی روشنی میں جملوں کے محل اعراب کی شناخت ہو سکتی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب تکذیب کی۔ إِذِ انْۢبَعَثَ أَشْقٰىهَا ۝ جب کہ اس قوم میں، جو زیادہ بد بخت تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ تو ان

(۱و۲) روح: ۱۶/ ۲۵۸، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۳۱، واعراب القرآن لمحی الدین: ۸/ ۳۲۸۔ (۳) إن التحقيق كما قال بعض المحققين: إن الظرف ليس معمولا لفعل القسم لفساد المعنى ... وإنما هو معمول مضاف مقدر من نحو العظمة (روح: ۱۶/ ۲۵۵)، اور اس سلسلہ میں تفصیلی کلام سورہ تکویر میں "واللیل اذا عسعس" کے تحت آچکا ہے۔

(۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۳۱۔

لوگوں سے اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے ہوشیار رہنا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۙ سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس کو عام کر دیا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ اور اس کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا۔

ربط: اوپر لوگوں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔ (۱) کامیاب و بامراد (۲) ناکام و نامراد۔ مذکورہ بالا آیت میں دوسری قسم کے لوگوں کا ایک واقعہ بطور مثال پیش کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی سزا آخرت میں تو یقینی ہے ہی، کبھی کبھی دنیا میں بھی سزا ملتی ہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت دونوں کی فلاح اور دونوں کا سکون اسی میں ہے کہ انسان اپنے کو پہلی قسم کا بنائے نہ کہ دوسری قسم کا۔ آیات کی تفسیر سے پہلے قوم ثمود کی ہلاکت کا قصہ مختصراً سمجھ لینا چاہئے۔

ثمود عاد کی طرح ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، حضرت صالح علیہ السلام برابر اپنی اس قوم کی اصلاح میں لگے رہے، یہاں تک کہ بڑھاپے کے آثار شروع ہو گئے، صالح علیہ السلام کے بار بار اصرار سے تنگ آکر قوم نے یہ قرار دیا کہ ان سے ایسے معجزہ کی درخواست کی جائے جو یہ پوری نہ کر سکیں اور ہم ان کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں، اسکے لیے انہوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ فلاں پہاڑ سے آپ ایسی اونٹنی نکال دیجئے جو دس ماہ کی گابھن ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ اگر تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دوں تو سب مجھ پر اور میری دعوت پر ایمان لانا، جب سب نے عہد کر لیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی، چنانچہ اس پہاڑ میں جنبش ہوئی اور اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی پیدا ہوئی اور پیدا ہوتے ہی وہ بیاہی۔ اور یہ اونٹنی بڑی ڈیل ڈول والی اور اتنا دودھ دینے والی تھی کہ پوری بستی کو اس کا دودھ کافی ہو جاتا تھا۔ نبوت کی اس نشانی کے ظاہر ہونے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ لوگ شرک اور برائیوں سے توبہ کرتے اور ایمان لاتے، لیکن بجز تھوڑی تعداد کے اور وہ بھی کمزور و غرباء کے کوئی ایمان نہیں لایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے باذن الٰہی یہ فیصلہ فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دن یہ اونٹنی کنویں سے پانی پیا کرے گی، باقی دن دوسرے جانور کنویں سے پانی پئیں گے۔ لوگ اس اونٹنی سے پریشان تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اپنی باری میں کنویں کا سارا پانی پی جاتی تھی۔ دوسرے اس لیے کہ بڑی قوی الجثہ اور عجیب الخلقت ہونے کی وجہ سے جنگل کے جانور جب اس کو دیکھتے تھے تو سب بدک کر بھاگ جاتے تھے، اس لیے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس اونٹنی کا کام تمام کر دیا جائے، اس کے لیے ان لوگوں نے قدار بن سالف کو تیار کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب ان کے اس ناپاک ارادہ کا علم ہوا تو ان کو نصیحت کی: "ناقة الله وسقيها " کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے ہوشیار رہنا، نہ تو اونٹنی کو کوئی تکلیف پہونچانا اور نہ ہی اس کا پانی بند کرنا۔ لیکن بدبختی ان کا مقدر بن چکی تھی، وہ اپنی سرکشی میں بالکل اندھے ہو چکے تھے، اس لیے شخص مذکور نے قوم کی طرف سے جس پر پوری قوم راضی تھی، اس اونٹنی کے کونچیں کاٹ کر اس کو قتل کر ڈالا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اس واقعے کے معلوم ہونے کے بعد فرمایا لو اب تمہاری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں، تین دن کے بعد عذاب الٰہی آجائیگا چنانچہ تین دن کے بعد اوپر سے "صیحہ" (فرشتہ کا نعرہ اور سخت آواز) اور نیچے "رجفہ" (نیچے سے سخت زلزلہ) کی شکل میں عذاب نے ان کو آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کے رہ گئے (۱) اب تفسیر ملاحظہ ہو۔

تفسیر: (كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ــــ) قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی، یعنی اس تکذیب کا سبب ان کی نبوت کا سمجھ میں نہ آنا نہیں تھا، دلائل سے ان کی نبوت ان کے سامنے ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی شرارت کی وجہ سے تکذیب کی، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا (یعنی قدار ابن سالف) اٹھ کھڑا ہوا یعنی قتل کے لیے تیار ہو گیا، اور لوگ بھی اس کے ساتھ شریک تھے۔ جب اللہ کے پیغمبر کو ان کے اس عزم کی اطلاع ہوئی، تو پیغمبرانہ شفقت کی بناء پر فرمایا۔ اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے ہوشیار رہنا یعنی نہ تو اونٹنی کو کوئی تکلیف پہونچانا اور نہ ہی اس کا پانی بند کرنا، چونکہ قتل کے ارادہ کا سبب پانی کی باری تھی (۲) اس لیے اس کی تصریح فرمائی، اور اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا کیوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کو معجزہ کے طور پر عجیب طرح سے پیدا کر کے دلیل نبوت بنایا: اور اس کے احترام کو واجب فرمایا (۳)۔ سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا یعنی نبوت کی دلیل کو جو "ناقہ" کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی اس کو جھٹلایا: اس لیے کہ وہ ان کو نبی نہیں سمجھتے تھے۔ تو انکے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور اس (ہلاکت) کو عام کر دیا یعنی کوئی بھی کافر و باغی قوم کا نہیں بچ سکا۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی (نکلنے کا) اندیشہ نہیں ہوا جیسے دنیا کے بادشاہوں کو بعض اوقات کسی قوم یا جماعت کو سزا دینے کے بعد کسی ہنگامہ یا بغاوت وشورش یا ملکی انتظام میں خلل پڑنے کا اندیشہ واحتمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہوا اور نہ ہی ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ! ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کے لیے اس کا پیچھا کرے گی؟

اللغة: (طَغْوٰی) شرارت، سرکشی، مصدر۔ طَغٰی یَطْغٰی (ف) وطغا یطغو (ن) طُغْیانًا وَطُغْوانًا وَطَغْوٰی وطَغْیًا: حد سے تجاوز کر جانا، (یہاں گناہ ومعاصی میں حد سے تجاوز کرنا مراد ہے، جس کی تعبیر سرکشی وشرارت سے کی جاتی ہے) مزید دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔ (اِنْبَعَثَ) چلا (قتل کے لیے) مراد تیار ہوا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، اِنْبَعَثَ اِنْبِعَاثًا (انفعال): چلنا، اٹھ کھڑا ہونا (اَشْقٰی) سب سے زیادہ بد نصیب وبد بخت، (یہ لفظ سورہ اعلیٰ میں گزر گیا) یہاں "اَشْقٰهَا" (اس قوم میں سب سے زیادہ بد نصیب) سے مراد، قُدار (۴) بن سالف ہے۔ اہل عرب میں یہ

---

(۱) از معارف القرآن: ۳/۵۹۹ تا ۶۱۱ مختصرا۔ (۲) وہ اونٹنی اپنی باری کے دن میں کنویں کا سارا پانی پی کر کنواں خالی کر دیتی تھی، گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی، لوازم وآثار بھی غیر معمولی تھے۔ تفسیر عثمانی: /۲۱۳ (اعراف) اس سے ان لوگوں کو تکلیف تھی لہٰذا قتل کے درپے ہوئے۔ (۳) بیان القرآن۔ (۴) یہ لفظ "قاف" کے ضمہ اور "دال" کے فتحہ کے ساتھ بروزن غلام ہے اس کے اصل معنی ہے، اونٹ کا ذبح کرنے والا (اعراب القرآن: ۸/۳۳۲ وحاشیہ روح المعانی: ۱۶/۲۶۱ ولغات القرآن: ۱/۱۰۷)

نحوست میں ضرب المثل ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ اَشْاَمُ من قُدار" (فلاں شخص قدار سے بھی زیادہ منحوس ہے) یہ سرخ رنگ کا آدمی اور اپنی قوم کا مطاع وسردار اور اس میں صاحب شوکت وقوت تھا۔[1] (رسول اللہ) اللہ کے پیغمبر۔ یہ لفظ سورۂ تکویر میں آچکا ہے[2]۔

(ناقة) اسم جامد، اونٹنی جمع ناق، نُوُق، اَنْیُق، ونَوَاق، جمع الجمع: اَیَانِق۔ (سقیاها) ای: شُربَها (اس کا پانی پینا) (جلالین واعراب القرآن) "سَقْیٌ" (پلانا) مصدر سے اسم ہے،[3] اور مصدر مجہول (پلایا جانا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس کی تعبیر حضرت تھانویؒ نے پانی پینے سے کی ہے۔ سَقَاہُ المَاءَ وَنَحْوَہٗ (ض) سَقْیًا واستقاہ (افعال): پینے کے لیے پانی وغیرہ دینا[4]۔ (عقروها) انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالی، اس کو ذبح کرڈالا، قتل کرڈالا، یہ مرادی ترجمہ ہے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب "ضرب" سے۔ اس کام کو گرچہ ایک نے انجام دیا لیکن راضی سب تھے لہذا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔[5] عَقَرَ البَعِیرَ (ض) عقرًا: اونٹ کی کونچ[6] کاٹ ڈالنا، اس کے بعد مطلقًا نحر (اونٹ کو ذبح) کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اس لیے کہ اونٹ کو ذبح کرنے والا پہلے اس کی کونچ کاٹتا ہے، (تاکہ آسانی سے اس کو ذبح کیا جاسکے) اس کے بعد اس کو ذبح کرتا ہے۔[7] (دَمْدَمَ) ہلاکت نازل کی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب فَعْلَلَة (رباعی مجرد) سے، دَمَّ القومَ (ض، ن) دَمًّا ودَمْدَمَهُمْ وعليهم دَمْدَمَة: پیسنا، ہلاک کرنا، غصہ ہونا۔[8] (سوّاها) برابر کردیا اس کو۔ "ها" ضمیر "دمدمة" کی طرف لوٹ رہی ہے، جو "دَمْدَمَ" سے سمجھا جارہا ہے اور برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس ہلاکت کو سب کے درمیان برابر کردیا یعنی کوئی اس سے بچ نہیں سکا، اسی کا مرادی ترجمہ کیا گیا ہے: "عام کردیا"۔ اور (سَوّٰی) سے متعلق باقی تفصیل ماقبل "نازعات" وغیرہ میں آچکی ہے۔ (لا یخاف) اسے اندیشہ نہیں ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، سورہ "نازعات" میں یہ مادہ گزر گیا ہے۔ (عقبٰی) کسی چیز کا انجام، اور جو باتیں کہ اس چیز کے پیچھے پیش آئیں۔ بدلہ بھی چونکہ عمل کا انجام اور اس کے پیچھے آنے والی چیز ہے، اس لیے اس کو بھی عُقْب عقبٰی، معاقبة، عُقوبة، مُعاقبه اور عِقاب کہتے ہیں۔ مزید دیکھیے لغات القرآن وصرف۔

ترکیب: (كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا) (بطغواها) کذبت کے متعلق اور جملہ: "کذبت ......"

---

(۱) لغات القرآن (مولانا عبدالرشید) بحوالہ میزان الاعتدال: ۳/۵۲۔

(۲) نوٹ نبی اور رسول میں فرق کے لئے دیکھئے اسی موقع پر لغات القرآن وصرف۔

(۳) الاسم من السقی۔ (اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۳۲) اور امام راغب کا قول "السقی والسقیا" سے معلوم ہوتا ہے کہ "سُقیا" بھی "سَقی" کی طرح مصدر ہے۔ (مفردات القرآن: ۲۳۵) (۴) المعجم الوسیط: ص: ۴۳۷۔

(۵) روح: ۱۵/۱۶۸ (ملتان) (۶) آدمی کی ایڑی کے اوپر پچھلی طرف اور چوپائے کے ٹخنے کے نیچے جو پٹھا ہوتا ہے، اس کو "کونچ" کہتے ہیں (فیروز اللغات ص: ۵۵۰) (۷) حاشیہ بیان القرآن: ۴/۲۴ (اعراف)۔ (۸) حاشیہ بیان القرآن: ۱۲/۱۰۱۔

مستانفہ (اذ) ظرف زمان بمعنی ماضی متعلق کذبت کے اور جملہ "انبعث ......" محلاً مجرور "اذ" کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے (اشقاها) فاعل انبعث کا، (فقال) "فا" عاطفہ اور جملہ "قال ......" معطوف جملہ مستانفہ (کذبت) پر (ناقة الله وسقیاها) (ناقة الله) منصوب علی التحذیر[1] اور کلام "ناقة الله" سے پہلے مضاف کی تقدیر کے ساتھ ہے۔ ای : اِتَّقُوْا اَوْ اِحْذَرُوْا : عَقْرَ نَاقَةِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کے قتل کرنے سے ہوشیار رہنا) (وسقیاها) معطوف ناقة الله پر اور جملہ "(اتقوا) ناقة الله" محلاً منصوب قال کا مقولہ ہونے کی وجہ سے۔ (فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا، فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا) (فکذبوه) معطوف جملہ "قال لهم ......" پر (فعقروها) معطوف فکذبوه پر (فدمدم) معطوف فعقروها پر، علیهم متعلق دمدم کے، (بذنبهم) "با" حرف جر بمعنی سببیت (ذنبهم) مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق دمدم کے۔ (فسوّٰها) معطوف جملہ "دمدم ......" پر (ولا یخاف عقبها) واؤ استینافیہ اور جملہ (لایخاف) مستانفہ بعض نے واؤ کو حالیہ مان کر جملہ "لایخاف" کو حال قرار دیا ہے "سوّٰها" کے فاعل سے۔

فائدہ: تحذیر کے لغوی معنی ڈرانا ہے، جس کو ڈرایا جائے وہ مُحذَّر (اسم مفعول) اور جس سے ڈرایا جائے وہ محذر منہ ہے۔ اور اصطلاحی معنی ہے:- "اتق" یا "بَعِّدْ" یا ان کے ہم معنی پوشیدہ فعل کا مفعول بہ کی بنیاد پر وہ معمول منصوب جس کو اپنے بعد سے ڈرایا جائے یا وہ معمول محذر منہ ہو اور مکرر ہو، اس تعریف کی رو سے تحذیر کی دو قسمیں ہوئیں:- (۱) وہ معمول منصوب مُخَاطَب ہو جیسے ایاك والاسد (۲) محذر منہ ہو اور مکرر ہو جیسے الأسد الأسد: ای اتق الأسد الأسد: پہلا الأسد اتق مقدر کا مفعول بہ اور دوسرا اس کی تاکید لفظی ہے۔

سورہ شمس کی مذکورہ آیت "ناقة الله وسقیاها" تحذیر کے قبیل سے ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ تحذیر کی مذکورہ دو قسموں میں سے کسی میں بھی یہ داخل نہیں ہے، پہلی قسم سے تو اس لیے نہیں ہے کہ ناقة الله محذر نہیں ہے، اور دوسری قسم سے اس لیے نہیں ہے کہ ناقة الله گرچہ محذر منہ (جس سے ڈرایا جائے) ہے لیکن محذر منہ مکرر نہیں، لہٰذا یہ تحذیر اصطلاحی کے باب سے نہیں ہے۔ اس اشکال کی وجہ سے بعض حضرات نے کہا یہ فعل محذوف "ذَرُوْا" بمعنی چھوڑو کا معمول ہے۔

جواب یہ ہے کہ محذر کی دوسری قسم کے لیے دو باتوں میں سے کوئی ایک شرط ہے یا تو محذر منہ مکرر ہو یا محذر منہ پر دوسرے محذر منہ کا عطف ہو، یہاں ایسا ہی ہے[2]۔

(۹۲) سُوْرَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ (۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① قسم ہے رات کی جب وہ چھپا لے۔ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② اور دن کی جب کہ وہ روشن

---

(۱) تحذیر کی تعریف اور اس موقعہ پر ایک اشکال کا جواب فائدہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) روح المعانی: ۲۶۱/۱۶۔

ہو جائے۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝ اور اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ بیشک
تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ سو جس
شخص نے دیا اور ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا، تو ہم اس کو آسانی کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے۔ وَاَمَّا مَنْۢ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ اور اچھی بات کو جھٹلایا، فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْعُسْرٰى ۝ تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لیے سامان دے دیں گے۔ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝
اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئیگا جب وہ برباد ہونے لگے گا۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا
دینا ہے، وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا، فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝
تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں۔ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا،
الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائیگا
الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے، وَمَا
لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے، اِلَّا ابْتِغَآءَ
وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا، کہ اس کا بدلہ اتارنا ہو، وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ اور یہ شخص
عنقریب خوش ہو جائیگا۔

ربط: پہلی سورت کی طرح اس سورت میں بھی اعمال اور ان کی جزاؤں کا مختلف ہونا مذکور ہے(۱)۔

تفسیر: (وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی الخ) قسم ہے رات کی جب وہ (آفتاب اور دن کو) چھپا لے اور (قسم ہے) دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور (قسم ہے) اس ذات کی(۲) جس نے نر اور مادہ پیدا کیا ہے، (آگے جواب قسم ہے کہ) بیشک تمہاری کوششیں (اعمال) مختلف ہیں یا ایسا جملہ ہے جیسا سورہ "انشقاق" میں "انك كادح الى ربك كدحا" آیا ہے اور وہیں اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے کوئی نہ کوئی کام اور جدوجہد کرنے کا عادی ہے مگر بعض کی جدوجہد ان کے لیے رضائے الٰہی اور دائمی راحت کا سامان بنتی ہے اور بعض کی ان کے لیے دائمی عذاب اور تباہی و بربادی کا سبب بنتی ہے۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت: قسم اور جواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح دنیا میں رات و دن، نر و مادہ اور مختلف و متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں، اسی طرح تمہارے اعمال بھی مختلف ہیں۔

سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ

فاما من اعطی واتقی الخ "ان سعیکم لشتی" میں لوگوں کی سعی اور اعمال کے مختلف ہونے کو بیان کرنے کے

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) "ما خلق" میں "ما" بمعنی "من" ہے۔

بعد انسانوں کے سعی وعمل کے اعتبار سے دو گروہ بیان کیے گئے ہیں، پہلا گروہ کامیابوں کا اور دوسرا ناکاموں کا۔ اور ہر ایک کے تین عمل بیان کیے گئے ہیں۔ کامیاب گروہ کے تین عمل یہ ہیں: ”فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی“ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور وہ اللہ سے ڈرا، جس کا حاصل تمام اوامر کو بجالانا اور گناہوں سے اپنے دامن کو بچا کر زندگی گزارنا ہے، اور اس نے ”حُسْنٰی“ کی تصدیق کی، ”الحسنی“ کا موصوف ”الملۃ“ محذوف ہے، تقدیری عبارت ”وَصَدَّقَ بِالْمِلَّةِ الْحُسْنٰی“ ہے، (۱) یعنی وہ اچھی ملت جس سے (مراد ملت اسلام ہے) کو سچا سمجھے، یعنی اس پر ایمان لائے۔ ایمان گرچہ اعمال میں سب پر مقدم ہے، لیکن یہاں اس کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مقصود سعی وعمل کو بیان کرنا ہے، ایمان تو ایک قلبی چیز ہے، اس میں کوئی جسمانی محنت نہیں ہے اور نہ کوئی اس کو اعمال میں شمار کرتا ہے، اور اعطاء اور تقویٰ جس کا مظاہرہ اوامر کو بجالانے اور گناہوں سے بچنے کی شکل میں ہوتا ہے، عملی چیز ہیں اس لیے ان کو مقدم کیا گیا۔ ان کاموں کو کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا: ”فسنیسرہ للیسریٰ“ کہ ہم اس کو آسانی کے لیے سامان دیدیں گے۔ آسانی سے مراد آسانی کا سبب یعنی نیک عمل اور اس کے واسطے سے آسانی وراحت کا محل یعنی جنت ہے اور سامان دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص سے نیک اعمال بے تکلف صادر ہوں گے۔ واما من بخل الخ: اس آیت میں ناکام گروہ اور اس کے تین عمل بیان کیے گئے ہیں، پہلا عمل بخل ہے۔ یعنی ضروری اور حقوق واجبہ میں خرچ نہ کرنا، دوسرا عمل استغناء ہے، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کی طرف جھکنے کے بجائے بے نیازی اور بے رخی اختیار کرے۔ تیسرا عمل ملت اسلام کو جھٹلانا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی“ کہ ہم اس کو پریشانی اور تنگی کے لیے سامان دیدیں گے، پریشانی سے مراد پریشانی کا سبب یعنی برا عمل ہے، اور اس کے واسطے سے پریشانی کا محل (جہنم) ہے اور سامان دینے کا مطلب یہ ہے کہ برے اور جہنم میں لے جانے والے اعمال ایسے شخص سے بلا تکلف صادر ہوں گے۔

فائدہ: پہلی آیات: فاما من اعطی الخ کا نزول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور دوسری آیات واما من بخل الخ کا ”امیہ بن خلف“ کے بارے میں ہے، لیکن اعتبار خصوصِ مورد کا نہیں ہے (۲) بلکہ الفاظ کے عموم کا ہے، لہذا پہلے اعمال جو بھی اختیار کریگا، اس کو وہ کامیابی ملے گی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، اور دوسرے اعمال کو جو اختیار کریگا، اس کے لیے اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ سامنے آئیگا (۳)۔ (وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ الخ) اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئیگا، جب وہ برباد ہونے لگے گا، یہ دوسرے طبقہ کا حال بیان کیا گیا ہے، کہ یہ کمبخت جس مال کی خاطر حقوق واجبہ میں بخل کیا کرتا ہے، اور اسکے حصول کے لیے حرام وحلال کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے، یہ مال اس وقت اس کے کچھ کام نہ آویگا جب کہ یہ ہلاک ہوگا یعنی جہنم میں جائے گا۔ (اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی الخ) واقعی ہمارے ذمہ (اپنے وعدہ کے مطابق، کسی کے واجب کرنے سے نہیں)

---

(۱) روح: ۱۶/۲۶۶۔ (۲) یعنی وہ خاص واقعہ جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

(۳) روح: ۱۶/۲۶۹۔

راہ کا بتلانا ہے۔ یعنی اچھی بری راہ کا بتلانا ہے، تاکہ ہر انسان بری راہ سے بچ کر اچھی راہ کو اختیار کرے، سو وہ ہم نے بلا کسی اجمال واخفاء کے پوری طرح کھول کھول کر بیان کردی ہے، پھر اپنے اختیار سے کسی نے ایمان وطاعت کی راہ اختیار کی، جس کا ذکر "فاما من اعطی الخ" میں ہوا ہے، اور کسی نے کفر ومعصیت کی راہ کو اختیار کیا، جس کا ذکر "واما من بخل الخ" میں ہے۔ آگے اس بات کا بیان ہے کہ جیسی کوئی راہ اختیار کریگا، ہم اس کو ویسا ہی ثمرہ دیں گے کیونکہ "ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا۔ یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے، اس لیے دنیا میں ہم نے احکام مقرر کیے، اور آخرت میں موافقت پر جزا اور مخالفت پر سزا دیں گے، جس کا بیان دو جگہ "فَسَنُیَسِّرُہٗ الخ" میں ہوا ہے۔ آگے بھی اسی مضمون کی تنقیح وتوضیح کے طور پر ارشاد ہے: (فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی الخ) (میں نے جو تم کو مختلف اعمال کی مختلف جزائیں بتلادی ہیں) تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں چنانچہ "فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی" میں یہ مضمون بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اس لیے ڈرایا گیا ہے تاکہ ایمان وطاعت جس کا ذکر "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی الخ" میں ہے، اختیار کرکے اس آگ سے بچو اور کفر ومعصیت، جس کا ذکر "واما من بخل الخ" میں ہے، اختیار کرکے جہنم میں نہ جاؤ، کیونکہ اس میں جانے کے یہی اسباب ہیں چنانچہ آگے اس کی تصریح ہے، "لَا یَصْلٰھَا اِلَّا الْاَشْقَی الخ" اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا، جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، جھٹلانے کا مطلب دین حق کو جھٹلانا یعنی دل سے اس پر ایمان نہ لانا ہے، اور روگردانی کا مطلب اعضاء کے ذریعہ عمل کرنے سے اعراض ہے۔ (1)
یعنی ایمان اور عمل دونوں سے محروم ہے، ایسے شخص سے بڑا بدنصیب کوئی ہوگا؟ یہی اس آگ کا ایندھن بنے گا۔

واضح ہو کہ یہاں جہنم میں دخول سے مراد وہ ہے جو ہمیشہ کے لیے ہو، یعنی ہمیشگی کے لیے شخص مذکور ہی جہنم میں داخل ہوگا۔ (2) (وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الخ) اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے، (یعنی محض رضائے حق اس کا مطلوب ہے) اور بجز عالیشان پروردگار کی رضاجوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا (کہ اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو، یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہے، اس لیے کہ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی فی نفسہ افضل اور باعث ثواب ہے، لیکن اس شخص کے برابر نہیں جو ابتداءً کسی پر احسان کرے، اس سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کا انفاق جب اس سے بھی پاک ہے تو ریا وغیرہ معاصی سے بدرجہ اولیٰ پاک ہوگا، اور یہ کمال اخلاص ہے، حاصل آیت کا یہ ہوا کہ "اتقی" جہنم سے دور رہے گا اور "اتقی" (بڑا پرہیزگار) وہ ہے، جو (شریعت پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کے ساتھ) اللہ کے راستہ میں مال کو محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے خرچ کرتا ہے، یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ "اتقی" (بڑا پرہیزگار) جہنم سے دور رہے گا اور "تقی" جو صرف شرک وکفر سے بچنے والا ہے اور معاصی سے نہیں بچتا ہے وہ

---

(1) ابن کثیر: ۴/۵۲۰، یہ بھی ممکن ہے کہ "تکذیب" کا تعلق نبی سے ہو، یعنی نبی کی تکذیب کرے اور "روگردانی" کا تعلق ایمان سے ہو یعنی ایمان سے روگردانی کرے (جلالین ص: ۵۰۱) (۲) بیان القرآن۔ اور بھی آیت کی توجیہ کی گئی ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیے معارف القرآن: ۸/۷۶۲۔

جہنم سے نہیں بچ پائے گا حالانکہ ویغفر مادون ذالك لمن یشاء (شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں گے معاف کردیں گے) اور اس کے علاوہ بہت سی نصوص سے مؤمن عاصی کا جنت میں جانا ثابت ہے، اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمادے یا کسی کی سفارش سے اس کی مغفرت ہوجائے، یا گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم سے دور رہنے سے مراد یہ ہے کہ جہنم میں اس کے جانے کا بالکل احتمال نہ ہو، ظاہر ہے ایسا "الاتقی" ہی ہوسکتا ہے۔ "ولسوف یرضی" "اور یہ شخص عنقریب خوش ہوجائے گا۔" یعنی جہنم سے بچنے کے ساتھ اس کو آخرت میں ایسی نعمتیں ملیں گی، جن سے اس کو دائمی خوشی نصیب ہوگی۔ ان آیات کا مضمون گرچہ عام ہے لیکن ان کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا ہے، جیسا کہ بہت سی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ "ابن ابی حاتم" نے "عروہ" سے روایت کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا، جب وہ مسلمان ہوگئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا بڑا مال خرچ کرکے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کردیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں(۱)۔

اللغۃ: (تَجلّی) روشن ہوجائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب "تفعّل" سے۔ تجلّی تَجَلِّیًا (تفعّل): روشن ہونا، واضح ہونا۔ (الذّکر) مؤنث کی ضد (نر) اسم جامد، جمع: ذُکُورٌ، وذُکرَانٌ وذِکَارٌ وذِکَارۃٌ (بروزن حجارۃ) وذُکُورۃٌ وذِکَرَۃٌ (بروزن فِعَلَۃ)(۲) (الأنثیٰ: مادہ، اسم جامد، جمع إناث وأنالیٰ۔ (سعیکم) دیکھیے سورہ "غاشیہ" میں "لِسَعْیِھَا" البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مصدر مضاف عام طور پر چونکہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، اس لیے یہ معنیً جمع ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر "شتّٰی" جمع لائی گئی ہے، اور اسی لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "تمہاری کوششیں" لیکن "شتّٰی" میں چونکہ مصدر کا بھی احتمال ہے (کما سیاتی) اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ "سعیکم" جمع کے معنی میں نہ ہو۔(۳) (شتّٰی) متفرق، اس لفظ میں دو احتمال ہیں:- (۱) شَتِیْتٌ بمعنی متفرق صیغہ صفت کی جمع ہو، جیسے "مَرْضٰی" "مَرِیْض" کی جمع ہے۔ (۲) یہ مصدر مؤنث ہو، بُشْرٰی، ذکری کی طرح، لیکن چونکہ مصدر بلا تاویل کے خبر نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا اس میں تاویل کرنی پڑیگی کہ یہ ذوشتّٰی یا شَتِیْت (صیغہ صفت) کی تاویل میں ہے، تاکہ اس کا خبر بننا درست ہوسکے۔(۴) شَتَّتِ الأشیاءُ (ض) شَتًّا: متفرق ہونا والأشیاءَ: متفرق کرنا، یعنی لازم ومتعدی دونوں استعمال ہوتا ہے، (المعجم الوسیط)۔ (أعطیٰ) اس نے دیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے۔ أعطی إعطاءً (افعال): دینا۔ (اتّقی) ڈرا، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ "نبا" میں "المتقین"۔ (صَدّق) سچا سمجھا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق، مثبت معروف باب تفعیل سے۔ صَدّق تصدیقا: سچا سمجھنا، سچا کرنا۔ (الحسنٰی) اچھی، "أحْسَنُ" اسم تفضیل کا واحد مؤنث حَسُنَ (ک) حُسْنًا: اچھا ہونا، سے۔ (نُیَسِّر) ہم سامان دیدیں گے، سچ سچ

---

(۱) مظہری: ۱۰/۲۷۹ ومعارف القرآن: ۸/۷۶۳۔ (۲) اعراب القرآن: ۵/۴۴۱، تحت قولہ تعالیٰ: "أتأتون الذُّکرَانَ من العالمین" (شعراء) (۳) روح المعانی: ۱۶/۲۶۶۔ (۴) روح: ۱۶/۲۶۶۔

پہونچادیں گے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب تفعیل سے، یَسَّرَ تَیْسِیْرًا: آسان کرنا، والفرسَ: گھوڑے کو زین اور لگام پہنا کر سوار ہونے کے لیے تیار کرنا، اصلی معنی پہلے ہیں، لیکن یہاں دوسرا معنی (تیار کرنا) میں استعمال ہوا ہے، (۱) حضرت تھانویؒ نے اسی مفہوم کو سامان دینے سے تعبیر کیا ہے، (بَخِلَ) بخل کرے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب "سمع" سے بَخِلَ بہ (س) بُخْلًا و بَخَلًا و بَخُلَ (ک) بُخْلًا و بَخَلًا و بُخُولًا: بخیل ہونا یعنی خرچ کے موقعہ پر مال ومتاع کو خرچ نہ کرنا، (استغنٰی) گزر گیا "عبس" میں (العُسْرٰی) بقول "صاحب "اعراب القرآن وصرفہ" تنگی اور شدت کے معنی میں اسم جامد بھی ہوسکتا ہے، اور" أَعْسَرُ" اسم تفضیل کا مؤنث بھی ہوسکتا ہے، اس وقت ترجمہ ہوگا، زیادہ مشکل چیز (۲) عَسِرَ الأَمْرُ عَسَرًا (س) وعَسُرَ عُسْرًا وعَسَارَةً (ک): دشوار ومشکل ہونا (۳) (ما یُغْنِی) نہیں کام آئے گا، نہیں دفع کرے گا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، باب افعال سے۔ اغنٰی عنہ مالہ اِغْنَاءً: کسی کے مال کا اس سے ضرر ونقصان کو دفع کرنا، ٹالنا، مال کا کام آنا (نفع پہونچانا) (۴) (تردّٰی) جب وہ ہلاک ہوگا، جب وہ (قبر یا جہنم کے) گڑھے میں گریگا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب تفعل سے۔ تَرَدّٰی تَرَدِّیًا: ہلاک ہونا، گڑھے میں گرنا۔ (الْهُدٰی) راہ بتلانا، مصدر باب ضرب سے۔ (الأُولٰی) اوّل کا مؤنث، جب یہ آخرت کے مقابلہ میں استعمال ہو تو دنیا کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے (۵)۔ اور "اول" کے بارے میں دیکھیے سورہ "مطففین" میں" اساطیر الاولین "میں الاوّلین۔

(تَلَظّٰی) دہکتی ہے وہ، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، باب تفعل سے۔ تَلَظَّتِ النارُ تَلَظِّیًا (تفعل) وَالْتَظَتْ اِلْتِظَاءً (افتعال) وَلَظِیَتْ لَظًی (سمع): دہکنا۔ (سَیُجَنَّبُ) دور رکھا جائے گا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول، باب تفعیل سے۔ جَنَّبَ فلانًا الشیءَ تَجْنِیبًا: کسی کو کسی چیز سے دور رکھنا۔ (الأتقٰی) بڑا پرہیزگار، صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر وقی (ض) وَقْیًا، وِقَایَۃً: بچانا، شرعًا آخرت میں نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اپنے کو بچانا۔ اصل میں "الأَوْقٰی" تھا، اولًا "واؤ" کو "تا" سے بدلا گیا، یا تو اس لیے کہ باب افتعال (اتقٰی) میں واؤ کو "تا" سے بدلا گیا ہے، یا یہ کہ اصل (مصدر) "تَقٰی تِقَاءً" اور تَقِیَّۃً میں چونکہ "واؤ" کو "تا" سے بدلا گیا ہے، لہٰذا مشتق (أوقٰی) میں بھی بدلا گیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تَقٰی یَتْقِیْ تُقًی، تِقَاءً اور تَقِیَّۃً اپنی اصل پر ہو، یعنی مادہ "تقی" ہو "وقی" نہ ہو، اس وقت اتقٰی میں "تا" اپنی اصل پر ہوگی، یہ تو "تا" کے بارے میں گفتگو تھی، اور جہاں تک اس کے آخر میں "یا" کی بات ہے تو چونکہ وہ متحرک اور ماقبل مفتوح ہے لہٰذا اس کو "الف" سے بدل لیا گیا، اتقٰی ہو گیا۔ (۶) (یُؤْتِی) دیتا ہے وہ، صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع مثبت معروف، آتٰی

---

(۱) روح: ۱۶/۲۶۷ و۲۶۸۔ (۲) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۲۸۔ (۳) القاموس الوحید: ۲/۱۰۸۰۔ (۴) روح: ۳۰/۵۶۔ پارہ: ۳، رکوع: ۳) (۵) لغات القرآن: ۲/۲۹۹۔ (۶) از روح المعانی: ۱/۱۷۹، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۳/۲۹۳۔ پارہ ۲۶ رکوع ۱۴، تحت قولہ تعالیٰ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"۔

پہنچنا (ایصال): دینا ہے۔ (نِعْمَة) انعام واحسان، آسائش، اور وہ چیز کہ جس کے ذریعہ کسی پر انعام کیا جائے، پہلے معنی (انعام واحسان) کی صورت میں یہ اسم مصدر ہے اور دوسرے معنی کی صورت میں اسم جامد ہے (۱) (تُجزیٰ) اس کا بدلہ دیا جائے صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت مجہول، جَزَی فلانًا بکذا وعلیه (ض) جَزاءً: بدلہ دینا ہے۔ (ابتغاء) چاہنا، مصدر باب افتعال کا۔ (وَجْه) مجازًا رضا اور خوشنودی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جمع وُجُوہ۔

ترکیب: (واللیلِ اِذا یغشٰی ○ وَالنَّهارِ اِذا تَجَلّٰی) "واؤ" حرف جر برائے قسم، (اللیل) مجرور، جار مجرور سے مل کر "اُقسم" فعل محذوف کے متعلق، باقی ترکیب "والقمر اذا تلٰها" کی طرح ہے۔ (وماخلق الذکر والانثیٰ) واؤ حرف عطف "ما" بمعنی "من" "موصول": "خلق الذکر" صلہ، موصول صلہ سے مل معطوف الیل پر۔ (اِنَّ سَعْیَکُم لَشَتّٰی) (ان سعیکم) اِنَّ اور اس کا اسم، (لام) مزحلقہ (یعنی لام ابتداء) (شتّٰی) خبر، اور جملہ: "ان سعیکم ...... "جواب قسم، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (فامّا من اَعطٰی واتّقٰی ○ وصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ○) "فا" استینافیہ (اما) حرف شرط و تفصیل، (من) موصولہ مبتدا (اعطی) صلہ (واتقی وصدق بالحسنی) معطوف اعطی پر، "فا" جواب کے شرط سے ربط کے لئے، (سین) برائے استقبال (للیسری) نُیَسِّرُ کے متعلق اور جملہ: "سَنُیَسِّرُ...... "محلا مرفوع "من" کی خبر، اور جملہ: "من اعطی...... "مستانفہ۔ (وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی○) واؤ عاطفہ، باقی ترکیب "امامن اعطی " کی طرح اور جملہ: " امامن بخل "معطوف جملہ:" امامن اعطی ...... "پر۔ (اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ○ وَاِنَّ لَنا لَلْآخِرَةَ وَالْاُوْلٰی) " علینا "خبر مقدم لام برائے تاکید، (الهدیٰ) اسم مؤخر، اور جملہ: "ان علینا ...... " مستانفہ (وان لنا للآخرة والاولیٰ) جملہ معطوف جملہ: " ان علینا للهدیٰ "پر۔ (فَاَنْذَرْتُکُمْ نارًا تَلَظّٰی) "فا" عاطفہ (نارا) مفعول بہ ثانی، (تلظی) صفت نارًا کی، اور جملہ: "انذرتکم...... " معطوف، جملہ مستانفہ (إن علینا للهدیٰ) پر۔ (لَایَصْلٰها اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی) "الا" حرف استثناء ملغی "الاشقی" فاعل، (الذی) صفت (کذب وتولیٰ) صلہ، (وَسَیُجَنَّبُها) "سین" برائے استقبال، اور جملہ: "سَیُجَنَّبُها...... " معطوف جملہ: " لا یصلها...... " پر۔ (اَلْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی) "الاتقی " یُجَنَّبُ کا نائب فاعل، الذی صفت (یوتی) صلہ، "یتزکی "محلا منصوب، حال یوتی کی ضمیر سے۔ (وَمَالِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی○ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی) واؤ استینافیہ "ما" نافیہ (لاحد) محذوف کے متعلق ہوکر خبر مقدم، (عنده) (کائنة) محذوف کے متعلق ہوکر حال نعمة سے، (نعمة) لفظاً مجرور محلاً مرفوع مبتدا مؤخر ہونے کی وجہ سے، اور جملہ: "مالاحد ...... "مستانفہ، بعض نے واؤ کو حالیہ مان کر جملہ کو "یوتی " کی ضمیر سے حال مانا ہے، (الّا) برائے استثناء، (ابتغاء) مستثنیٰ منقطع، اس لئے کہ یہ نعمة (احسان) کی جنس سے نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِلَّا

---

(۱) فی " الروح " تحت قوله تعالیٰ : " اذکرو نعمة الله علیکم " الظرف متعلق بنفس النعمة إن جعلت مصدرًا بمعنی الإنعام او بمحذوف وقع حالا منها إن جعلت اسما .(۸/۲۷۳، سورہ ابراہیم رکوع ۲۔)

بمعنی لکن ہے اور ابتغاء مفعول لہ ہے فعل محذوف کا، تقدیری عبارت ہوگی: "إلا فعل ابتغاء وجه ربه"(۱)، "محی الدین الدرویش" نے اس کو احسن قرار دیا ہے(۲) حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہے۔ (وَلَسَوْفَ يَرْضٰى) واو استئنافیہ (لام) قسم محذوف کے جواب میں، تقدیری عبارت ہے: "واللہ لسوف یرضی" جملہ: "سوف یرضی......" قسم محذوف کا جواب، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ قسمیہ مقدرہ (اقسم باللہ) مستانفہ(۳)۔

(۹۳) سُورَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

وَالضُّحٰى ۝ قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی۔ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ اور رات کی جب وہ قرار پکڑے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ دشمنی کی۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے۔

ربط: پہلی سورت میں "وسیجنبها الاتقی" آیا ہے، اور حضور ﷺ چونکہ اتقیاء کے سردار ہیں، اس لئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رأس الاتقیاء (آنحضرت ﷺ) پر اپنے انعامات کو بیان فرمایا ہے(۴)۔

شانِ نزول: "ترمذی" شریف میں حضرت "جندب" رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہو گئی، اور اس سے خون جاری ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "إِنْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ : وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ" یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے، جو خون آلودہ ہو گئی ہے، اور جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی ہے وہ اللہ کی راہ میں ہے، (اس لئے کیا غم ہے؟) حضرت "جندب" نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) "جبریل امین" کوئی وحی لے کر نہیں آئے، تو مشرکین مکہ نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا ہے اور وہ آپؐ سے ناراض ہو گیا ہے؛ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اور آپ کو یہ طعنہ دینے والی ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی، اور کچھ مشرکین بھی تھے، مذکورہ بالا آیات میں ان کی ان لغویات اور خرافات کی تردید اور حضور ﷺ کی تسلی مذکور ہے۔

تفسیر: (والضحی الخ) قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی(۵) یعنی اس وقت کی جس میں سورج اونچا ہو جائے،

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۳۹۔ (۲) اعراب القرآن: ۸/۳۳۷۔ (۳) ترکیب روح المعانی: ۱۶/۲۶۴، اعراب القرآن محی الدین: ۸/۳۳۳، اور اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۳۵ سے ماخوذ ہے۔ (۴) روح: ۱۶/۲۷۶۔ (۵) المراد به ههنا وقت ارتفاع الشمس الذي يلي وقت بروزها للناظرين دون طلوعها وارتفاعها، لأنه أنسب بما بعد (روح المعاني: ۱۶/۶)

اور دیکھنے والوں کو اچھی طرح نظر آنے لگے۔ اور رات کی جب وہ قرار پکڑے۔ یعنی اس کی ظلمت کامل ہو جائے، کیونکہ رات میں تاریکی رفتہ رفتہ بڑھتی رہتی ہے، پھر رات گزرنے پر مکمل ہو جاتی ہے، لہٰذا اندھیرا کامل ہو گیا؛ تو رات نے قرار پکڑ لیا۔ (۱)

آگے جواب قسم ہے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے دشمنی کی (جیسا کہ یہ لوگ بک رہے ہیں۔ اس لئے کہ اول تو آپؐ سے کوئی بات ایسی ہوئی نہیں۔ دوسرے حضرات انبیاء (علیہم السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اس سے معصوم ومحفوظ بنایا ہے۔ لہٰذا کفار کی ان خرافات اور لغو باتوں کا رنج نہ کیجئے، جو چند روزہ وحی کی تاخیر کے سبب یہ کہنے لگے کہ آپ کو آپ کے خدا نے چھوڑ دیا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے؛ آپؐ برابر وحی کی نعمت سے مشرف وسرفراز ہوتے رہیں گے۔) (وللآخرة خیر الخ) اور آخرت آپؐ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے یہ شرف وکرامت (خدا تعالیٰ کا آپ کو نہ چھوڑنا اور نعمت وحی سے برابر نوازا جانا) تو آپ کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے، لہٰذا وہاں آپؐ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی۔ (ولسوف یعطیك الخ) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دیگا، سو آپ خوش ہو جائیں گے جمہور نے اس وعدہ کو آخرت کے ساتھ خاص مانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آپ سے ناراض وبیزار ہو کر چھوڑنا تو کیسا؟ اللہ تعالیٰ تو آپ کو بکثرت آخرت میں نعمتیں دیگا، اور ''ابو حیان'' کے بقول اولیٰ یہ ہے کہ اس وعدہ کو دنیا وآخرت کے لئے عام رکھا جائے۔ (۲) یعنی آپ کا رب آپ کو دنیا وآخرت میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا، کہ آپ پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائیں گے۔ ان نعمتوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر پھیل جانا، پھر امت کی ہر ضرورت؛ اور آپ کا دشمنوں پر غالب آنا وغیرہ نعمتیں داخل ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اذًا لاَ اَرْضیٰ وَوَاحِدٌ مِنْ اُمتی فی النار'' یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہونگا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہیگا۔ (قرطبی)(۳)

قسم وجواب قسم میں مناسبت: قسم وجواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ظاہر میں اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو، اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ تعالیٰ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں ہے، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہیں ہوگا، تو چند روزہ نور وحی کے رکے رہنے کے سبب یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا ہے، اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے، ایسا کہنا تو خدا تعالیٰ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے؛ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا(۴)۔

---

(۱) روح: ۱۶/ ۲۷۷، وبیان القرآن۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/ ۲۸۸۔ (۳) از تفسیر عثمانی ص: ۷۹۴، ومعارف القرآن: ۸/ ۷۶۶۔

(۴) تفسیر عثمانی ص:/ ۴۹۴، اور یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کچھ توقف کے لئے ہوتی ہے، مگر پھر دن کی روشنی اس کو ختم کر ڈالتی ہے، اسی طرح یہ توقف اور تاخیر عارضی ہے، اس کو اللہ کی وحی اور نور دور کر دیگا۔ معارف القرآن: ۸/ ۴۸۰ (ادریسی)۔

اللغة: (الضحی) اس لفظ کی تحقیق سورۂ "نازعات" میں "وَاَخرَجَ ضُحَاهَا" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (سجیٰ) قرار پکڑے (ٹھہر جائے) چھا جائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، "نصر" سے۔ سَجَا کو "دَعَا" کی طرح ("الف" طویلہ کے) ساتھ لکھا جانا چاہیے، لیکن چونکہ "سجیٰ" میں ایک قرأت کے مطابق امالہ ہے، اور امالہ کی صورت میں الف کو (یائے غیر منقوطہ) کے ساتھ لکھا جاتا ہے لہٰذا بغیر امالہ والی قرأت کی صورت میں "یا" کے ساتھ لکھا گیا، تاکہ امالہ والی قرأت کے اس کی کتابت موافق ہو جائے۔(1) سَجَا یَسْجُو (ن) سَجْوًا: ٹھہرنا، (مَاوَدَّعَ) نہیں چھوڑا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق منفی معروف، باب تفعیل سے، مصدر "تَوْدِیع" ہے، بمعنی رخصت کرنا، چھوڑنا، مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔ (مَاقَلٰی) وہ بیزار نہیں ہوا، اس نے نفرت نہیں کی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق منفی معروف قَلَاهُ (ن) قَلْوًا، قَلًا وَقَلَاءً وقَلَاه (ض) قَلْیًا و قَلَاءً: سخت نفرت کرنا، سخت بغض رکھنا، دشمنی کرنا، انتہائی کراہت کرنا، سے۔ مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔

ترکیب: (وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی) واؤ حرف جر برائے قسم، (الضحی) مجرور جار مجرور سے مل کر (اقسم) فعل محذوف کے متعلق، (وَالَّیْلِ اِذَاسَجٰی) "وَالَّیْلِ اِذَایَغْشٰی" کی طرح (مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ) جواب قسم (وماقلیٰ) معطوف "ماودعك" پر (وللآخرة) واؤ مستانفہ (لام) لام ابتداء، (الآخرة) مبتدا (خیرٌ) خبر (من الاولیٰ) متعلق خیرٌ کے، اور جملہ: "الآخرة...... "مستانفہ۔(2) (ولسوف یعطیك) واؤ عاطفہ (لام) لام ابتداء، اور مبتدا محذوف ہے، جس پر یہ داخل ہے، تقدیری عبارت ہے: لَاَنْتَ" سَوْفَ یُعْطِیْكَ" (سوف یعطیك) خبر مبتدا محذوف انت کی، اور جملہ: "لانت سوف یعطیك......" معطوف جملہ مستانفہ یعنی: "والآخرة" پر بعض نے جواب قسم پر معطوف مانا ہے۔ (فترضیٰ) معطوف جملہ: "یعطیك" پر لہٰذا یہ بھی معطوف علیہ کی طرح محل رفع میں ہوگا۔

فائدہ: یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ" ولسوف یعطیك" میں لام ابتدا ہے، جو مضمون جملہ کی تاکید کرنے کے ساتھ فعل مضارع کو زمانہ حال کے ساتھ بھی خاص کر دیتا ہے، اور "یعطیك" پر "سوف" داخل ہے، جو مضارع کو استقبال کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ لہٰذا لام اور سوف کے اجتماع میں منافات ہے۔

جواب یہ ہے کہ لام ابتدا کا کام صرف مضمون جملہ کی تاکید ہے، اور جہاں تک فعل مضارع کے حال کے ساتھ خاص ہونے کی بات ہے وہ قرینہ کی بناء پر ہے، لام کی وجہ سے نہیں ہے، اور وہ قرینہ تاکید ہے، اس لئے کہ تاکید کے مناسب زمانہ حال ہے، اور جب سوف داخل ہے، تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ یہاں حال کے معنی نہیں ہے، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لام ابتدا تاکید اور حال دونوں کا فائدہ دیتا ہے تو یوں کہا جائے گا کہ یہاں اس کو حال کے ساتھ خاص کرنے کے معنی سے خالی کر لیا گیا ہے، اور

---

(1) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۵۲۔ (2) والمتبادر ممّا قرّروه ان الجملة مستانفة .. (روح المعانی: ۱۶/۲۸۵)" اور اعراب القرآن وصرفہ" میں واؤ کو عاطفہ مان کر اس جملہ کو جواب قسم (ماودعك) پر معطوف مانا ہے۔

صرف تاکید کے لئے ہے، اور اگر مجرد بھی مانا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ مستقبل کو وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے حال (موجود اور متحقق کے) درجہ میں اتار لیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (روح المعانی: ۱۶/۳۸۶)۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ تو آپ یتیم پر سختی نہ کیا کیجئے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ اور سائل کو مت جھڑکیے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

ربط: ماقبل میں کفار کے قول کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے دشمنی کی اور مذکورہ بالا آیات میں تین نعمتوں کو ذکر کرکے اسی مضمون کی تائید ہے۔

تفسیر: الم یجدك یتیما الخ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا تین نعمتوں میں سے یہ پہلی نعمت کا تذکرہ ہے کہ شکم مادر میں ہونے کے وقت ہی آپ کے والد حضرت عبداللہ کی وفات ہو گئی تھی۔ چھ سال کے ہوئے، تو والدہ محترمہ نے بھی رحلت کی، پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے، اس کے بعد کفالت و پرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی، انہوں نے زندگی بھر آپ کی نصرت وحمایت اور تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ٹھکانا دینے کا مطلب یہی ہے۔ (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا) "ضال" کے معنی گمراہ کے بھی ہیں اور ناواقف و بے خبر کے بھی۔ یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے شریعت الٰہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر و ناواقف تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز کرکے شریعت اور علوم کی رہنمائی کی۔ (وَوَجَدَكَ عَآئِلًا) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا(1) سو مالدار بنادیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت "خدیجۃ الکبریٰ" رضی اللہ عنہا کے مال میں آپ نے بطور مضاربت تجارت کی، جس میں نفع ملا، پھر حضرت "خدیجہؓ" نے آپ سے نکاح کرلیا اور اپنا تمام مال حاضر کردیا۔

ان انعامات کو ذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ شروع ہی سے آپ پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور اس کے انعامات کی بارش ہوتی رہی ہے، آئندہ بھی اس کے لطف و کرم اور انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو چھوڑے اور بغض و دشمنی کرے؟ مذکورہ تین نعمتوں کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان کے شکریہ میں تین حکم دئے ہیں:

۱- "فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ" (تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے) یعنی اس کو ضعیف و بے وارث سمجھ کر تکلیف مت پہونچایئے، خواہ اس کے مال و حقوق کو دبا کر ہو، یا اس کو ذلیل و حقیر سمجھ کر۔(2) اس آیت سے یتیم کو ستانے اور تکلیف پہونچانے کی ممانعت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے یتیم کے ساتھ شفقت کے معاملہ کی تاکید فرمائی ہے۔

---

(1) "عائلا" کے ایک معنی کثیر عیال والا بھی ہوسکتے ہیں، تفصیل کے لئے "لغات القرآن وصرفہ" دیکھیں۔

(2) الأولیٰ حمل القهر علی الغلبة والتذلیل معاً۔ روح المعانی: ۱۶/۳۹۳۔

۲-(وَاَمَّا السَّآئِلَ الخ) اور سائل کو مت جھڑکیے۔ مال کا سائل ہو یا علم کا، کسی نے مال کا سوال کیا ہے اور دینے کے لئے موجود ہے تو اچھا یہ ہے کہ اس کو دیدیا جائے، نہیں دینا ہے تو کم از کم اس کو جھڑکا نہ جائے، ڈانٹا نہ جائے بلکہ نرمی سے معذرت کردی جائے، اور علم کا کوئی سائل ہے اور اس بات کی تحقیق بھی ہے، تو بتادیا جائے۔ وقت کی تنگی یا اس کے علاوہ کوئی اور قوی عذر ہو، تو اس وقت نرمی سے معذرت کردے۔ واضح ہو کہ سائل کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ وہ نرمی سے نہ مانے، ورنہ اس کے اصرار کرنے اور نرمی سے نہ ماننے کی صورت میں اس کو ڈانٹنا بھی جائز ہے۔ (۱)

۳-(واما بنعمة ربك الخ) اور اپنے رب کے احسانات (۲) کا تذکرہ کرتے رہا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں جن میں وہ تین احسان بھی ہیں جن کا ماقبل میں تذکرہ ہوا ہے، ان احسانات کے بارے میں حکم ہے کہ لوگوں کے سامنے تذکرہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمتیں دی ہیں اس لئے کہ یہ بھی شکرگزاری کا ایک طریقہ ہے اور منعم کی شکرگزاری واجب ہے، یہاں تک کہ جس آدمی پر کوئی آدمی احسان کرے اسکا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جس شخص نے لوگوں کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی نہیں کیا"۔ (۳)

اللغة: (لَمْ يَجِدْ) نہیں پایا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع "نفی جحد بلم معروف، باب ضرب سے، وَجَدَه (ض) وَجْدًا، وُجُوْدًا، وَوِجْدَانًا: پانا۔ (آوىٰ) ٹھکانا دیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے۔ آواه يُؤْوِيْه إيواءً (افعال): ٹھکانا دینا، اپنے سے ملانا (۴) (ضَآلًّا) صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، باب ضرب سے۔ ضال کے بہت سے معنی آتے ہیں، یہاں بے خبر و غافل کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی آپ شریعت سے بے خبر تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے شریعت کے رستہ کی رہنمائی کی، (۵) ضَلَّ (ض) ضلًّا، ضلالًا، ضَلَالَةً: بھٹکنا، بے خبر ہونا، غائب ہونا۔ (عَآئِلًا) نادار، مفلس، محتاج، صیغہ اسم فاعل واحد مذکر، اصل میں "عايِلٌ" تھا۔ "یا" کے ساتھ بائع کی طرح تعلیل ہوئی ہے۔ جمع عَالَة، عُيَّلٌ عَيْلىٰ (سَكْرىٰ کی طرح) عَالَ (ض) عَيْلًا، عَيْلَةً، عُيُوْلًا ومَعِيْلًا: محتاج و نادار ہونا (۶) (اَغْنىٰ) غنی (مالدار) بنادیا، بے پرواہ کردیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ سب سے بے پرواہ کردیا، دونوں تفسیریں روح المعانی میں نقل کی گئی ہیں، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے۔ مصدر إِغْنَاءٌ ہے۔ (لَا تَقْهَرْ) مت دبایئے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث نہی حاضر معروف، باب نصر سے، "قَهْرٌ" مصدر ہے، قہر کے معنی بقول امام راغب، کسی پر غلبہ کرنا، دبانا اور ذلیل کرنا دونوں ایک ساتھ ہیں، اور کبھی صرف غلبہ حاصل کرنے کے معنی میں بھی

---

(۱) روح المعانی: ۲۹۳/۱۶۔ (۲) "بنعمة" سے جنس مراد ہے، اس لئے جمع کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۳) رواه ابو داؤد (ابن کثیر: ۵۲۳/۴) (۴) المعجم الوسیط ص: ۳۳۔ (۵) روح المعانی: ۱۸۷/۱۵ (ملتان)۔ (۶) اعراب القرآن لمحی الدین: ۳۳۳/۸، وروح المعانی: ۲۹۳/۱۶۔ مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں۔

استعمال ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری ہے: "وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ" اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں، اور کبھی محض تذلیل (ذلیل کرنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے "فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ" میں یہی معنی مراد لئے ہیں، اس وقت ترجمہ ہوگا، تو یتیم کو ذلیل مت کر، لیکن صاحب روح کے بقول غلبہ اور تذلیل دونوں معنی ایک ساتھ مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔[1] (لَا تَنْهَرْ) مت جھڑک، صیغہ واحد مذکر حاضر بحث نہی حاضر معروف، نَهَرَ (ف) نَهْرًا: جھڑکنا (تحتی سے ڈانٹنا) سے (حَدِّثْ) بیان کیجئے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف "تحدیث" (بیان کرنا) سے۔

ترکیب: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى) ہمزہ برائے استفہام انکاری، اور چونکہ یہ نفی پر داخل ہے، لہٰذا نفی کی نفی سے اثبات حاصل ہوا یعنی اَلم یجد ک کا حاصل وجدک ہوا، (ایسے موقعہ پر بعض حضرات استفہام کو تقریر کے لئے مانتے ہیں، بہتر کیا ہے؟ اس کی تفصیل "الم نجعل الارض مهادا" (نبأ) کے تحت آچکی ہے) لم یجد فعل با فاعل، کاف ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ اول (یتیما) مفعول بہ ثانی، (فاوی) معطوف حتی (یجد) پر لہٰذا اس سے پہلے بھی نفی ملحوظ ہوگی[2] اور جملہ: "لم یجد ک......" مستانفہ۔ (وَوَجَدَكَ ضَالًّا) واؤ عاطفہ اور جملہ معطوف جملہ مستانفہ (لم یجدک ......) پر (فهدى) معطوف جملہ: "وجدک" پر (وَوَجَدَكَ عَائِلًا) معطوف جملہ مستانفہ پر (فاغنى) معطوف جملہ: "وجدک عائلا" پر (فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ) "فا" فصیحیہ شرط مقدر کے جواب میں تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: اِذَا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْكَ بِنِعَمٍ مَذْكُوْرَةٍ۔ (اما) حرف شرط و تفصیل (الیتیم مفعول بہ مقدم (فلا تقهر) (فا) اما کے جواب کے ربط کے لئے "لا تقهر" فعل با فاعل، اور جملہ جواب شرط غیر جازم کا، لہٰذا اس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے، (واما السائل) جملہ معطوف "اما الیتیم فلا تقهر" پر (وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) (بنعمة ربك) حَدِّثْ کے متعلق اور جملہ: "واما بنعمة ربك" معطوف "فاما الیتیم فلا تقهر" پر۔

٩٤ سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ (١٢)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ اور ہم نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا۔ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کیا۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ سو بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ سو جب آپ فارغ ہو جایا کریں، تو محنت کیا کیجئے۔ وَاِلٰى رَبِّكَ

---

(١) روح المعانی: ١٦/٢٩٣۔ (٢) مزید وضاحت کے لئے دیکھئے سورہ "نبأ" میں "الم نجعل الارض مهادا الخ" کی ترکیب۔

فَارْغَبْ ۝ۧ اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ کیجئے۔

ربط: سورہ "ضحیٰ" سے آخر تک بائیس سورتوں میں حضور ﷺ پر انعامات واحسانات اور آپ کی عظمت شان سے متعلق مضامین کا زیادہ تر ذکر ہے، صرف چند سورتوں میں احوال قیامت یا دیگر مضامین ہیں، سورہ "الشراح" میں بھی ان خاص خاص نعمتوں کا ذکر ہے، جو آنحضرت ﷺ پر حق تعالیٰ نے مبذول فرمائی، اور اس کے بیان میں اسی عنوانِ استفہام کو اختیار فرمایا ہے، جو سورہ "ضحیٰ" (الم یجدك ......) میں تھا۔ (۱)

تفسیر: (اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ......) اس سورت میں تین نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور یہ پہلی نعمت کا بیان ہے، کہ ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ کر دیا، یعنی اس میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دئے، اور لوگوں تک پیغام خداوندی پہونچانے میں جو تکالیف پیش آویں، ان کو برداشت کرنے کے لئے بڑا حوصلہ دیا۔ دوسری نعمت یہ بیان فرمائی "کہ ہم نے آپ کے اوپر سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی" اس بوجھ سے مراد وہ جائز ومباح کام ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ نے حکمت ومصلحت کے مطابق سمجھ کر اختیار فرما لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت وحکمت کے خلاف یا خلاف اولیٰ تھے، یہ کوئی گناہ اور معصیت بھی نہیں ہے، کیونکہ ان کو آپ نے اجتہاد سے اختیار فرمایا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو اپنی علوشان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی وجہ سے ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج وملال اور صدمہ ہوتا تھا، اس آیت میں حق تعالیٰ نے بشارت سنا کر وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ (۲)

تیسری نعمت (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کیا، یعنی تمام پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند کیا۔ چنانچہ دنیا میں تمام سمجھدار انسان نہایت عزت وقعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں، اور شریعت میں اکثر جگہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک رکھا گیا، جیسے اذان، اقامت، خطبہ، کلمۂ طیبہ، اور "التحیات" وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نام کی رفعت وشہرت ظاہر ہے، لہٰذا جو اس کے ساتھ ہوگا وہ رفعت وشہرت میں اس کا تابع رہے گا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کی تاکید بھی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری: "یا یھا اللذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" اور اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں جابجا ہیں نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں، اور مؤمنوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے، اور اس حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ پر کتنا درود بھیجا جاتا ہے؟، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے، عالم خبیر ہی اس کی تعداد کو جانتا ہے۔ مذکورہ شان میں نبیؐ کے لئے جو شرف بلندی ہے، وہ کسی انسان کو تو کیا کسی نبی یا مقرب فرشتہ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ (فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے، بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔

---

(۱) از معارف القرآن: ۸/۷۷۰۔ (۲) از تفسیر عثمانی ص: ۷۹۵

ایک قاعدہ: آیات کی تفسیر سے قبل ایک قاعدہ سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جس کلمہ پر "ال" عہد خارجی داخل ہو اگر اسی کلمہ کو "ال" کے ساتھ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق وہی ہوتا ہے، جو پہلے کا تھا، اور اگر بغیر "ال" نکرہ مکرر لایا جائے، تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں، لہٰذا "العسر" اول سے "ال" عہدی خارجی کی وجہ سے موجودہ مشکلات مراد ہیں، یہی موجودہ مشکلات دوسرے "العسر" سے ہونگی، اور یسرا چونکہ دونوں جگہ نکرہ آیا ہے، لہٰذا اس تکرار سے معلوم ہوا کہ ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں، اور "دو" سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں ہے، بلکہ تعدد مراد ہے، یعنی ایک مشکل کے ساتھ متعدد آسانیاں ہیں، اس تمہید کے بعد مطلب سمجھئے۔

آیات کا مطلب: حضور ﷺ اسی طرح آپ پر ایمان لانے والے صحابہ مکہ میں طرح طرح کی تکلیفوں اور سختیوں میں گرفتار تھے، جن کی تفصیلات تاریخ اسلامی اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مذکورہ بالا آیات میں ماقبل پر تفریع کے طور پر ان کے دور کئے جانے کا وعدہ اور بشارت ہے کہ اے نبی! ﷺ جس طرح ہم نے آپ کو روحانی راحت دی، اور روحانی تکلیف کو دور کیا، جیسا کہ "الم نشرح" سے معلوم ہوا، اسی طرح بیشک یہ موجودہ مشکلات و پریشانیاں سب ختم ہو کر آسانی آئے گی۔ اور چونکہ ان مشکلات کی انواع اور تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے بطور تاکید کے مکرر وعدہ کیا گیا کہ بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے، چنانچہ تاریخ و سیرت کی سب کتابیں، اپنوں کی ہوں یا غیروں کی اس پر شاہد ہیں کہ وہ مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں، اور ہر ایک سختی اپنے ساتھ کئی آسانیاں لیکر آئی۔

مذکورہ تفسیر و تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ "العسر" کا "ال" عہد خارجی کا ہے، اور اس سے مراد حضور ﷺ کے زمانہ کا عسر ہے، جس کے دور کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے، مطلق عسر نہیں ہے، لہٰذا اب دنیا میں اگر کسی کو عسر کے بعد یسر نصیب نہ ہو، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں ہے، گرچہ عادۃ اللہ اب بھی یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے (اور اس کے ازالہ کی تدبیر صبر کے منافی نہیں ہے) اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے، اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے، اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، اور کامیابی میں دیر ہونے سے آس نہ توڑے، تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں آسانیاں کر دیگا۔ (۱)

(فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ) تو آپ جب فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیا کیجئے، اور اپنے ہی رب کی طرف توجہ رکھئے۔ ماقبل میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر اپنے انعامات و احسانات کو بیان فرمایا ہے، اس آیت میں ان نعمتوں پر شکر کا حکم ہے، کہ جب آپ لوگوں کو سمجھانے سے (جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، لیکن لوگوں کی نفع رسانی کے واسطہ سے عبادت ہے) فارغ ہو جائیں، تو خلوت میں جا کر بلاواسطہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے (جیسے نفل نماز، ذکر وغیرہ) اسے بھی خوب کیا کیجئے۔

اللغة: (لَمْ نَشْرَحْ) نہیں کھولا، صیغہ جمع متکلم، بحث نفی جحد بلم معروف، شَرَحَ (ف) شَرْحاً: کھولنا، پھیلانا۔ (صَدْر) سینہ، جمع: صُدُوْرٌ۔ (وَضَعْنَا عَنْكَ) اتار دیا ہم نے آپ سے، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف،

---

(۱) از بیان القرآن، و معارف القرآن، و تفسیر عثمانی۔

وَضَعَ عَنْهُ الحِمْلَ بِو الدَّيْنَ (ف) وَضْعًا: بوجھ اتارنا، دین ساقط کرنا، سے۔ (وِزْرَ) بھاری بوجھ، گناہ⁽¹⁾ (یہاں اول مراد ہے) اسم جامد۔ جمع اوزار۔ (انقض) جھکا دیا، توڑ دیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے، انْقَضَ الحِمْلَ ظَهْرَ الناقة إنقاضاً: بوجھ کا اونٹنی کی پیٹھ کو اتنا بوجھل بنا دینا کہ زیادہ بوجھ کی وجہ سے کمر سے چرچرانے کی آواز آنے لگے، اسی کی بامحاورہ تعبیر ہے "کمر توڑ دینا"۔ معلوم ہوا کہ کمر توڑ دینا حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہے، بلکہ مذکورہ بالا مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔⁽²⁾ (ذِكْرَكَ) آپ کا ذکر، آپ کا آوازہ (شہرہ) جمع ذُكُوْر و اذكار، (العسر) تنگی مشکل، اصلاً مصدر ہے، عَسُرَ (ک) عُسْرًا: مشکل ہونا، (يُسْرًا) آسانی، مصدر، يَسُرَ (ک) يُسْرًا: آسان ہونا، (فَرَغْتَ) فارغ ہو جاویں، صیغہ واحد مذکر حاضر بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، فَرَغَ من الشیء (ن) فَرَاغاً وفُرُوْغاً: فارغ ہونا، سے (انْصَبْ) محنت کیا کیجئے، صیغہ واحد مذکر حاضر بحث امر حاضر معروف، نَصِبَ (س) نَصَباً: تھکنا، محنت کرنا، سے (ارْغَبْ) توجہ رکھئے مذکورہ صیغہ و بحث، رَغِبَ الیه (س) رَغَباً وَرَغْبَةً ورُغْبَةً: توجہ کرنا، مائل ہونا، مشتاق ہونا و عنه کنارہ کشی کرنا۔

ترکیب: (اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ) ہمزہ برائے استفہام انکاری⁽³⁾ "لك" متعلق "لم نشرح" کے (صدرك) مفعول بہ اور جملہ "الم نشرح" ابتدائیہ۔ (ووضعنا عنك وزرك) معطوف جملہ ابتدائیہ (اَلَمْ نَشْرَحْ) کے مدلول (قد شرحنا) پر (الذی) صفت "وزرك" کی (انقض) صلہ، (ظهرك) مفعول بہ (ورفعنا لك ذكرك) جملہ ابتدائیہ پر معطوف، (فإن مع العسر يسرا) "فا" فصیحہ جو ایک محذوف جملہ کو ظاہر کر رہی ہے، جس پر اس کے مابعد جملہ کا عطف کیا گیا ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "خَوَّلْنَاكَ مَا خَوَّلْنَا فَلَا يُخَامِرُكَ الیاسُ"⁽⁴⁾ "فان مع العسر" "فا" عاطفہ (مع العسر) خبر مقدم (يسراً) اسم مؤخر اور جملہ معطوف "فَلَا يُخَامِرُكَ......" پر۔ اور جملہ: (لا یخامر......) معطوف جملہ مستانفہ مقدرہ: "خولنا ك" پر یہ "فا" استینافیہ بھی ہو سکتی ہے۔ (اعراب القرآن وصرفہ) اس وقت جملہ: "إنَّ مع العسر" مستانفہ ہوگا۔ (إنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) راجح یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، (فَإِذَا فَرَغْتَ) "فا" استینافیہ، (اذا) ظرفیہ متضمن معنی شرط، مفعول فیہ جواب کا، (فرغت) محلاً مجرور اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (فَانْصَبْ) جواب "اذا" کا جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے، کیونکہ شرط غیر جازم کے جواب کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہے، (والی ربك) واو عاطفہ، اور "اِلٰی رَبِّكَ" متعلق فارغب کے (اور یہ "فا" تعلق کے لئے مانع نہیں ہوتا ہے) اور جملہ: "الی ربك

---

(1) روح المعانی: ۳۷۹/۹ (پارہ ۱۶ رکوع ۱۴)۔ (2) اعراب القرآن: ۳۳۷/۸۔ و روح المعانی: ۳۰۲/۱۶۔ (3) تفصیل کے لئے دیکھئے "الم نجعل الارض مهادا" کی ترکیب۔ (4) اعراب القرآن ۳۳۹/۸، ترجمہ: ہم نے آپ کو وہ نعمتیں دیں جو دیں، لہٰذا آپ کو ناامیدی نہیں ہونی چاہئے۔ نوٹ: - "فا" فصیحہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ شرط مقدر کے جواب میں آئے، اور اس کے متعلق تفصیل "فاعلون" "فلوجاً (پا، ع:۱) میں ترکیب کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

فارغب" شرط مقدر کا جواب، تقدیری عبارت اس طرح ہے: إن دَعَتكَ الحاجةُ إلى مسئلة (اگر آپ کو مانگنے کی ضرورت ہو) فارغب...... (اعراب القرآن وصرفہ ۱۵/۳۵۹)

(۹۵) سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (۲۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ اور اس امن والے شہر کی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ پھر ہم نے اس کو پستی کی حالت والوں سے پست تر کر دیا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ پھر کوئی چیز اس کے بعد تجھ کو بدلہ کے بارے میں منکر بنا رہی ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔

ربط: سابقہ سورت میں نوع انسانی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل واکمل یعنی محمد عربی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا ہے، اور اس سورت میں، اس نوع کا حال، اور اس کی انجام کا بیان اور اس اکمل وافضل انسان پر اس نوع میں سے ایمان لانے والے کے لئے جس اجر کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، اس کو ذکر کیا گیا ہے(۱)۔

تفسیر:- ان آیات میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، دو درخت (انجیر اور زیتون) کی، جو کثیر المنافع اور فوائد کو جامع ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتے ہیں۔(۲) اور دو مقامات ہیں جو کثیر البرکت ہیں، جن میں ایک طور سینین ہے، جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اور دوسرا البلد الامین (شہر مکہ) ہے، جو آپ ﷺ کی جائے پیدائش، وطن اور نزول وحی کا محل ہے(۳)۔ ان چار چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ......" کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے، یعنی انسان کو مومن ہو یا کافر(۴) بہت حسین وخوبصورت بنایا، ظاہری حسن وجمال بھی ایسا دیا گیا کہ کسی دوسری مخلوق میں نہیں، باطنی حسن (عقل وفہم علم وہنر

---

(۱) من الروح: ۱۶/۳۰۔ (۲) یہ درختوں کی قسم کو جواب قسم سے مناسبت ہے۔ (از تفسیر عثمانی) اور یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ درخت کو بھی اسی طرح نشو ونما ہوتا ہے، اور پھر سوکھ کر کٹنے کے قابل ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہاں بیان ہے اشرف المخلوقات کا اس لئے قسم بھی اشرف الاشجار کی کھائی (بیان القرآن)۔ (۳) ان دونوں مقام کی قسم کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کے اجر اور نہ لانے والوں کی سزا کو بیان کرنا بھی مقصود ہے، اور ظاہر ہے جزا وسزا کا علم وحی کے ذریعہ ہوا ہے، اور یہ دونوں مقام محل وحی ہیں۔ از بیان القرآن۔ (۴) فی الروح: ۱۶/۳۱۴، اُرید بالإنسان الجنس فهو شامل للمؤمن والكافر۔

وغیرہ) بھی اس کو وہ ملا کہ کسی مخلوق کو میسر نہیں۔ پھر ہم نے اس کو پستی کی حالت والوں سے پست تر کر دیا، ”ثم“ تراخی زمان کے لئے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انسان کے بوڑھا ہونے پر اس کی خوبصورتی کو بدصورتی سے اور اس کی قوت کو ضعف وکمزوری سے بدل کر اس کو پست سے پست تر یعنی برا سے برا کر دیا۔ مقصود اس سے کمال قبح کو بیان کرنا ہے، اور انسان کی مذکورہ دو حالتوں کو ذکر کرنے سے مقصود (بعث دوبارہ زندہ ہونے) پر استدلال کرنا ہے، جیسا کہ ”فَمَا يُكَذِّبُكَ“ کی تفریع اس کا قرینہ ہے یعنی جو خدا انسان کو حسین سے حسین تر بنا کر اس کو قبیح سے قبیح تر بنا دیتا ہے، یقیناً وہ اس کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے، جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ (ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ) میں گرچہ دنیا میں بڑھاپے کی حالت میں اس کے پست تر اور قبیح ہونے کو بیان کیا گیا ہے، لیکن چونکہ الفاظ مطلق ہیں، (دنیا وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے) اس لیے الفاظ کے اطلاق سے بوڑھوں کے آخرت میں بھی رذالت وگھٹیا ہونے کا وہم ہوتا ہے، مذکورہ بالا آیات میں اسی وہم کو دور کیا گیا ہے، کہ ایمان اور اعمال صالحہ والے لوگوں کی آخرت میں بڑی اچھی حالت ہوگی کیونکہ ان کو ایسا اجر وثواب ملے گا جو کبھی منقطع وموقوف نہیں ہوگا۔ پھر کونسی چیز اس کے بعد تجھ کو بدلہ کے سلسلہ میں منکر بنا رہی ہے، یہ ”خلقنا“ اور ”رددنا“ پر تفریع ہے، اور خطاب منکر انسان کو ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب بدلہ کے دن یعنی قیامت کے امکان پر دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک دلیل اوپر آچکی ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ احوال کے بدلنے پر قادر ہے، جس سے بآسانی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت (دوبارہ زندہ کرنے) پر قادر ہے، ایسے دلائل کے بعد بھی اے منکر انسان! کیا تیرے لئے قیامت کے انکار کی گنجائش ہے، آخر تیرے پاس وہ کونسی دلیل ہے جو تجھے انکار پر آمادہ کر رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔ یعنی قیامت کے انکار کا مطلب تو یہ ہوا کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کر لیا جائے، جس پر نہ کسی کی حکومت ہو، نہ یہاں کوئی قانون وآئین جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت ہو۔ ظاہر ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمین ہونے کا انکار نہیں ہے، دنیاوی تصرفات ہوں جیسے تخلیق انسانی اور پھر بڑھاپے میں اس پر مرتب ہونے والے تغیرات، یا اخروی تصرفات ہوں، مثلاً قیامت اور جزا وسزا کے معاملات، سب جگہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں، تو لامحالہ وہ اچھے برے پر سزا دیں گے اور سزا دنیا میں یا تو ملتی ہی نہیں، چنانچہ بہت سے مجرم وپاپی یہاں بڑی اچھی زندگی گزارتے ہیں، یا پوری نہیں ملتی لہٰذا کوئی دن ایسا ضرور ہونا چاہئے جہاں اچھوں کو جزا اور بروں کو سزا ملے، یہی دن قیامت کا ہے۔ حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص سورہ ”تین“ پڑھے اور اس آیت (أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ) پر پہونچے تو اس کو چاہئے کہ یہ کلمہ کہے ”بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ“(۱) اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے(۲)۔

---

(۱) اخرجہ الترمذی وابوداؤد وابن مردویہ (روح المعانی: ۱۶/۳۱۸)

(۲) معارف القرآن: ۸/۷۷۷۔

اللغة: (اَلتِّیْنِ) اسم جامد، انجیر کا درخت، اور اس کا پھل دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ (اَلزَّیْتُوْن) اسم جامد، ایک مشہور درخت، اور اس کے پھل پر بھی اطلاق ہوتا ہے؛ واحد کے لئے زَیْتُوْنَۃ استعمال ہوتا ہے۔ (طُوْرِ) بقول جمہور عربی اور بقول بعض سریانی لفظ ہے: پہاڑ، کیسا بھی ہو (۱) اور بقول بعض وہ پہاڑ "طور" ہے جو درختوں اور سبزے سے ہرا بھرا ہو (۲)۔

(سِیْنِیْنَ) وہ مقام جس میں مذکورہ پہاڑ واقع ہے، اسم جامد اور واحد ہے لیکن اس کا اعراب جمع مذکر سالم کی طرح ہے، یعنی حالت رفعی میں "واؤ" کے ساتھ (سِیْنُوْنَ) اور حالت نصبی اور جری میں "یا" کے ساتھ (سِیْنِیْنَ)

طور سینین کی مراد: "طور سینین" (جس کو "طور سیناء" بھی کہا جاتا ہے) سے مراد وہ پہاڑ ہے، جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اور اسی پہاڑ پر ان کو الواح توریت کا نسخہ ملا، اور اسی پر ان کو تجلی خداوندی سے سرفراز کیا گیا۔ (الْاَمِیْنِ) امن والا، امانت والا، "فعیل" بمعنی صفت مشبہ کا صیغہ، اَمُنَ الرَّجُلُ اَمَانَۃً: امانت والا ہونا، (ک) سے (روح المعانی) اور المعجم الوسیط کے مطابق اَمِنَ (س) اَمْناً وَاَمَاناً وَاَمَانَۃً بمعنی بے خوف ہونا، سے بھی امین کا صیغہ آتا ہے، مزید دیکھئے لغات القرآن وصرف۔ (اَحْسَنِ) بہت خوبصورت، بہت اچھا، اسم تفضیل واحد مذکر، حَسُنَ الرَّجُلُ (ک) حُسْناً: خوبصورت ہونا، اچھا ہونا، سے۔ (تقویم) درست کرنا، برابر کرنا، مصدر باب تفعیل کا، اور "احسن تقویم" اچھی طرح درست کرنے اور برابر کرنے سے مراد، اس کو خوب سے خوب تر بنانا ہے، ظاہری شکل وصورت کو بھی (جس میں اعضاء کا مناسب مقدار میں بنانا اور مناسب جگہ رکھنا بھی داخل ہے) اور باطن کو بھی کہ اس میں باطنی خوبیوں اور صلاحیتوں کو پیدا کیا، اور چونکہ کسی چیز کو کسی خاص شکل وصورت میں بنانے کی تعبیر "سانچے میں ڈھالنے" سے کی جاتی ہے، اس لئے حضرت تھانویؒ نے "لقد خلقنا الانسان الخ" کا ترجمہ کیا ہے: "ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے"۔ (رَدَدْنَا) ہم نے کر دیا، ہم نے لوٹا دیا، صیغہ جمع متکلم، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، "نصر" سے۔ رَدَّ (ن) رَدًّا: لوٹانا، ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل دینا، اور بمعنی "جعل" (کر دینا) بھی آتا ہے، اس وقت متعدی بدو مفعول ہوگا، قال الشاعر:۔

فَرَدَّ شُعُوْرَ ھُنَّ السُّوْدَ بِیْضًا ❁ وَرَدَّ وُجُوْھَھُنَّ الْبِیْضَ سُوْدًا

اس نے ان کے کالے بالوں کو سفید، اور ان کے گورے چہروں کو کالا کر دیا۔

یہاں "رددنا" بمعنی جعلنا، بھی ہو سکتا ہے، اور بمعنی تغیر حالت (حالت بدلنا) بھی ہو سکتا ہے۔ (۳) (اسفل) پست تر، اسم تفضیل واحد مذکر، (سافلین) پستی والے، نیچے درجہ کے لوگ، سَفَلَ (ن) سُفُوْلاً، سَفَالاً وَسُفَالَۃً (ضد "علا") نیچا ہونا، اسم فاعل جمع مذکر سالم۔ (غیر ممنون) سورہ "انشقاق" کے آخر میں گزر گیا، (مَایُکَذِّبُ) کونسی چیز منکر بنا رہی ہے، تکذیب پر آمادہ کر رہی ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، "تکذیب" مصدر جس کے دو معنی ہیں:۔

---

(۱) روح المعانی: ۱۵/۳۱ (طور)۔ (۲) لغات القرآن: ۴/۱۰۳۔ (۳) روح المعانی: ۱۶/۳۱۵۔

(۱) النسبة إلى الكذب، کسی کی جھوٹ کی طرف نسبت کرنا، یعنی جھٹلانا، جھوٹا بتلانا، جیسے "تفسیق" "کسی کو فاسق کہنا، ارشاد باری: "و کذبوا بآیاتنا کذابا" اور بہت سے مقامات پر یہی معنی مراد ہے۔ (۲) جھوٹ پر آمادہ کرنا، ابھارنا، جس کی تعبیر "جھوٹا بتانا" سے کی جاتی ہے، اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اور "فما یکذبک" کا مفہوم یہ ہے کہ بعث بعد الموت پر مذکورہ واضح ترین دلیل کے ہوتے ہوئے کونسی چیز تجھ کو جھوٹا بنارہی ہے، کہ اس کی تکذیب کر رہا ہے، کیونکہ حق کی تکذیب کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے۔ (۱) حضرت تھانوی کا ترجمہ "منکر بنارہی ہے" مرادی ترجمہ ہے۔ (أحکم) سب سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا اسم تفضیل واحد مذکر، (حاکمین) فیصلہ کرنے والے، "حاکم" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری، حکم بالامر (ن) حکماً: فیصلہ کرنا۔

ترکیب: (وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ، وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ) "واؤ" حرف جر برائے قسم، "التین" مجرور، جار مجرور سے مل کر اقسم فعل محذوف کے متعلق، اور جملہ: (اقسم ......) ابتدائیہ، "والزیتون، وطور سینین" دونوں التین پر معطوف، (وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ) (هذا) معطوف التین پر، (البلد) بدل هذا سے، یا عطف بیان یا صفت، "الامین" صفت البلد کی۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ) "لام" برائے جواب قسم، "قد" حرف تحقیق، "خلقنا" فعل با فاعل، "الانسان" مفعول بہ، "فی احسن تقویم" کائناً محذوف کے متعلق ہو کر حال الانسان سے، اور جملہ: "خلقنا......" جواب قسم، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (ثم رددناه) معطوف جواب قسم (خلقنا) پر، "ها" ضمیر مفعول بہ، (اسفل سافلین)، اگر "رددنا" "صیّرنا" کے معنی میں ہے تو مفعول بہ ثانی اور اگر غیّرنا کے معنی میں ہے تو حال ہوگا۔ "ها" ضمیر سے۔ (اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) (الا) برائے استثناء، اور استثناء اس مضمون سے ہے جو ماقبل کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ أی: رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ فَكَانَ ذَمِیْماً قَبِیْحاً مِنْ كُلِّ وَجْهٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ (۲) "فکان ذمیما الخ" والا مضمون ماقبل کے کلام سے مفہوم ہوا ہے، ای "کان" کی ضمیر سے الذین آمنوا وعملوا الصالحات، مستثنیٰ متصل ہے۔ (فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ) "فا" استئنافیہ، "لهم" خبر مقدم، "اجر" مبتدا مؤخر، "غیر ممنون" صفت اور جملہ: "لهم اجر......" مستانفہ بیانیہ۔ (فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ) "فا" فصیحہ، ای: إن عملت ایها الإنسان هذا فما یكذبك" یا استئنافیہ، "ما" بمعنی" ای شیئ "مبتدا، "یكذبك" محلاً مرفوع، خبر (بعد) اسم ظرف مبنی علی الضم، محلاً منصوب مفعول فیہ "یکذب" کا، "بالدین" متعلق، یکذبك کے، اور جملہ: "ما یکذبك" "فا" کے فصیحہ ہونے کی صورت میں محلاً مجزوم شرط جازم کا جواب ہونے کی وجہ سے، اور "فا" کے استئنافیہ ہونے کی صورت میں مستانفہ (اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ) ہمزہ برائے استفہام انکاری یا برائے تقریر (والأول اولیٰ کما مر تفصیله تحت قوله تعالیٰ: "الم نجعل الارض مهادا") "لیس" فعل ناقص، لفظ جلالہ (اللہ) اسم، باجارہ زائدہ (احکم الحاکمین) لفظاً

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/ ۳۷۶۔ (۲) حاشیہ بیان القرآن، اور بھی ترکیب ممکن ہے۔

مجرور محلاً منصوب، خبر اور جملہ: "الیس اللہ....." مستانفہ(١)۔

(٩٦) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (١)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ (اے پیغمبر) آپ (قرآن) اپنا رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

ربط: سورہ "الم نشرح" کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سورہ ضحیٰ سے آخر تک بائیس سورتوں میں حضور ﷺ پر انعامات واحسانات اور آپ کی عظمت شان سے متعلق مضامین کا زیادہ تر ذکر ہے، چنانچہ سورہ انشراح میں آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے تین انعامات کو بیان فرمایا، اور اس کے بعد سورہ "تین" کو لایا گیا، جس کی ماقبل سے مناسبت بیان کی جا چکی ہے۔ آپ پر کئے گئے انعامات میں سے حضور ﷺ کو نبوت کا دیا جانا بھی ہے، اس سورت میں اسی کا تذکرہ ہے۔

وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی: صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورہ "علق" سے ہوئی ہے، اور اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں (اقرا سے مالم یعلم تک) سب سے پہلے نازل ہوئیں۔(٢) حدیث "شیخین" میں اس کا قصہ اس طرح ہے کہ عطاء نبوت کے قریب زمانہ میں آپ کو ازخود خلوت(٣) پسند ہوگئی، چنانچہ آپ غار "حراء" میں تشریف لے جا کر کئی کئی شب رہتے۔ ایک روز اچانک جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور آپ سے کہا: "اقرا" یعنی پڑھیے!، آپؐ نے فرمایا: "ما انا بقارئ" یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں، انہوں نے آپ کو زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا پھر کہا: "اقرا" آپؐ نے پھر وہی جواب دیا، اسی طرح تین بار کیا، پھر آخر میں چھوڑ کر کہا: "اقرا إلی مالم یعلم"(٤)۔

تفسیر: (اقرا باسم ربك......) اقرا کا مفعول بہ (القرآن) محذوف ہے،(٥) اور باسم ربك کی "با" ملابست کے لئے ہے۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اے پیغمبر! جو قرآن آپ پر نازل ہو (جس میں مذکورہ آیات بھی داخل ہیں) اس کو اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے، اور نام لے کر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہہ کر پڑھا کیجئے، جیسا کہ

---

(١) از اعراب القرآن لمحی الدین واعراب القرآن وصرفہ: ١٥/٣٦٢۔ (٢) معارف القرآن: ٨/٧٨١۔ (٣) تنہائی میں رہنا۔

(٤) از بیان القرآن۔ **نوٹ:** وحی کی ابتدا سے متعلق مفصل روایت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ معارف القرآن وغیرہ میں بھی اس کو ذکر کیا گیا ہے، ہم نے بقدر ضرورت اس کا حصہ لیا ہے۔ (٥) روح المعانی: ١٦/٣٢١۔

دوسری آیت: "اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ" میں "اعوذ باللہ" پڑھ کر قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور مقصود دونوں سے یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ سے مدد چاہئے! اور اس پر توکل و بھروسہ کیجئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی قرأت ایک بہترین کام اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ چنانچہ فرمان نبی ﷺ ہے "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ" کہ تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور سکھلائے، اس لئے شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اس عمل سے باز رکھا جائے، اور اس میں وہ کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کردے جو قرأت حقیقی کا فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ لہٰذا ان ممنوع یا ناپسندیدہ چیزوں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے، کہ جب آپ یا کوئی بھی مومن قرأت کا ارادہ کرے تو پہلے اللہ سے مدد چاہے، اور اس پر توکل و بھروسہ کرے(۱) اور یہ واجب ہے باقی بسملہ اور استعاذہ کے الفاظ کو زبان سے پڑھ لینا مسنون ومندوب ہے۔(۲) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے لفظ رب کو اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم آپ کی مکمل تربیت کریں گے، اور نبوت کے اعلیٰ درجات پر پہونچائیں گے(۳) آگے رب کی صفت ہے کہ جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا، یعنی جس نے سب کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں قرأت پیدا نہیں کرسکتا ہے۔ اس کے بعد تخصیص بعد التعمیم(۴) کے طور پر ارشاد ہے۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، خون کے لوتھڑے (جمے ہوئے خون) میں نہ حس ہے، نہ شعور، نہ علم، اور نہ ادراک؛ وہ محض جماد لایعقل ہے۔ پھر جو خدا جماد لایعقل کو انسان عاقل بناتا ہے، کیا وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری و عالم نہیں بنا سکتا ہے؟۔ (اقْرَأْ......) پڑھئے، اس "اقرأ" ثانی سے مقصود یہ ہے کہ "اقرأ" اول میں جو "باسم ربک" کی قید لگی ہے، اس کے مقصود ہونے کا شبہ نہ کیا جائے بلکہ خود قرأت (قرآن پڑھنا) بھی فی نفسہ مقصود اور اہم ہے۔ کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ یہی قرأت ہے، اور صاحب وحی کا اصل کام تبلیغ ہی ہے، لہٰذا اس تکرار میں آپ کی نبوت اور مامور بالتبلیغ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) جس نے (لکھے پڑھے لوگوں کو خصوصاً) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً ومطلقاً) انسان کو (دوسرے ذریعوں سے) تعلیم دی۔ یہ (وربک الاکرم) کلام مستانف ہے، جس سے مقصود آپ کے اس عذر کو رفع کرنا ہے، جو آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور اس کو مذکورہ آیت میں اس طرح رفع کیا گیا، کہ اولاً تو تعلیم کتابت میں منحصر نہیں ہے، کہ لکھی ہوئی چیز کو سامنے رکھ کر ہی تعلیم دی جائے، اس لئے کہ اور ذریعوں سے بھی تعلیم دی جاتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لکھے پڑھے لوگوں کو خصوصاً قلم سے (قلم سے لکھی ہوئی تحریروں کے ذریعہ) سے تعلیم دی، اور بہت سے لوگوں کو اس کے علاوہ دیگر ذریعوں سے تعلیم دی، چنانچہ دونوں طرح کے لوگوں کا دنیا میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً اسباب مؤثر بالذات نہیں ہیں بلکہ ہمارے حکم سے اثر کرتے ہیں مسبب حقیقی اور علم دینے والے ہم ہیں لہٰذا آپ گرچہ

---

(۱) تفسیر حقانی پارہ ۱۴، رکوع: ۱۹، تحت قولہ تعالیٰ: "اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ" (۲) بیان القرآن، وروح المعانی: ۱۶/۳۲۱۔

(۳) بیان القرآن۔ (۴) عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا۔

لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں مگر ہم آپ کو قرأت اور علوم وحی کے محفوظ رکھنے پر قدرت دیدیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہاں تک آپ کی نبوت اور اس کے مقدمات ومتممات کا پورا بیان ہوگیا۔ (۱)

اللغة: (عَلَقٍ) خون کا لوتھڑا (جما ہوا خون) اسم جنس جمعی، (۲) واحد (مذکورہ خون کے ایک ٹکڑے) کے لئے ''علقة'' استعمال ہوتا ہے (۳) عَلِقَ الشَّيْءُ وَبِهٖ (س) عَلَقًا کے معنی ہے، کسی چیز سے چپکنا، چمٹنا، چونکہ یہ (خون بستہ) ہاتھ سے چپکتا ہے؛ اس لیے اس کو علقة کہتے ہیں۔ (الْاَكْرَمُ) بڑا کریم، یہاں افعل کا وزن برائے مبالغہ ہے، اسم تفضیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ كَرُمَ (ک) كَرَمًا کے حقیقی معنی ہے: إعطاء ماينبغي لا لغرض (۴) یعنی کسی کو بلا کسی غرض لائق ومناسب چیز دینا۔ ظاہر ہے اس صفت میں کوئی بھی خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ہے، اس لئے کہ خدا کے علاوہ سب کا دینا کسی غرض کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہ اخروی غرض ہی کیوں نہ ہو نیز ''ماينبغي'' مناسب دینے کی رعایت بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ممکن ہے جو چیز اس نے اسے دی ہے وہ اس کے لئے مناسب نہ ہو، لہٰذا تفضیل کے معنی یہاں درست نہیں ہے۔ (الْقَلَمَ) اسم جامد جمع اقلام، لکھنے کا آلہ۔ (عَلَّمَ) سکھلایا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق معروف، عَلَّمَ تَعْلِيْماً (تفعيل): سکھلانا، سے۔

ترکیب (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ) ''اقرا'' فعل با فاعل اور ''با'' جارہ برائے ملابست، اپنے مجرور سے مل کر متعلق اقرا کے، یا (ملتبسا) کے متعلق ہو کر حال اقرا کی ضمیر سے، ''با'' برائے استعانت بھی ہو سکتی ہے، اس وقت لفظ اسم زائد ہوگا اور جار مجرور سے مل کر اقرا کے متعلق ہوگا، یا (مستعينا) کے متعلق ہو کر حال ہوگا، (۵) اور جملہ: ''اقرا ......'' ابتدائیہ۔ (اَلَّذِيْ خَلَقَ) صفت ربك کی، (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ) بدل صلہ یعنی خلق سے (اقرا) جملہ مستانفہ برائے تاکید، (وربك الاكرم) (واؤ) استینافیہ ''ربك'' مبتدا ''الاكرم'' خبر (اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ) موصول صلہ سے مل کر خبر ثانی ربك کی اور جملہ: ''وربك ......'' مستانفہ، (عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ) ''ما'' موصولہ اپنے صلہ ''يعلم'' سے مل کر مفعول بہ علم کا، اور جملہ ''علم الانسان'' بدل جملہ: ''علم بالقلم'' سے (۶)۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ⑦ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ⑧ سچ سچ بے شک آدمی حد سے نکل جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ اے مخاطب! تیرے رب کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ⑩ اے مخاطب! بھلا اس کا حال تو بتلا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫ اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو۔ یا وہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) اس کی وضاحت سورہ قارعہ میں ''الفراش'' کے تحت آرہی ہے۔ (۳) اعراب القرآن لمحي الدين۔

(۴) روح المعانی: ۱۶/۳۲۴۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/۳۲۱۔ نوٹ: ہم نے تفسیر ''با'' کو ملابست کے لیے، ماکر کی ہے۔

(۶) از اعراب القرآن لمحي الدين، واعراب القرآن وصرفہ۔

شخص جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے
كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ڏ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ ہرگز نہیں اگر یہ شخص باز نہ آویگا۔ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝
فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ تو ہم پٹھوں کو جو کہ جھوٹے، اور خطا کار ہیں گھسیٹیں گے۔ تو وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔
سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے۔ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ ہرگز نہیں!
آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے۔

ربط: اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات میں حضور ﷺ کی نبوت اور اس کے مقدمات اور متممات کو بیان کیا گیا ہے اور صاحب نبوت کی مخالفت چونکہ حد درجہ کا گناہ اور انتہائی قبیح بات ہے، اس لئے مذکورہ بالا آیات میں جن کا نزول ابتدائی پانچ آیات سے ایک مدت کے بعد ہوا ہے، آپ کے ایک خاص مخالف ابوجہل کی عام الفاظ سے مذمت مذکور ہے۔

شان نزول: "کلا ان الانسان" سے لے کر آخر تک کی آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپ ؐ کو نماز پڑھتے دیکھا، کہنے لگا کہ میں آپ ؐ کو اس سے بارہا منع کر چکا ہوں، آپ ؐ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں میرے ساتھ بڑا مجمع ہے، اور یہ بھی کہا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو نعوذ باللہ آپ کی گردن پر پیر رکھدوں گا، چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا، مگر قریب جا کر رک گیا، اور پیچھے ہٹنے لگا، لوگوں نے وجہ پوچھی، کہنے لگا مجھ کو آگ کی ایک خندق حائل معلوم ہوئی اور اس میں پردار چیزیں نظر آئیں، آپ نے فرمایا: "وہ فرشتے تھے اگر وہ اور آگے آتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالتے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں(۱) چنانچہ ارشاد ہے:۔ (ان الانسان لیطغیٰ......) الانسان یہاں عہد خارجی کا ہے، اور مراد اس سے کافر انسان ہے، لہٰذا معنی ہوئے: یقیناً(۲) بیشک (کافر) انسان حد سے نکل جاتا ہے "حد سے نکلنے سے مراد معاصی میں بڑھ جانا، خدا کے سامنے تکبر کرنا اور نبی ﷺ کے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی سے پیش آنا اور ناجائز خواہش نفس پر چلنا ہے۔(۳)، اگلی آیت "ان رآہ استغنیٰ" میں اس سرکشی اور حد سے نکلنے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ یعنی اس کی سرکشی کی بنیاد اپنے کو مالدار سمجھنا یا دیکھنا ہے(۴) اس لئے کہ مالداری کا بالعموم خاصہ یہی ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں سرکشی (نافرمانی تکبر وغیرہ کی شکل میں) سامنے آتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے" وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ الخ "(۵) البتہ مال کے ساتھ دینداری بھی ہو تو تمرد و سرکشی سے انسان دور رہتا ہے(۶)۔ اگلی آیت "ان الی ربك الرجعیٰ" میں اسکے لئے وعید و دھمکی

---

(۱) بیان القرآن، عن الدر المنثور عن الصحاح ومثلہ فی الروح: ۳۶۸/۱۶۔ (۲) کلا بمعنی "حقا" کا ترجمہ ہے۔ (۳) کذا فی الروح: ۳۶۶/۱۶۔ (۴) رویت قلبی کی صورت میں پہلے معنی (سمجھنا) اور رویت بصری کی صورت میں دوسرے معنی (دیکھنا) ہوں گے (۵) شوریٰ رکوع ۳، ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں (بالعموم) شرارت کرنے لگتے، لیکن جتنا چاہتا ہے اندازے سے اتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا (اور ان کا حال) دیکھنے والا ہے۔ (۶) روح: ۳۶۷/۱۶۔

ہے "کہ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے" اس وقت اس طغیان و سرکشی کا پتہ چل جائیگا۔ "الی ربک" میں خطاب عام مخاطب کو بھی ہو سکتا ہے، کما اختارہ "التھانوی" اور حضور ﷺ کو بھی۔ مقصود دونوں صورتوں میں شخص مذکور کو وعید سناتا ہے(۱) (ارایت الذی ینھیٰ......) اے مخاطب! بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک خاص بندہ کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہے، اس آیت میں شخص مذکور کی بعض سرکشی کا بیان ہے۔ اور استفہام سے مقصود اس کی سرکشی پر تعجب (تعجب دلانا) ہے، یعنی اس شخص کا حال دیکھ کر بتلاؤ کہ اس سے زیادہ عجب اور بری بات بھی کوئی ہو سکتی ہے، کہ سرکشی اور تمرد میں اتنا بڑھ گیا ہے، کہ خود تو خدا کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی، اور اس کے بندہ خاص (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھتے اور اپنے خدا کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں، تو اس کا پارہ گرم ہو جاتا ہے؛ اور ان کو اس عمل سے روکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اس کا نماز سے روکنا انتہائی قبیح اور نہایت قابل تعجب عمل ہے۔ اگلی آیت میں بھی اسی تعجب کی تاکید وتقویت کے لئے مکرر ارشاد ہے: اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ (جس کو نماز سے روکا جارہا ہے) ہدایت پر ہو، یعنی خود صراط مستقیم پر قائم ہونے کے کمال کے ساتھ متصف ہو، جو کمال لازمی ہے۔ یا وہ تقویٰ کی تعلیم بھی دیتا ہو، یہ متعدی کمال ہے، یعنی دوسروں کی نفع رسانی ہے، یعنی جس شخص میں ان دونوں کمالوں میں سے کوئی ایک کمال بھی پایا جائے، اس کو نماز سے روکنا نہایت قابل تعجب ہے، چہ جائے کہ وہ دونوں کمالوں کے ساتھ متصف ہو، جیسا کہ حضور ﷺ میں دونوں کمال علی وجہ الاتم پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو نماز سے روکنے سے زیادہ قابل تعجب کوئی چیز نہیں ہو سکتی ہے۔

اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ (روکنے والا شخص دین حق کو) جھٹلاتا ہو اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہو۔ یعنی خود تو نہ صحیح عقیدہ رکھتا ہے اور نہ عمل کرتا ہے، اور جو صحیح العقیدہ اور عمل صالح کے ساتھ متصف ہے، اس کو روکنے چلا ہے، اس سے زیادہ قابل تعجب بات کیا ہوگی۔ "ارایت الذی ینھیٰ" سے یہاں تک کی آیات کا حاصل یہ ہوا کہ اول تو یہ دیکھو! کہ نماز سے روکنا کتنا برا ہے، پھر بالخصوص یہ دیکھو کہ جس کو روکا جارہا ہے، وہ ہدایت کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور روکنے والا انتہائی بدعقیدہ بد عمل اور بدکردار ہے۔ اگلی آیت میں اس شخص کے لئے وعید ہے: کیا اس شخص کو خبر نہیں کہ اللہ (اس کی سرکشی اور اس سے پیدا ہونے والے اعمال مثلاً اس کا نماز سے منع کرنے کو) دیکھ رہا ہے، وقت آنے پر اس کی سزا دیگا، آگے اس منع کرنے پر زجر ہے: (كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ......) (اس کو) ہرگز (ایسا) نہیں کرنا چاہئے، (اور) اگر یہ شخص (اپنی حرکت سے) باز نہ آویگا، تو ہم (اس کو) پٹھے پکڑ کر جو کہ جھوٹے اور خطا کار ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے "ناصیہ" سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے، جس کو اردو میں "پٹھے" کہا جاتا ہے، یہ کسی کے ہاتھ میں آجائیں تو وہ اس کے سامنے مجبور و مقہور ہو جاتا ہے، جھوٹا اور خطا کار چونکہ کل (صاحبِ ناصیہ) ہوتا ہے، لہٰذا جز (ناصیہ) کی طرف جھوٹ اور خطا کی نسبت مجازی ہے، اور یہاں جزء (ناصیہ) کی طرف یہ نسبت مبالغہ کے پیش نظر کی گئی ہے، کیونکہ اس سے شخصِ مذکور کا جھوٹا اور خطا کار ہونا

---

(۱) صاحب روح کے بقول ثانی احتمال اظہر ہے، چونکہ اس سے پہلے سارے مخاطب کے صیغے حضور ﷺ کے لئے ہیں (۱۶/۳۶۷)

بدرجہ اولیٰ معلوم ہو رہا ہے، اس لیے کہ جب اس کے پٹھے جھوٹے اور خطا کار ہیں تو وہ بدرجہ اولیٰ ایسا ہوگا، نیز یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ اس کے زیادہ جھوٹا اور خطا کار ہونے کی وجہ سے گویا اس کا ہر جزء جھوٹ بولتا اور خطا کرتا ہے۔ (۱) (فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ) شان نزول کے تحت اوپر یہ بات آچکی ہے، کہ ابو جہل کے نماز سے روکنے پر جب حضور ﷺ نے اس کو جھڑک دیا، تو اس نے آپؐ کو دھمکی دی کہ "مکہ میں میرے ساتھ بڑا مجمع اور جتھا ہے" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے اُس کی اس دھمکی اور گھمنڈ کا اس طرح جواب دیا ہے، کہ اگر اس کو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے، اور پیغمبر ﷺ کو دھمکاتا ہے، تو یہ اپنے اہل مجلس (جماعت اور فوج) کو بلالے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو (یعنی دوزخ پر مقرر فرشتوں کو اس کی گوشمالی کے لئے) بلالیں گے، اس وقت سارا گھمنڈ اور غرور خاک میں مل جائے گا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو بلانا اس کے بلانے کے ساتھ مشروط تھا اور اس نے بلایا نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی فرشتوں کو نہیں بلایا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر وہ ملعون ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کردیتے" آگے مزید زجر کے لئے اس کو تنبیہ ہے۔ (كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ) (اس کو) ہرگز (ایسا یعنی نماز سے روکنا) نہیں (چاہئے مگر) آپ اس کا کہنا نہ مانئے یعنی اس کی حرکتوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے، اور برابر اس کی مخالفت پر رہئے، اور نماز پڑھتے رہئے (۲) اور اپنے ظاہری معنی یعنی "سجدہ کرتے رہئے" پر بھی محمول ہو سکتا ہے۔ اور یہ دونوں کام چونکہ آپؐ پہلے سے کر رہے ہیں لہٰذ "اسجد" سے مقصود اس پر دوام وہمیشگی کو اختیار کرنا ہے۔ (۳) (اور مذکورہ عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا) قرب حاصل کرتے رہئے۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دشمنوں سے حفاظت فرمائیں گے۔ اس لئے کہ اس عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

"مسلم شریف" وغیرہ میں حضرت "ابو ہریرہ" رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: "أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ" یعنی بندہ اپنے رب کے سب سے نزدیک تر سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا اس میں خوب دعا کیا کرو (۴)۔

اللغۃ: (كلا) تفصیل سورہ "نبا" کے شروع میں گزر چکی ہے، یہاں بمعنی "حقاً" ہے، جس کا اردو ترجمہ "سچ مچ" سے کیا گیا ہے۔ (الانسان) سورہ "عصر" میں تفصیل آرہی ہے۔ (ليطغى) دیکھئے سورہ "نبا" میں "الطاغين"۔ (استغنى) غنی (مالدار) ہوگیا، بے نیاز ہوگیا، یعنی کسی کا محتاج نہیں رہا، دونوں معنی ہو سکتے ہیں، (كمافي الروح) اور ہم نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب استفعال سے، اِسْتَغْنٰى يَسْتَغْنِيْ اِسْتِغْنَاءً: مالدار ہونا، بے پرواہ ہونا۔ (الرُّجْعٰى) لوٹنا، واپس ہونا، مصدر۔ رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا و رُجْعٰى: واپس ہونا۔ (أرأيت)

---

(۱) من الروح: ۱۶/ ۳۳۵۔ (۲) سجود بول کر جو نماز کا جزء ہے، کل (نماز) مراد ہے۔ (۳) روح المعانی: ۱۶/ ۶۔

(۴) روح المعانی: ۱۶/ ۳۲۷۔

بتائے "اَرَأَیْتَ" "مجازاً" "اخبرنی" کے معنی میں ہے، اور اس میں دو مجاز ہیں، ایک تو رویت کو خواہ قلبی ہو کما ھو عند الجمھور، یا بصری ہو کماھو عند البعض (۱) بمعنی اخبار لیا گیا ہے، اور علاقہ معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان سببیت اور مسببیت کا بھی ہے، اور لزوم کا بھی۔ اول تو اس لئے کہ رویت خواہ قلبی ہو (جاننا) یا بصری ہو (دیکھنا) اخبار کا سبب ہے، اور اخبار مسبب ہے۔ ثانی اس لئے کہ اخبار کے لئے علم لازم ہے، لیکن یہ علاقہ صرف رویت قلبی مراد لینے کی صورت میں ہوگا۔ لہذا سبب (رویت) بولکر مسبب (اخبار) یا لازم بولکر ملزوم (اعبار) مراد ہے، اور دوسرا مجاز یہ ہے، کہ استفہام امر کے معنی میں ہے، اس طرح "ارایت" "اخبرنی کے معنی میں ہوا۔ جمہور کے نزدیک جو رویت سے رویت قلبی مراد لیتے ہیں "ارایت" بمعنی "اخبرنی متعدی بدو مفعول ہے؛ اوران لوگوں کے نزدیک جو رویت سے رویت بصری مراد لیتے ہیں۔ "ارایت" بمعنی اخبرنی متعدی بیک مفعول ہے۔ (۲) (عبداً) بندہ، جمع: عِبَادٌ وَاَعْبُدٌ۔ (صلیٰ) گزر گیا سورہ "اعلیٰ" میں۔ (اَمَرَ) حکم کرے، گذر گیا سورہ "عبس" میں۔ (لم ینتہِ) باز نہیں آیا، صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع معروف نفی جحد بلم، اِنْتَھٰی، اِنْتِھَاءٌ (افتعال): باز رہنا، سے۔ (لَنَسْفَعاً) ضرور گھسیٹیں گے، صیغہ جمع متکلم، بحث لام تاکید بانون تاکید خفیفہ در فعل مستقبل معروف سَفَعَ (ف) سَفْعاً: سختی کے ساتھ کھینچنا (گھسیٹنا) سے۔ نون خفیفہ پر وقف چونکہ الف کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں حالت وصل میں بھی اس کو "الف" کے ساتھ لکھا گیا ہے (۳) (النَّاصِیَۃ) اسم جامد، سر کے اگلے حصے کے بال، اردو میں ان کو پٹھے کہا جاتا ہے، بالوں کی جگہ (پیشانی) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جمع نواصی۔ (کاذبۃ) جھوٹی، اسم فاعل، واحد مؤنث، کذبَ (ض) کذبا: جھوٹ بولنا، سے۔ (خَاطِئَۃ) خطا کار، جس کی تعبیر حضرت "تھانوی" نے "خطا میں آلودہ" سے کی ہے، خَطِئَ یَخطأُ خِطْئًا وَخَطَأً (س) گناہ کرنا، یا جان کر گناہ کرنا۔ (۴) (نادی) اسم جامد، وہ مجلس، جس میں لوگ بات کرنے کے لئے جمع ہوں، نادی اسی مجلس کو کہا جاتا ہے، جس میں اہل مجلس جمع ہوں، اگر وہ اس سے اٹھکر چلے جائیں تو اس کو "نادی" نہیں کہا جاتا ہے، جمع اَنْدِیَۃ، نادی سے پہلے مضاف پوشیدہ ہے "أی: فَلْیَدْعُ أَھْلَ نَادِیَۃ" یا محل (جگہ) بول کر حال (اس میں موجود) لوگ مراد ہیں، یا اس کی طرف بلانے کی اسناد مجازی ہے۔ من الروح: ۱۶/ ۳۳۶۔ (سَنَدْعُ) ہم بلائیں گے، بحث فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم، بحالت رفعی، عامل ناصب وجازم سے خالی ہونے کی وجہ سے، اور یہاں "واؤ" کا حذف رسم الخط میں تلفظ کی اتباع میں ہوا ہے، اس لئے کہ تلفظ میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے "واؤ" حذف ہوا ہے۔ دَعَاہُ (ن) دُعَاءً و دَعْوَۃً: بلانا۔ (اَلزَّبَانِیَۃ) اسم جامد، سیاست کے پیادے (۵) یعنی سپاہی۔ یہاں مراد دوزخ کے فرشتے ہیں، ابوعبیدہ کے بقول اس کا واحد زِبْنِیَۃٌ ہے، اور "کسائی" نے اس کا واحد زِبْنِیٌّ بتلایا ہے، جو

---

(۱) ھذا الذی اختارہ "الرضی" رضی شرح کافیہ: ۴/ ۱۶۲۔ (۲) من الروح: ۹/ ۱۵۸، تحت قولہ تعالیٰ: "ارایتک ھذا الذی کرمت علیّ" (پارہ ۱۵، ع: ۷) ورضی: ۴/ ۱۶۲۔ (۳) اعراب القرآن لمحی الدین: ۸/ ۳۶۶، والروح: ۱۶/ ۳۳۵۔ (۴) المعجم الوسیط (۵) سیاست بمعنی سزا، سیاست کے پیادے یعنی مجرموں کو سزا دینے والی پیدل فوج جس کو پولس اور سپاہی کہا جاتا ہے۔

"زبنٌ" بفتح الزاء، بمعنی دفع کرنا، کی طرف منسوب ہے۔ نسبت کے وقت "زا" کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، "زِبنیٌ" ہوگیا، "إنسيٌّ" کی طرح، اس وقت جمع کی اصل "زَبَانِيٌّ" ("دو" "یا") کے ساتھ ہوگی، ایک "یا" کو تخفیفاً حذف کرکے اس کے عوض میں "تا" لائی گئی، "زبانية" ہوگیا، اور عذاب کے فرشتوں کو زبانية اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ جہنمیوں کو دوزخ کی طرف دھکادیں گے۔[1] (اِقْتَرِبْ) قرب حاصل کیجئے، صیغہ واحد مذکر، امر حاضر معروف، اِقْتِرَابٌ (افتعال): نزدیک ہونا، سے۔

ترکیب: (كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ......) "کلا" بمعنی حقاً حرف، "ان الانسان" "ان" اور اس کا اسم، لام مزحلقہ اور "یطغی" خبر انّ کی (ان راٰه) ان موصول حرفی (مصدریہ) راٰی فعل فاعل "ها" ضمیر منصوب متصل مفعول اول راٰی کا، اور جملہ "استغنی" مفعول ثانی، اور جملہ "راٰه" ان موصول حرفی کا صلہ، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، "ان" مصدریہ اپنے صلہ سے مل کر مفعول لہ لیطغی کا، اور جملہ: "ان الانسان......" مستانفہ۔ (إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ) "الی ربك" ثابتة کے متعلق ہوکر خبر مقدم اور "الرجعی" اسم مؤخر اور جملہ "ان الیٰ ربك" مستانفہ۔ (أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ) ارایت بمعنی اخبرنی "الذی" مفعول بہ اول اور جملہ: "ینهی" صلہ اور مفعول ثانی (مَاهُوَ اَعْجَبُ مِنْهُ) محذوف، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، "اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى مَاهُوَ أَعْجَبُ مِنْهُ"[2] اور قرینہ اس مفعول بہ کا لفظ "ارایت" ہے، اس لئے کہ یہ تعجب کا فائدہ دے رہا ہے، اور یہی (جملہ ماهو اعجب منه) مفعول ثانی مقدر مانا جائے گا، ارایت ثانی کا (جو ارایت ان کان علی الهدیٰ میں ہے) اور ارایت ثالث کا (جو ارایت ان کذب میں ہے) اور یہی جواب ہے دونوں شرطوں (ان کان علی الهدیٰ اور ان کذب) کا، اور مفعول اول ارایت ثانی اور ارایت ثالث کا محذوف ہے جس پر قرینہ دلالت کررہا ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "اَرَاَيْتَ نَهْيَهُ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى مَاهُوَ اَعْجَبُ مِنْهُ" ارایت ثالث میں بھی اسی طرح تقدیری عبارت نکالی جائے گی، (نهيه) مفعول بہ اول اور جملہ: "ماهو اعجب منه" مفعول بہ ثانی (اذا صلیٰ) اذا ظرف ینهی کا، اور جملہ "صلیٰ" محلاً مجرور مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى) "بان الله" متعلق لم یعلم کے، "یری" خبر انّ کی، اور جملہ: "الم یعلم......" مستانفہ۔ (كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا) "کلا" حرف ردع، "لا" مؤطئه للقسم (جو قسم محذوف پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، والله لئن لم ینته) "ان" حرف شرط "لم ینته" فعل فاعل سے مل کر شرط، لام برائے جواب قسم اور جملہ: "نسفعا......" جواب قسم اور شرط (ان لم ینته) کا جواب اسی کے مانند محذوف ہے۔ :أَيْ إِنْ لَمْ يَنْتَهِ فَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ" (ناصية) بدل الناصية سے، اور "کاذبة خاطئة" دونوں صفت ناصیة کی۔ (فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ) "فا" فصیحہ (یعنی شرط مقدر کے جواب میں) تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: اِنْ

---

(۱) من الروح: ۱۶/۳۳۶۔ (۲) حاشیہ بیان القرآن۔

اِسْتَمَرَّ عَلَى التَّهْدِيْدِ یا "اِنْ أَصَرَّ عَلَى الْمُعَانَدَةِ"(۳)" "لام" لام امر "یدع نادیه" جواب شرط مقدر کا۔ (سندع الزبانیة) "سین" برائے استقبال، اور جملہ: "ندع الزبانیة" مستانفہ، (کَلَّا لَا تُطِعْهُ) "کلا" حرف ردع، "لا" برائے نہی جازمہ اور جملہ: "**لاتطعه**" مستانفہ، (وَاسْجُدْ) جملہ مستانفہ پر معطوف (وَاقْتَرِبْ) جملہ مستانفہ پر معطوف۔

بعض محل اعراب اور غیر محل اعراب والے جملوں کی وضاحت: جملہ: "ارایت الذی" مستانفہ، جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور جملہ: "ارایت" ثانی (جو نہی کے حال کو بیان کر رہا ہے) اور جملہ: "ارایت" ثالث (جو ناہی کے حال کو بیان کر رہا ہے) ان دونوں کا مجموعہ پہلے ارایت کی تاکید۔

اور جملہ: "ان کان علی الهدیٰ" اسی طرح دوسرا جملہ (شرط و جواب کا مجموعہ) معترضہ۔

اور جملہ: "ان لم ینته" مستانفہ اور جملہ: "لنسفعا" "قسم (محذوف) کا جواب جس کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ اور جملہ: "فلیدع" محلاً مجزوم شرط مقدر کا جواب ہونے کی وجہ سے۔

نوٹ: "کلا" بمعنی حقًا ہے، حضرت "تھانویؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، یہاں تفسیر بھی اسی کے مطابق ہے لہذا ہم نے ترکیب میں اسی کو اختیار کیا ہے، بعض حضرات نے دیگر معنی میں لیا ہے، اسی طرح ارایت کے مفعولوں اور شرط اول "ان کان علی الهدیٰ" اور شرط ثانی "ان کذب" کے جواب کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کے تحریر کردہ حاشیہ پر اعتماد کیا ہے، اور یہی آسان ہے، باقی ان کی ترکیبوں کے سلسلہ میں بڑا طویل کلام ہے، تفصیل درکار ہو، تو روح المعانی کی مراجعت کریں۔

چند مفید باتیں: (۱) لام موطئه: وہ لام غیر عاملہ ہے جو ادات شرط پر اس لئے داخل ہوتا ہے، تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ آنیوالا جواب قسم کا ہے، نہ کہ شرط کا، مثلاً: اس سورت میں مذکور فرمان باری: "لئن لم ینته لنسفعا" میں نسفعًا قسم محذوف کا جواب ہوگا، اور شرط کا جواب اسی کے مانند محذوف ہوگا۔ اور مُوَطِّئَه وَطَّأَ تَوْطِئَةً: بمعنی تیار کرنا، سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، چونکہ یہ جواب کو قسم کے لئے تیار کرتا ہے، اس لئے اس کو لام مُوَطِّئه کہتے ہیں۔ اس کو "لام مؤذنہ" بھی کہتے ہیں، جو آذن بمعنی اطلاع دینا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، کیونکہ یہ جواب کے قسم محذوف کے لئے ہونے کی اطلاع دیتا ہے، اس لیے اس کو لام مؤذنہ کہتے ہیں (۲)۔

(۲) جب شرط اور قسم دونوں جمع ہو جائیں اور قسم شرط پر مقدم ہو تو جواب قسم کا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ مقدم ہے، اور شرط کا جواب اسی کے مانند محذوف ہوتا ہے (۳) جیسا کہ "کلا لئن لم ینته" میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

❁ ❁ ❁

---

(۳) یعنی اگر وہ دھمکی دینے پر قائم ہے، یا اس کو عناد و دشمنی پر اصرار ہے۔

(۱) مغنی اللبیب ۱/۲۲۵۔ (۲) کافیہ ص: ۱۲۳۔

(۹۷) سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں۔ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ وہ سراپا سلام ہے، وہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔

ربط: پہلی سورت میں قرآن کریم کے پڑھنے کا حکم ہے اور اس سورت میں اس کی حقانیت اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے، لہٰذا یہ سورت ماقبل میں قرآن کریم پڑھنے کی تعلیل (علت بیان کرنا) کے درجہ میں ہے، یعنی آپ! قرآن کریم پڑھیے! اس لئے کہ وہ ایک برحق اور عظیم الشان کتاب ہے (۱)۔

شان نزول: "ابن ابی حاتم" نے "مجاہد" سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "بنی اسرائیل" کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا، جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل جہاد میں مشغول رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سنکر تعجب ہوا، اس پر سورۃ "قدر" نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر قرار دیا ہے، بعض نے دوسرے واقعہ کو شان نزول قرار دیا ہے، لیکن دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، ممکن ہے دونوں واقعے پیش آئے ہوں، کسی نے نزول کی نسبت ایک واقعہ کی طرف کی اور کسی نے دوسرے کی طرف۔ مذکورہ واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے (۲)۔

تفسیر (انا انزلناہ......) بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے، "ھا" ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے، بغیر مرجع کے غائب کی ضمیر لانے میں قرآن کریم کی تعظیم ہے، اس طرح کہ قرآن کریم اپنی علوشان اور مرتبہ کی عظمت کی وجہ سے ایسی چیز ہے کہ ذہن ودماغ سے غائب نہیں ہوتا ہے، چنانچہ بلند وبالا شخصیات اور عظیم اشیاء کا یہی حال ہوتا ہے، کہ وہ ذہن سے غائب نہیں ہوتی ہیں۔ اور قرآن کریم کو شب قدر میں اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کے "بیت عزت" نامی مقام پر پورے قرآن کریم کو اسی رات میں اتارا گیا ہے، اور پھر وہاں سے حضور ﷺ پر تھوڑا تھوڑا اتارا گیا جس کی تکمیل تیئس ۲۳ برس میں ہوئی۔ اور "انا انزلناہ" سے مذکورہ مفہوم کے علاوہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن کریم کتاب برحق ہے، اس لئے کہ یہ ہماری اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اور چونکہ انزال کے لئے ایک بابرکت رات کو اختیار کیا گیا ہے، لہٰذا یہ کتاب نہایت عظیم المرتبت بھی ہے۔

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۳۳۹۔ (۲) من الروح: ۱۶/۳۳۵، والمظہری: ۱۰/۳۱۰۔

قدر کے معنی: قدر کے ایک معنی عظمت وشرف کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے" رجل له قدر عند فلان" کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جس کی فلاں کے یہاں قدر ومنزلت ہے، اس رات کی عظمت اور شرف کی وجہ سے اس رات کو" ليلة القدر "قدر (عظمت) کی رات کہا گیا ہے(۱)۔

شب قدر کی تعیین: شب قدر کے بارے میں اتنا تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ وہ رمضان المبارک میں ہوتی ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت" شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن—"(۲) سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہے، البتہ تعیین کے سلسلہ میں چالیس کے قریب اقوال ہیں، اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ وہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہے، پھر ان علماء میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ وہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے، اور دلیل اس کی وہ احادیث ہیں جن میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو!(۳) پھر ان میں سے بہت سے حضرات کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی ستائیسویں شب میں ہے(۴)۔ (وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ) اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے، یہ استفہام زیادتی تشویق (زیادہ شوق دلانے کے) لئے ہے، آگے جواب ہے کہ: "شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے، یعنی ہزار مہینے عبادت کرنے کا جتنا ثواب ہوتا ہے، اس سے زیادہ ثواب اس رات میں عبادت کرنے کا ہوتا ہے، اگلی آیت میں اس رات کی مزید فضیلت ارشاد ہے کہ: (تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ) اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں، "روح" سے مراد جمہور کے نزدیک "جبریل" علیہ السلام ہیں، ملائکہ میں گرچہ ان کا ذکر آچکا ہے، لیکن ان کی شرافت؛ عظمت اور ملائکہ میں ان کے خصوصی مقام کی وجہ سے ان کو الگ ذکر کیا گیا ہے۔

کل امر کی مراد: کل امر سے مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت حضرت "انسؓ" رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ہوتی ہے، جس کو "بیہقی" نے نقل کیا ہے کہ "شب قدر میں حضرت "جبریل" علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں اترتے ہیں، اور جس شخص کو قیام وقعود اور ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں، اس کے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں، اور ایک روایت کے مطابق سلامتی کی دعاء کرتے ہیں، رحمت کی دعاء کا حاصل بھی یہی ہے اس لئے کہ رحمت وسلامتی میں تلازم ہے، یہی امر خیر ہے جس کو فرشتے لے کر زمین پر اترتے ہیں، اسی طرح اس رات میں دعاء کا قبول ہونا، اور آسمان کے دروازوں کا کھلنا اور ہر مومن پر سلام کرنا بھی آیا ہے، اور یہ سب امور خیر ہیں، جو فرشتوں کے واسطے سے ہوتے ہیں، لہٰذا یہ چیزیں بھی "امر خیر" میں داخل ہیں۔(۵) اس تفسیر کی روشنی میں "من كل امر" کا "من" "با" کے معنی میں ہوگا، ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

---

(۱) از روح المعانی: ۳۳۳/۱۶، ومعارف القرآن: ۷۹۱/۸۔ اور بھی وجوہ تسمیہ ہو سکتی ہیں، تفصیل کے لئے روح المعانی کی مراجعت کی جائے۔

(۲) سورہ بقرہ رکوع ۲۳۔ (۳) روح المعانی: ۳۳۳/۱۶، بحوالہ مسند احمد، بخاری، مسلم وترمذی عن عائشہؓ۔ (۴) روح المعانی: ۳۳۳/۱۶۔

(۵) از بیان القرآن۔

"سَلٰمٌ "(وہ رات) سراپا سلام ہے، یعنی فرشتوں کی طرف سے سلامتی اور رحمت کی دعاء ہوتی ہے (۱)

(ھی حتی مطلع الفجر) وہ رات (مذکورہ خیر و برکت کے ساتھ) (۲) طلوعِ فجر تک رہتی ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس کی برکت رات کے کسی حصہ میں ہو اور کسی میں نہ ہو، بلکہ غروبِ آفتاب کے بعد سے لے کر صبح صادق تک رہتی ہے، لہٰذا وہ بڑا خوش نصیب ہے، جو اس پوری رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دے، اگر پوری رات کوئی نہ جاگ سکے تو جتنا ممکن ہو اتنی عبادت اور ذکر الٰہی کرے، اس کو اتنے حصہ کی خیر و برکت مل جائے گی۔

اللغة: (انزلنا) سورۃ "نبا" ع:۱، میں گذر گیا۔ (لیلة القدر) شب قدر۔ القدر مصدر باب ضرب کا، بمعنی: تعظیم کرنا، فیصلہ کرنا، تنگ کرنا۔ (خیر) زیادہ بہتر، صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر، اصل میں "أَخْيَرُ" تھا "یا" کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دیدی، اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا تخفیفاً، "خَيْرٌ" ہو گیا، (۳) خَارَ (ض) خَيْرًا وَخِيَارَةً: اچھا اور بھلا ہونا (۴)۔

(الف) ہزار، اسم جامد، جمع، الاف، اُلوف۔ (شھر) مہینہ، اسم جامد، جمع: شُهُورٌ، وَأَشْهُرٌ، (سلام) مصدر ہے، بمعنی سلامتی، باب سمع سے سَلِمَ يَسْلَمُ سَلَامًا وَسَلَامَةً: آفات وغیرہ سے محفوظ رہنا، بچا رہنا۔ (مَطْلَع) طلوع ہونا، مصدر میمی، طَلَعَ (ن) مَطْلَعًا وطُلُوعًا الفجرُ: صبح کا طلوع ہونا، و الشمسُ: سورج نکلنا، (الفجر) سورہ فجر کے شروع میں گزر گیا۔

ترکیب: (انا انزلناہ فی لیلة القدر) "انا" "ان" اور اس کا اسم، "انزلناہ" جملہ محلاً مرفوع "ان" کی خبر ہونے کی وجہ سے، "فی لیلة القدر" "انزلنا" کے متعلق اور جملہ: "انا انزلنا" ابتدائیہ۔ (وما ادراك) "واؤ" اعتراضیہ، اور جملہ: "ما ادراك" معترضہ، اور باقی ترکیب بعینہ جملہ: "وما ادراك ما یوم الدین" (۵) کی طرح ہے۔ (لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ) "لیلة القدر" مبتدا، اور "خیر" خبر "من الف شھر" "خیر" کے متعلق، اور جملہ: "لیلة القدر...... "مستانفہ، (تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ) باذن ربھم یا تو تنزل کے متعلق ہے یا "متلبسین" کے متعلق ہو کر حال ہے (٦) پہلی صورت میں "ظرف لغو" اور دوسری صورت میں "ظرف مستقر" ہوگا۔ "من کل امر" متعلق تَنَزَّلُ کے، اور جملہ: "تنزل الملائکة" مستانفہ، "سلام" خبر (ھی) مبتدا محذوف کی، اور "سلام" کا حمل ھی پر مبالغہ ہے، "زید عدل" کی طرح، اور جملہ مستانفہ، (ھی حتی مطلع الفجر) "ھی" "مبتدا" "حتی" "جارہ" "مطلع الفجر" مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق "کائنة" محذوف، کے ہو کر خبر، اور جملہ: "ھی حتی...... "مستانفہ (۷)۔

---

(۱) بیان القرآن۔ (۲) لہٰذا یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ ہر رات طلوعِ فجر تک رہتی ہے (حاشیہ بیان القرآن) (۳) شرح جامی "جامع الغموض، شرح کافیہ، بحث اسم تفضیل۔

(۴) المعجم الوسیط۔ (۵) سورہ انفطار۔ (٦) روح المعانی: ۳۵۱/۱٦۔

(۷) "من کل امر" اور "سلام ھی" کی اور بھی کئی طرح ترکیبیں کی گئی ہیں، ہم نے اپنے ترجمہ اور تفسیر کے مطابق جو ترکیب تھی اس کو بیان کیا ہے۔

سورۃ البینۃ (۹۸) (۱۰۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ جولوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ یعنی ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنادے۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ اور جولوگ اہل کتاب تھے، وہ اس واضح دلیل کے آنے کے بعد ہی مختلف ہو گئے۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لیے خالص رکھیں یکسو ہو کر، اور نماز کی پابندی رکھیں، اور زکوۃ دیا کریں، اور یہی طریقہ ہے (ان) درست مضامین کا۔

ربط وتفسیر: سورہ "قدر" میں قرآن کریم کے اتارنے کا ذکر ہے، اور اس سورت میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے، کہ قرآن کریم کو اس لیے نازل کیا گیا ہے، کہ اس وقت کے اہل کتاب اور مشرک کافروں کا کفر اتنا شدید تھا کہ بغیر رسول عظیم کے جو انہیں پاک صحیفے (قرآن کریم) پڑھ کر سنادے، ان کی راہ راست پر آنے کی توقع نہ تھی، اس لیے اللہ تعالی نے رسول عظیم کو بھیجا اور اس پر "صحف مطہرۃ" (قرآن کریم) کو اتارا(1)۔

جہالت وضلالت کا عموم اور رسول عظیم کی ضرورت

(لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ......) جولوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے، وہ باز آنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی، یعنی ایک اللہ کا رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنادے، جن میں درست مضامین ہوں۔ یعنی بعثت نبوی سے پہلے اہل کتاب (یہود ونصاری) اور مشرکین (خدا کے ساتھ شریک کا اعتقاد رکھنے والوں) میں (۲)، جولوگ کافر تھے، ان کا کفر، ان کی بے دینی، عقائد واعمال اور اخلاق کا بگاڑ اتنا شدید اور سخت تھا کہ توقع نہ تھی کہ کسی حکیم یا ولی، یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے وہ سمجھ جائیں، بلکہ ضرورت تھی، کہ واضح دلیل یعنی ایک عظیم القدر رسول

---

(۱) روح المعانی: ۳۵۹/۱۶۔ (۲) فائدہ: "من اہل الکتاب والمشرکین" کا "من" تبعیض کے لیے ہے، تبیین کے لیے نہیں ہے، کیونکہ بعثت نبوی سے پہلے سب اہل کتاب کافر نہیں تھے، بلکہ بعض اپنے نبی کی تعلیمات پر قائم تھے، اور مرنے تک قائم رہے، مشرکین گرچہ سب کافر تھے، لیکن اہل کتاب ومشرکین کے مجموعہ کا وہ بھی بعض ہیں، فلا اشکال۔ (روح المعانی: ۳۵۹/۱۶)۔

ان کے پاس آئے، جو ان کو جھوٹ، نفاق، شک اور گمراہی سے پاک صحیفے[۱] پڑھ کر سنا دے، جن میں سارے مضامین اور احکام وہدایات درست ہوں کہ اگر انسان اپنے نظریات، ماحول، اور خواہش نفسانی سے اوپر اٹھ کر سوچے، تو ان کی درستی، اور کفر وشرک، عقائد، اعمال اور اخلاق کے بیمار کے لیے ان کے نسخہ شفا ہونے میں اس کو کوئی کلام نہ ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے رسول عظیم کو (محمد عربی ﷺ) کی شکل میں پاک صحیفے (قرآن کریم) دے کر بھیجا، جس نے ان کو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، اور چند سالوں میں ایک ایک ملک کو ایمان وایقان اور معرفتِ خداوندی کی روشنی سے بھر دیا؛ اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ دی۔

نعمت رسول کی ناقدری

(وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ......) اور جو لوگ اہل کتاب تھے، وہ اس واضح دلیل کے آنے کے بعد ہی مختلف ہو گئے، یعنی ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ رسول عظیم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمت عظمیٰ عطا فرمائی تھی، اس کی قدر کرتے، اس طرح کہ اس رسول پر ایمان لاتے، اس کی لائی ہوئی کتاب کو سینے سے لگاتے، اور ضلالت وجہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم وعرفان کے اجالے میں آتے، لیکن اہل کتاب کا معاملہ بالکل برعکس ہوا، انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی، بلکہ رسول کے آتے ہی انہوں نے دین حق سے اختلاف وانکار کیا، اور ان میں آپس میں نظریات وعقائد وغیرہ کے جو اختلاف چلے آ رہے تھے، دین حق کا اتباع کر کے ان کو بھی دور نہ کیا۔ معلوم ہونا چاہیے اس نعمت کی ناقدری اور دین حق سے اختلاف وانکار جیسا اہل کتاب نے کیا، مشرکین نے بھی کیا، لیکن آیت میں مشرکین کے اختلاف کو اس لیے ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اہل کتاب کے اختلاف کرنے سے مشرکین کا اختلاف وانکار بدرجہ اولیٰ معلوم ہو رہا ہے، اس طرح کہ اہل کتاب کو اس رسول اور کتاب کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا، وہ ذی علم لوگ تھے، جب انہوں نے ہی اختلاف کیا، تو علم سے کورے اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انکار کے بغیر کیسے بیٹھتے؟۔

قرآن کریم کے انکار سے اپنی کتابوں کا انکار لازم آتا ہے

(وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ......) حالانکہ لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لیے خالص رکھیں اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں، اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا۔ یہ اہل کتاب کو الزام اور ان پر اتمام حجت ہے، کہ ان کو ان کی کتابوں میں یہ احکام دیئے گئے تھے:- (۱) ادیان باطلہ سے یکسو ہو کر اخلاص کے ساتھ

---

(۱) فائدہ: صحف، صحیفۃ کی جمع ہے، جس کے معنی ہے وہ کاغذ جس میں کوئی مضمون تحریر ہو۔ قرآن کریم چونکہ ابتداءً صحیفوں میں نہیں تھا، بعد میں اس کو صحیفوں میں لکھا گیا، اس لیے مآل کے اعتبار سے، اس کو "صحف" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ (۲) نماز کی پابندی رکھیں۔ (۳) زکوۃ دیا کریں۔

اور درست مضامین (قرآن کریم) کا بھی یہی طریقہ ہے، یعنی قرآن کریم کی بھی یہی تعلیم ہے، لہٰذا قرآن کریم کی مخالفت سے اپنی کتابوں کی مخالفت اور انکا انکار لازم آتا ہے۔ یہ الزام تو اہل کتاب پر ہوا، اور مشرکین کو جو پہلی کتب کو نہیں مانتے تھے، اس طرح الزام اور ان پر اتمام حجت ہے کہ وہ حضرت "ابراہیم" کے حق پر ہونے کو مانتے تھے، اور قرآن کریم جو "کتب قیمہ" کا مصداق ہے، شرک سے بچنے اور توحید کے اختیار کرنے کو کہتا ہے، بالفاظ دیگر ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کا حامی وداعی ہے، لیکن شرک پر قائم رہنے اور قرآن کریم کو نہ ماننے سے ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت اور ان کے طریقہ حق پر ہونے کا انکار لازم آتا ہے۔ واضح ہو کہ ان اختلاف کرنے والوں سے مراد وہ کفار ہیں، جو ایمان نہیں لائے تھے، اور قرینۂ مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا، کہ جن لوگوں نے اختلاف وانکار نہیں کیا، وہ اہل ایمان ہیں (۱)۔

اللغة: (أَهْلِ الْكِتَابِ) کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے، لہٰذا "اہل کتاب" کے معنی ہوئے: آسمانی کتاب والے اور مراد ان سے یہود و نصاریٰ ہیں (الْمُشْرِكِيْنَ) شرک کرنے والے، "مشرك" صیغہ اسم فاعل کی جمع مذکر سالم، بحالت جری، باب افعال سے "إشراك" مصدر بمعنی خدا تعالیٰ کے لئے شریک کا اعتقاد رکھنا (۲)۔ (مُنْفَكِّيْنَ) باز آنے والے "مُنْفَكٌّ" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری، باب انفعال سے، اِنْفَكَّ اِنْفِكَاكًا (انفعال) کے اصل معنی ہے: یکجا چیزوں کا الگ وجدا ہونا، یہاں ان چیزوں سے الگ ہوجانا، مراد ہے، جو اہل کتاب اور مشرکین میں پائی جاتی تھی، اس کی بامحاورہ تعبیر ترجمہ میں "باز آنا" سے کی گئی ہے، واضح ہو کہ یہ "انفك" تامہ سے ماخوذ ہے جو فاعل پر تام ہوجاتا ہے۔ ناقصہ سے نہیں، جو فاعل کے ساتھ خبر کا بھی محتاج ہوتا ہے، اور افعال ناقصہ میں اس کا تذکرہ آتا ہے (۳)۔ (الْبَيِّنَة) ظاہر، واضح، بیان کرنے والا، پہلی صورت میں "بيّن" بروزن "فَيْعِلٌ" صفت مشبہ کا مؤنث ہوگا، بَانَ يَبِيْنُ (ض) بَيَانًا، واضح ہونا، ظاہر ہونا، سے (۴) اور موصوف الحجة محذوف ہوگا، تقدیری عبارت ہوگی: "الحجة البينة" (۵) اور چونکہ عام طور پر اس کا اطلاق واضح دلیل ہی پر ہوتا ہے، اس لیے اسکا موصوف حذف کردیا جاتا ہے، دوسرے معنی کی صورت میں فیعل بمعنی اسم فاعل ہوگا (بیان کرنے والا) (۶) اور "تا" مبالغہ کے لیے ہوگی۔ یہاں بینة کا اطلاق رسول پر کیا گیا ہے، دوسرے معنی کی صورت میں "بينة" کے اطلاق کی وجہ ظاہر ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ حق کے بیان کرنے والے ہیں، پہلے معنی کی صورت میں اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ واضح دلیل سے مراد معجزہ ہے، اور چونکہ حضور ﷺ کے اخلاق وصفات حد اعجاز (معجزہ ہونے کی حد) تک پہنچے ہوئے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے آپ اپنی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے آپ ﷺ پر بينة کا اطلاق کیا گیا ہے (۷)۔

(رَسُوْلٌ) گزر گیا سورہ شمس میں۔ (يَتْلُو) پڑھ کر سنادے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف،

---

(۱) از بیان القرآن۔ (۲) روح المعانی: ۲۳۱/۱۵، (ملتان)۔ (۳) روح المعانی: ۲۳۲/۱۵ (ملتان) (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۹۲/۱۔ (سورہ بقرہ، ع: ۱۱)۔ (۵) جلالین شریف: ص ۴ مع الحاشیہ۔ (۶ و ۷) روح المعانی: ۳۶۰/۱۶۔

تَلَا الکتابَ (ن) تِلَاوَۃً: کتاب پڑھنا، سے واضح ہو کہ تلاوت ہر پڑھنے کو نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ اس پڑھنے کو کہا جاتا ہے، جو پڑھانے والے کی تلقین کے مطابق ہو، اسی لیے عرف میں عموماً تلاوت صرف قرآن کریم پڑھنے کے لیے بولا جاتا ہے(۱)۔

(صُحُف) صحیفۃ کی جمع، سورہ "عبس" میں یہ لفظ آچکا ہے۔ (مُطَهَّرَۃ) پاک کیے ہوئے، یہ بھی سورۂ "عبس" میں آچکا ہے۔ (کُتُبٌ) "کتاب" کی جمع ہے، جو اصل کے اعتبار سے مصدر ہے، کمامر فی سورۃ النبا، یہاں "کتب" سے مراد مکتوب (لکھی ہوئی باتیں) یعنی مضامین واحکام ہیں، ترجمہ ہم نے اسی کے مطابق کیا ہے، اور یہاں بھی مضامین قرآن کو کتب بالقوہ یا "مجاز مایؤل" کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے۔ (قَیِّمَۃٌ) درست، قیم بروزن فَیْعِلٌ صفت مشبہ کا مؤنث ہے، اصل میں قَیْوِمَۃٌ تھا، واو کو "میت" کے قاعدہ کے مطابق "یا" کرکے "یا" کا "یا" میں ادغام کردیا گیا، قَیِّمَۃ ہوگیا، قَامَ الْاَمْرُ (ن) قِیَامًا وقَوْمَۃً: معتدل ہونا، درست ہونا۔ (مَاتَفَرَّقَ) نہیں جدا ہوئے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق منفی معروف "تَفَرَّقٌ" جدا ہونا اختلاف کرنا، سے، اور اختلاف کرنے سے مراد انکار کرنا ہے۔ (لِیَعْبُدُوْا) صیغہ جمع مذکر غائب، فعل مضارع معروف، منصوب بحذف نون، اَن مقدرہ کی وجہ سے، لام "کی" یا لام زائدہ کے بعد۔ پہلی رائے بصریین کی ہیں، یہ لوگ فعل امر کا متعلق (بالکسر) محذوف مانتے ہیں، أی: مَا اُمِرُوْا بِمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ. اور دوسری رائے دیگر حضرات کی ہے، ان حضرات کے یہاں "لیعبدوا اللہ" "ما امروا" کا مفعول بہ ہوگا، پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا: (ان کو ان کی کتابوں میں جو احکام دیئے گئے تھے) وہ اسی لیے دیئے گئے تھے، تاکہ اللہ کی عبادت کریں۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ وہ ہوگا، جو ہم نے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے(۲)۔

لام زائدہ: وہ لام جارہ زائدہ ہے جو "امر" یا "إرادۃ" سے مشتق فعل کے بعد فعل مضارع پر آئے (التکملہ عبد الغفور علی شرح الجامی ص: ٦٧) عَبَدَ (ن) عِبَادَۃً، وعُبُوْدِیَّۃً: عبادت کرنا، یعنی اپنے اختیار سے کسی کے سامنے اس کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اظہار فروتنی (عاجزی) کرنا(۳)۔ (مُخْلِصِیْنَ) خالص کرتے ہوئے، مخلص، اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی باب افعال سے، أَخْلَصَ الشیئَ إِخْلَاصًا: ملاوٹ وغیرہ سے پاک صاف رکھنا، اور "اخلص للہ" کے معنی: اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے طور پر عبادت کرنا کہ شرک، ریا اور دنیاوی اغراض سے پاک صاف ہو(۴)۔

(الدِّیْن) عبادت وطاعت کے معنی میں یہاں استعمال ہوا ہے(۵) اور بھی اس کے معنی آتے ہیں، دَانَ (ض) دِیْنًا: اطاعت کرنا۔ (حُنَفَاءَ) ادیان باطلہ کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والے، اس کی مختصر تعبیر یکسو ہونے والوں سے کی جاسکتی ہے۔ "فُعَلَاءُ" کے وزن پر حَنِیْفٌ صفت مشبہ کی جمع، حَنَفَ (ض) حَنَفًا: مائل ہونا، عرف میں خیر کی طرف مائل

---

(۱) معارف القرآن: ۸/ ۷۹۷۔ (۲) روح المعانی: ۱۳/ ۳۶۸۔ تحت قولہ تعالیٰ: "وامرت لان اکون اول المسلمین" زمر رکوع: ۲۔

(۳) لغات القرآن: ۴/ ۲۱۷، (۴) حاشیہ جلالین ص: ۳۸۵۔ وروح المعانی زکریا: ۱۳/ ۳۴۴، سورہ زمر، ع: ۱۔

(۵) روح المعانی: ۱۳/ ۳۴۴، زکریا۔

ہونے کے ساتھ خاص ہوگیا ہے، جیسا کہ شر کی طرف مائل ہونے کے لیے "إلحاد" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، المعجم الوسیط میں اس کو ضرب سے اور اعراب القرآن وصرفہ میں باب سمع وکرم سے لکھا ہے(۱)۔ (یُقِیْمُوْا) پابندی رکھیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، منصوب بحذف نون، اَقَامَ الصَّلوٰۃَ یُقِیْمُ اِقَامَۃً: نماز کی پابندی کرنا، اور یہ قَامَ السوقُ: بازار کا رائج ہونا، و اَقَمتُھَا: بازار کو رائج کرنا، سے ماخوذ ہے(۲) اور تفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔ (دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ) یہاں دین بمعنی طریقہ ہے، اور یہ اس کے مجازی معنی ہے۔

ترکیب: (لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ) "الذین کفروا" موصول صلہ سے مل کر لم یکن کا اسم "مِنْ" حرف جر برائے تبعیض، "اھل الکتاب والمشرکین" مجرور، جار مجرور سے مل کر کائنین کا ظرف مستقر ہو کر حال، الذین کفروا سے، "منفکین" صیغہ اسم فاعل، (ھم) ضمیر پوشیدہ محلا مرفوع فاعل، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لم یکن کی اور جملہ: "لم یکن الذین کفروا......" ابتدائیہ، "حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ" "حتی" حرف جر برائے غایت، "تاتیھم" فعل مضارع منصوب حتی کے بعد پوشیدہ ان کی وجہ سے، اور ان مصدریہ اپنے مدخول تاتیھم سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق منفکین کے، "البینۃ" فاعل تاتی کا، "رسول" البینۃ سے بدل کل، "من اللہ" کائن کا ظرف مستقر ہو کر صفت رسول کی، (یَتْلُوْ صُحُفًا مُطَھَّرَۃً) "یتلو" صفت رسول کی، "صحفا" مفعول بہ، "مطھرۃ" صفت صحفا کی، (فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ) "فیھا" کائن محذوف کا ظرف مستقر ہو کر خبر مقدم، "کتب" مبتدا مؤخر، "قیمۃ" صفت کتب کی، اور جملہ: "فیھا کتب" محلاً منصوب صحفا کی صفت ثانی۔ (وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ) واؤ مستانفہ، "الا" حرف استثناء، ملغی، "من بعد" جار مجرور سے مل کر متعلق ماتفرق کے۔ (ما جاء تھم) ما مدریہ، "جاء تھم" صلہ "ما" موصول حرفی (ما مصدریہ) کا، ما موصول حرفی اپنے صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر محلا مجرور بعد کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، "البینۃ" فاعل جاء ت کا۔ (وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ) "واؤ" حالیہ، "ما" نافیہ، "امروا" فعل مجہول اور ضمیر نائب فاعل، "الا" حرف استثناء ملغی، "لام" لام کَیْ، اس کے بعد ان مقدر "یعبدوا" صلہ ان کا، ان مقدرہ اپنے صلہ سے مل کر مجرور جار مجرور سے ملکر متعلق، "ما امروا" کا یہ بصریین کے نزدیک ہے اور بقول بعض لام جارہ زائدہ، اس کے بعد ان مقدر(۳) اور "یَعْبُدُوا" صلہ ا ن (موصول حرفی) کا "ان" مقدرہ اپنے صلہ سے مل کر لفظاً مجرور، اور محلاً منصوب، مامروا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، یہی ترکیب مذکورہ ترجمہ وتفسیر کے مطابق ہے۔ "مخلصین" حال لیعبدوا کی ضمیر سے، "لہ" "مُخْلِصِیْنَ" کے متعلق، "الدین" مفعول بہ، "حنفاء" حال ثانی، لیعبدوا کی ضمیر سے، یا مخلصین کی

---

(۱) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱/۲۷۶، پارہ ۱، رکوع ۱۶، واعراب القرآن لمحی الدین: ۸/۳۷۳۔ (۲) روح المعانی: ۱/۱۹۰، پارہ: ۱، رکوع: ۱۔

(۳) قال الرضی : الظاهر انَّ " أن " تقدر بعد اللام الزائدة الّتی تجیءُ بعد فعل الأمر والإ رادة ، نحو : " وامرت لأَعْدِل بینکم " " إنما یرید اللہ لیذھب " (رضی شرح کافیہ: ۴/۶۲)۔

ضمیر سے، پہلی صورت میں دونوں حال مترادفہ اور دوسری صورت میں حال متداخلہ ہوں گے۔" ویقیموا الصلوۃ" یعبدوا پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب بحذف نون، "ویؤتوا الزکوۃ" یہ بھی یعبدوا پر معطوف، اور جملہ" ماامروا" حال" اللذین اوتوا الکتاب" سے، (وذالک دین القیمۃ) "واؤ" مستانفہ، اور جملہ" ذالک دین القیمۃ" مستانفہ(۱)۔

> اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ جولوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے، وہ لوگ جہنم میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ بے شک جولوگ ایمان لائے، اور انہوں نے اچھے کام کیے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ ان کا صلہ ان کے رب کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

ربط: ماقبل میں ان اہل کتاب اور مشرکین کو بیان کیا گیا ہے، جو دین حق سے اختلاف کر کے کافر ہوئے، اور چونکہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے سب نے اختلاف وانکار نہیں کیا، بلکہ کچھ نے دین حق کو قبول کیا، اس لیے یہ طبقہ اہل ایمان کا ہوا، مذکورہ بالا آیات میں اہل ایمان کی جزا اور کفار کی سزا کو بیان کیا گیا ہے، آیات کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے، البتہ چند آیات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ (اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ) یہ (اہل کتاب اور مشرکین کے کفار) بدترین خلائق ہیں، یعنی مخلوق میں سب سے بدتر اور برے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مخلوق میں تو ابلیس اور اس کا لشکر بھی ہے، اور بالیقین یہ لوگ ابلیس اور اس کے لشکر سے بدتر نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق سے مراد اکثر مخلوق ہے، تمام مخلوق نہیں ہے کہ مذکورہ سوال پیدا ہو، اور ظاہر ہے یہ لوگ اکثر مخلوق سے جن میں بہائم وغیرہ بھی آتے ہیں، بدتر ہیں، جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد باری ہے: "اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" یہ تو محض چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ (بیان القرآن سورۂ فرقان) دوسری آیت" اولئک هم خیر البریة" کی بھی یہی توجیہ کی جائے گی کہ یہاں مخلوق سے مراد اکثر مخلوق ہے، لہذا فرشتوں سے جمیع مؤمنین کا افضل ہونا لازم نہیں آتا ہے(۲)۔ گرچہ اپنے مقام پر یہ مسئلہ ثابت ہے کہ خواصِ مؤمنین جیسے انبیاء کرام خواص ملائکہ مثلاً جبریل علیہ السلام وغیرہ سے افضل ہیں۔ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے، یعنی جنت کے باغوں اور نہروں سے بڑھ کر ان کو مزید دو نعمتیں ملیں گی:۔ (۱) رضائے مولیٰ، جو جنت کی سب نعمتوں سے بڑھ کر بلکہ تمام نعمتوں کی اصل روح یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے خوش

---

(۲) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۶۷۸، والروح: ۱۶/ ۳۶۴۔ (۲) از بیان القرآن: ۱۲/ ۱۱۳۔

ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہاں ان سے معصیت وگناہ کا صدور نہیں ہوگا، جس سے اللہ تعالی کے ناراض ہونے کا احتمال ہو۔
(۲) دوسری نعمت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی سے خوش رہیں گے یعنی ان کو کوئی ناگواری اور تکلیف کی بات پیش نہیں آئے گی جس سے ان کے ناخوش ہونے کا احتمال ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب: یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے، کہ اللہ تعالی اور اس کے ہر حکم اور ہر فعل سے راضی ہونا تو فرائض میں سے اور لازمۂ عبدیت ہے، اس کے بغیر تو کوئی جنت میں جا ہی نہیں سکتا، پھر یہاں اہل جنت کی رضامندی ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ رضا کے دو مفہوم ہیں:۔ (الف) اللہ تعالی کے ہر حکم اور فیصلہ پر راضی ہونا، (ب) بندہ کو اس کی ہر مراد کا مل جانا، اور کوئی تکلیف و ناگواری کی بات کا پیش نہ آنا، رضا پہلے مفہوم کے اعتبار سے فرائض بندگی میں سے ہے اور یہاں رضا کا دوسرا مفہوم مراد ہے(۱)۔ (ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ) یہ (مذکورہ جزا اور اللہ تعالی کا بندوں سے اور بندوں کا اللہ تعالی سے راضی ہونا(۲)) اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔ خشیت اس ڈر کو کہا جاتا ہے، جو کسی کی انتہائی عظمت وجلال کی وجہ سے پیدا ہو، کسی چیز سے طبعی خوف کو خشیت نہیں کہا جاتا ہے، جیسا کہ کسی درندہ وغیرہ سے ہوتا ہے، حاصل آیت کا یہ ہوا کہ مذکورہ جزا اور رضا اس کو ملے گی، جو اللہ تعالی سے ڈرتا ہو، اور اس ڈر کا اثر یہ ہوگا کہ انسان نیک اعمال کریگا اور برے اعمال اور بری باتوں سے بچے گا۔

اللغة: (خَالِدِيْنَ) ہمیشہ رہنے والے، خالد اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت نصبی، خَلَدَ (ن) خَلْدًا، خُلُدًا وخُلُوْدًا: ہمیشہ رہنا، (شَرٌّ) بدتر، اسم تفضیل واحد مذکر، اصل میں "اَشْرَرُ" تھا، اول "را" کی حرکت نقل کرکے شین کو دیدی، اور را کا را میں ادغام کردیا گیا، اور ہمزہ کو تخفیفاً حذف کردیا، شَرٌّ ہوگیا(۳) شَرَّ فلانٌ (ض) شَرًّا وشِرَّةً: شر (برائی) کی طرف مائل ہونا، شر کا عادی ہونا(۴)۔ (البَرِيَّةَ) مخلوق، بروزن فعیلۃ بمعنی مفعولۃ، صیغہ صفت۔ اصل میں " بَرِيْئَةٌ " تھا، ہمزہ کو "یا" کرکے "یا" کا "یا" میں ادغام کردیا گیا، بَرِيَّةٌ ہوگیا(۵) بَرَأَ اللّٰهُ الخَلْقَ (ف) بَرْءًا، وَبُرُوْءًا: پیدا کرنا(۶)۔ (عَدْنٍ) مصدر عَدَنَ بالمكان (ض) عَدْنًا وَعُدُوْنًا: رہنا، ٹھہرنا، یہاں ہمیشگی اور دوام کے طور پر رہنا مراد ہے، اس لیے کہ یہ مدح کے موقعہ میں واقع ہوا ہے، اور مدح اسی صورت میں ہوگی جب کہ دوام کے طور پر رہنا مراد ہو(۷)۔ (اَبَدًا) زمانۂ مستقبل غیر محدود، جس کی تعبیر "ہمیشہ" سے کی جاتی ہے (۸) جمع آباد واُبُوْد (المعجم الوسيط ص:۲) (رَضُوْا) وہ خوش

---

(۱) از معارف القرآن: ۷۹۹/۸۔ (۲) اس مشار الیہ کے قریب میں مذکور ہونے کے باوجود اسم اشارہ بعید کا استعمال اس مشار الیہ کی مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ (۳) کذا فی جامع الغموض شرح الکافیہ: ۱۵۲/۳۔ (۴) المعجم الوسیط ص: ۴۷۸۔

(۵) یہ تعلیل اس قاعدہ کی بناء پر ہوئی ہے کہ ہمزہ متحرکہ "واؤ" مدہ زائدہ اور "یا" مدہ زائدہ اور یائے تصغیر کے بعد اپنے ماقبل کی جنس ہوکر اس میں مدغم ہوجاتا ہے۔ (علم الصیغہ) (۶) المعجم الوسیط ص: ۴۶۔ (۷) لغات القرآن لمولانا عبدالرشید: ۲۵۵/۴۔

(۸) لغات القرآن: ۵/۱۔

ہوں گے مزید دیکھئے سورۂ غاشیہ میں "راضیۃ"۔

ترکیب: (اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا) (من اھل الکتاب) کائنین محذوف کا ظرف مستقر ہو کر حال "الذین کفروا" سے "فی نار جھنم" "کائنون" کے متعلق ہو کر خبر إن کی "خالدین" خبر یعنی کائنون کی ضمیر سے حال "فیھا" متعلق خالدین کے، اور جملہ "ان الذین کفروا......" مستانفہ۔ (اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ) "اولئک" مبتدا "ھم" مبتدا ثانی "شر البریۃ" خبر مبتدا ثانی کی، اور جملہ "ھم شر البریۃ" محلاً مرفوع اولئک کی خبر ہونے کی وجہ سے اور جملہ "اولئک ھم......" مستانفہ یا محلاً مرفوع إن کی خبر ثانی ہونے کی وجہ سے۔ (اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) انَّ اور اس کا اسم، "اُولٰئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ" "اولئک ھم شر البریۃ" کی طرح ترکیب ہو کر محلاً مرفوع إنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے، اور جملہ: "ان الذین آمنوا......" مستانفہ۔ (جَزَآءُ ھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ) "جزاء ھم" مبتدا، عند ربھم "کائنین" کا ظرف مستقر ہو کر حال، جزاءھم کی ھم ضمیر سے، اور جو حضرات مبتدا سے حال کو جائز قرار دیتے ہیں، جیسے ابن مالک وغیرہ تو ان کے نزدیک مبتدا (جزاء ھم) سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے۔ (جَنّٰتُ عَدْنٍ) خبر مبتدا کی، "تجری" محلاً مرفوع جنّٰت کی صفت، "من تحتھا" متعلق تجری کے، "الانھر" فاعل "خالدین" حال مقدرہ[1] فعل محذوف (دخلوھا) کی فاعل ضمیر سے، یہ جزاء ھم کی "ھم" ضمیر سے حال واقع نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں مصدر (جزاء) اور اس کے معمول (خالدین) کے درمیان اجنبی کا فصل لازم آئے گا۔ "فیھا" خالدین کے متعلق، "ابدا" مفعول فیہ خالدین کا، اور جملہ: (دخلوھا) خالدین...... مستانفہ، اور جملہ: "جزاء ھم عند ربھم" مستانفہ، "رَضِیَ اللّٰہُ عنھم" یہ جملہ مستانفہ ہے، اور استیناف نحوی ہے، اور استیناف بیانی بھی

---

[1] فائدہ حال کی زمانہ کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔ (۱) حال مقارنہ (۲) حال مقدرہ یا مستقبلہ۔ حال مقارنہ: وہ حال ہے کہ اس کے معنی اور اس کے عامل کے معنی (مضمون) کا تحقق وحصول ایک زمانہ میں ہو جیسے "اَقْبَلَ الْبَرِیْءُ فَرِحاً" (بری ہونے والا خوشی کی حالت میں آیا) اور "جاء زید ضاحکاً" (زید ہنستا ہوا آیا) پہلی مثال میں حال کے معنی (خوش ہونا) اور عامل (اقبل) کے معنی (آنا) اور دوسری مثال میں حال کے معنی (ہنسنا) اور عامل (جاء) کے معنی (آنا) کا زمانہ ایک ہے۔ حال مقدرہ: وہ حال ہے کہ اس کے معنی کا تحقق (حصول) اس کے عامل کے معنی کے تحقق کے بعد ہو، خواہ دونوں میں فاصلہ طویل ہو یا قصیر۔ مثلاً کہا جائے: "سیسافرُ بعضُ الطلبۃِ غداً إلی البلادِ الغربیۃ مُوَزَّعِیْنَ فیھا، مُتَدَرِّبِیْنَ فی مَصَانِعِھا، ثم یَعُوْدُوْنَ عَامِلِیْنَ فِی مَصَانِعِنَا" (کل بعض طلبہ مغربی ممالک کا سفر کریں گے ایسی حالت میں کہ وہاں منتشر ہو جائیں گے، ان کے کارخانوں میں ٹریننگ حاصل کریں گے، پھر لوٹ کر ہمارے کارخانوں میں کام کریں گے۔) اس مثال میں حال "موزعین، متدربین، عاملین" کے معنی کا تحقق عامل کے معنی (سفر کرنے، اور لوٹنے) کے زمانہ میں نہیں ہے بلکہ بعد میں ہے، اسی طرح "انا ھدیناہ السبیل إما شاکراً وإما کفوراً" حال (شاکراً کفوراً) کے معنی کا تحقق عامل کے معنی ہدایت دینے کے بعد ہے۔ سورۂ بینہ کی مذکورہ آیت میں "خالدین" کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔ (النحو الوافی ۲/۳۶۰)

ہوسکتا ہے اگر اس سوال مقدر کا جواب مانا جائے کہ "اَلَھُمْ فَوْقَ ذَالِكَ اَمْرٌ" (کیا اس سے بڑھ کر بھی ان کے لیے کوئی چیز ہے) استیناف نحوی اور بیانی کے لیے دیکھئے مقدمہ میں جملہ مستانفہ کا بیان۔ "ورضوا عنه" معطوف جملہ "رضی الله" پر "ذالك" مبتدا "لمن" خبر "خشی ربه" صلہ من کا اور جملہ "ذالك...... " مستانفہ بیانیہ۔⁽¹⁾

(٩٩) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (٩٣)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، جو بڑے مہربان، نہایت رحم والے ہیں۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائیگی۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ اَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣ اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے۔ تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جاویں۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اس کو دیکھ لیگا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨ اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ربط: سابقہ سورت میں فریقین (مؤمنین وکفار) کی جزا کو بیان کیا گیا ہے، اور اس سورت میں اس کا وقت بیان کیا گیا ہے⁽²⁾۔

تفسیر: (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا......) جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائیگی۔ اس زلزلہ (سخت جنبش) سے وہ زلزلہ مراد ہے، جو نفخہ ثانیہ کے بعد اس وقت پیش آئے گا، جب لوگ اپنی قبروں سے زندہ ہوکر اٹھیں گے۔⁽³⁾ اکثر علماء کا یہی دوسرا قول ہے⁽⁴⁾ اور "یومئذ یصدر الناس" میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے، اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اس زلزلہ (جنبش) سے پہاڑ وغیرہ سب گر کر زمین کے برابر ہوجاویں گے، تاکہ میدان محشر بالکل ہموار اور صاف ہوجائے، قرآن کریم کی دیگر آیتیں "اذا الارض مدت" اور "اذا دكت الارض دكا دكا" وغیرہ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ بوجھ سے مراد مُردے اور دفینے ہیں، اور دفینوں کے ظاہر ہونے میں یہ حکمت ہوسکتی ہے کہ مال کی محبت کرنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جس مال پر ہم جھوٹ بولتے تھے، اور ہمیشہ اس کی وجہ سے لڑتے مرتے تھے، وہ کس قدر بیکار ہے، جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "زمین

---

(1) از روح المعانی: ۱۶/ ۳۶۹، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۸۰۔ (2) روح المعانی: ۱۶/ ۳۷۴۔ (3) مذکورہ: ۱۶/ ۳۷۴۔

(4) ابن کثیر: ۴/ ۳۳۹، والروح: ۱۶/ ۳۷۴۔

اپنے جگر کے ٹکڑے سونے چاندی کے بڑے ستونوں کی شکل میں اگل دیگی، اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لیے کسی کو قتل کیا تھا، وہ دیکھ کر کہیگا، کہ یہ وہ چیز ہے، جس کے لیے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا اور، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا، وہ کہیگا کہ یہ ہے وہ چیز جس کے لیے میں نے یہ حرکت کی تھی، اور چور جس کا ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا، اس کو دیکھ کر کہیگا کہ اس کے لیے میں نے اپنا ہاتھ کٹوایا تھا، پھر کوئی بھی اس سونے چاندی کی طرف التفات نہیں کریگا"(۱) (وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا......) انسان سے مراد بہت سے مفسرین نے منکرِ بعث (کافر) کو لیا ہے کہ مذکورہ زمین کی حالت دیکھ کر کہیگا کہ اس کو کیا ہوا کہ اس طرح ہل رہی ہے، اور سب دفینے باہر آرہے ہیں، کیونکہ وہ اس کا منکر تھا، اور مومن یہ حالت دیکھ کر کہیگا: "هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ" (یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبر سچ کہتے تھے)(۲)

اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی، اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، کہ لوگوں کے سامنے اپنی خبریں بیان کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس کی تفسیر اس طرح آئی ہے، کہ حضور ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر صحابہ سے پوچھا، جانتے ہو کہ اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے، آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: روئے زمین پر جس مرد یا عورت نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا، زمین سب کی گواہی دیدیگی، کہے گی کہ اس نے میرے اوپر ایسا ایسا کام کیا، یہی اس کی خبریں ہیں۔ (رواہ احمد، والترمذی، والنسائی، وابن حبان والبیہقی)(۳) اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب) سے واپس ہونگے یعنی لوگ حساب وکتاب سے فارغ ہو جانے کے بعد جو لوٹیں گے، تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ جہنمی قرار پاکر موقف حساب سے اپنے اپنے ٹھکانوں (جنت اور جہنم) کی طرف چلے جاویں گے۔ تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں، یہاں سبب (اعمال) بول کر مسبب (ان کے ثمرات ونتائج) مراد ہیں۔ یعنی وہ اپنے اعمال کے نتائج وثمرات دیکھیں گے(۴)۔ (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ......) سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کریگا، وہ اس کو (یعنی اسکے ثمرہ کو) دیکھ لیگا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا، وہ اس کو دیکھ لیگا۔ پہلی آیت میں "خیر" سے مراد وہ خیر ہے، جس کے آخرت میں معتبر ہونے کی شرط پائی جاتی ہو، اور وہ شرط نیکی والے کا مومن ہونا ہے۔ اس لیے کہ بغیر ایمان کے نیک عمل آخرت میں معتبر نہیں ہوتا ہے، گرچہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو کافر کو اس نیک عمل کا صلہ دیدیتے ہیں(۵) لہٰذا کافر نے کوئی نیک کام کیا ہے، اور کفر پر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے نیک کام

---

(۱) ابن کثیر: ۴/۵۷۵، معارف القرآن: ۸/۸۰۱، لیکن معارف القرآن میں یہ الفاظ ہیں کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کی بڑی چٹانوں کی صورت میں اگل دیگی الخ: احقر نے "ستون" سے ترجمہ اس لیے کیا ہے کیونکہ ابن کثیر کی روایت میں اسطوان، اور روح المعانی میں نقل کردہ روایت میں "أمثال الأسطوانات" کا لفظ وارد ہے۔ (۲) مظہری: ۱۰/۳۲۲، واختارہ التھانویؒ۔

(۳) تفسیر مظہری: ۱۰/۳۲۲، وابن کثیر: ۴/۵۳۹۔ (۴) روح المعانی: ۱۶/۳۷۹۔ (۵) دیکھئے سورہ "اسراء" میں رکوع: ۲، کی اس آیت "من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء" کی تفسیر بیان القرآن میں۔

کا آخرت میں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ خیر کی مذکورہ شرط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خیر آخرت میں باقی ہو، لہٰذا ایمان اور نیک عمل کے بعد اگر کوئی مرتد ہوگیا، تو وہ خیر (نیک عمل) رائیگاں ہوگیا، اس لیے اس کا صلہ بھی اس کو نہیں ملے گا، اسی طرح دوسری آیت میں "شر" سے مراد وہ برائی ہے، جو آخرت میں باقی بھی ہو، اگر باقی نہ ہو، مثلاً توبہ کے ذریعہ اس کی معافی ہوگئی، یا گناہ صغیرہ تھا، نیک عمل کے ذریعہ اسکی معافی ہوگئی، تو اس بدی کا صلہ بھی وہاں نہیں دیکھا جاویگا۔ چونکہ مذکورہ آیت " فمن یعمل مثقال ذرّۃ خیرا " میں ذرہ برابر خیر کے صلہ ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کسی کے دل میں ایمان ہے، البتہ اعمال صالحہ اس نے نہیں کیے، تو وہ ضرور جنت میں جائے گا، گرچہ اپنے برے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد جاوے اس لیے کہ ایمان سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہوسکتی ہے۔

اللغۃ: (زُلْزِلَتْ) زور سے جنبش دیا جائے، زور سے ہلایا جاوے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، باب بعثر (رباعی مجرد) سے، زَلْزَلَ یُزَلْزِلُ (رباعی مجرد) زَلْزَلَۃً وزِلْزَالًا: زور سے جنبش دینا (ہلانا) امام راغب نے فرمایا اس کے معنی میں تکرار ہے، یعنی زور سے بار بار ہلانا، اور یہ معنی کا تکرار حروف کے تکرار سے آیا ہے (۱)۔ (زِلْزَالَهَا) مصدر، بروزن فِعْلَالٌ، رباعی مجرد کا، اور زلزالها میں اضافت عہد کے لیے ہے، یعنی وہ سخت جنبش جو اسی دن کے ساتھ خاص ہے اس سے پہلے نہ ایسی کوئی جنبش پیش آئی ہوگی اور نہ ہی اس کے بعد (۲)۔ (أَثْقَالَ) اسم جامد، ثَقَل (ثا اور "قاف" دونوں کا فتحہ) کی جمع: مسافر کا ساز وسامان، ہر نفیس وعمدہ چیز جس کی حفاظت کی جائے، بوجھ (۳) ثِقْل (بکسر الثاء وسکون القاف) کی جمع بھی ہوسکتی ہے، جسکے معنی ہے: پیٹ کا حمل، یہاں بطور استعارہ یا تشبیہ دفینوں اور مردوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۴) (أَخْبَارَهَا) خبر کی جمع۔ (أَوْحٰی) وحی کی اس کو، حکم دیا اس کو، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق، مثبت معروف، باب افعال سے، أَوْحٰی إِلَيْهِ إِيْحَاءً (افعال): وحی بھیجنا، حکم دینا، زمین کو وحی وحی الہام بھی ہوسکتی ہے، اور فرشتہ کے ذریعہ بھی، دونوں کا احتمال ہے (۵)۔

(یَصْدُرُ) واپس ہوں گے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، صَدَرَ (ن) صَدْرًا، وَصُدُوْرًا عن المکان: واپس ہونا، لوٹنا۔ (أَشْتَاتًا) متفرق، مختلف، شتّ مصدر کی جمع، مصدر کو صفت کے لیے بطور مبالغہ استعمال کیا گیا ہے (۶) شَتَّ (ض) شَتًّا وشَتَاتًا: متفرق ہونا، وَالْأَشْيَاءَ: الگ الگ کرنا، بکھیرنا، لازم ومتعدی دونوں استعمال ہوتا ہے۔ (لِیُرَوْا) تاکہ انہیں دکھائے جائیں، دکھائے جانے کے لیے چونکہ دیکھنا لازم ہے، اس لیے حضرت تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے: "تاکہ دیکھیں" ہم نے لفظ کے قریب ہونے کی وجہ سے پہلا ترجمہ کیا ہے۔ صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع

---

(۱) لغات القرآن: ۳/۱۳۸۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/۳۷۴۔ (۳) فی الروح: ۱۶/۳۷۵: اثقال جمع ثقل بالتحریك وهو على فى القاموس، متاع المسافر وكل نفيس مصون الخ وفى: ۱۵/۱۷۱، تحت قوله تعالىٰ فى سورة الرحمٰن: " أيّهَ الثقلان" من ثقل الدابة وهو مايحمل عليها۔ (۴) روح المعانی: ۱۶/۳۷۵۔ (۵) روح المعانی ۱۶/۳۷۶۔ (۶) اعراب القرآن: ۸/۳۸۱۔

مجہول منصوب بحذف نون "لام کی" کے بعد پوشیدہ "ان" کی وجہ سے۔ أَرَىٰ يُرِيْ إِرَاءَةً (افعال): دکھانا (أعمال) عَمَل کی جمع، جو اصل کے اعتبار سے عَمِلَ (س) کا مصدر ہے، اور یہاں اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے (مِثْقَال) اسم مِفعال کے وزن پر اسم آلہ: کسی چیز کے وزن کرنے کا آلہ، وہ ثقیل ہو یا غیر ثقیل، کسی چیز کا ہم وزن، ہم مقدار (جس کی مختصر تعبیر برابر سے کی جاتی ہے) یہاں ہم مقدار کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۱)۔ ثَقَلَ الشَّيْءَ بِيَدِهٖ (ن) ثَقْلًا: ہاتھ میں لے کر تولنا، و ثَقُلَ (ک) ثِقَلًا وَ ثَقَالَةً: بھاری ہونا، وزنی ہونا (۲)۔ (ذَرَّة) اسم جامد، سرخ باریک چیونٹی، جو جلدی نظر نہ آئے، اور بقول بعض دن کے وقت سورج کی شعاعوں میں اڑتا ہوا، جو غبار نظر آئے، اس کو ذرہ کہتے ہیں، کسی چیز کی انتہائی قلت کو بیان کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے (۳) (خَيْرًا) اس کا استعمال تین طرح ہوتا ہے: (تفصیل لغات القرآن و صرفہ میں) یہاں اسم جامد ہے، اور نیکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کا بامحاورہ ترجمہ نیک عمل سے کیا گیا ہے۔ (شَرًّا) اس کا استعمال بھی تین طرح ہوتا ہے: (تفصیل لغات القرآن و صرفہ میں) یہاں حاصل مصدر (بدی) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کا بامحاورہ ترجمہ برے عمل سے کیا گیا ہے۔

ترکیب: (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا) وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (اذا) کے سلسلہ میں تفصیل سورہ نازعات، تکویر اور انفطار میں آچکی ہے، یہ یہاں جواب سے متعلق ہے، جو بقول بعض "تُحَدِّثُ" ہے، اور بقول بعض "یَکُوْنُ مَالَا یُدْرَكُ كُنْهُهٗ" (۴) یا اس کے مانند ہے۔ اور بقول بعض اذا ظرفیت محضہ کے لیے ہے، یعنی شرط کے معنی کو متضمن نہیں ہے، اس وقت اس کا عامل محذوف ہوگا "یُحْشَرُوْنَ" ای یحشرون اذا زلزلت"، اور بقول بعض ظرف اور شرط دونوں معنی سے خالی ہے، اور مفعول بہ ہے، فعل محذوف (اذکر) کا، ای: اُذْكُرْ اذا زلزلت الارض" یعنی اس وقت کو یاد کرو جب زمین سخت جنبش سے ہلادی جائے گی، اور جملہ: "زلزلت الارض "محلا مجرور اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، "زِلْزَالَهَا" مفعول مطلق نوع کے لئے۔ "وَاخرجت" زلزلت پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلا مجرور، "اَثْقَالَهَا" مفعول بہ، "وَقَالَ الْاِنْسَانُ" جملہ "زلزلت" پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور "ما" استفہامیہ مبتدا، "لها" خبر اور جملہ "مالها" محلا منصوب قال کا مقولہ ہونے کی وجہ سے، "یومئذ" بدل اذا سے، لہذا جس سے اذا متعلق ہوگا اسی سے یہ متعلق ہوگا، "اذا" میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "یوم اذ زلزلت" "تحدث" شرط غیر جازم (اذا) کا جواب جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور اگر "اذا" کا جواب محذوف مانیں تو یہ جملہ مستانفہ ہوگا، اور "یومئذ" "اذا" سے بدل نہیں ہوگا، اور تحدث کے متعلق ہوگا، باقی اذا ظرفیت محضہ اور مفعول بہ کی صورت میں پہلی ترکیب کی طرح بدل ہوگا۔ (اَخْبَارَهَا)

---

(۱) من الروح: ۴/ ۴۷، پارہ: ۵ رکوع: ۳، و اعراب القرآن: ۸/ ۲۵، پارہ: ۵، رکوع: ۳، و اعراب القرآن و صرفہ: ۳/ ۴۱۔

(۲) القاموس الوحید: ۱/ ۲۱۸۔ (۳) روح المعانی: ۱۶/ ۳۷۹، و ۴/ ۴۷۔ (۴) ایسی چیز پیش آئے گی جس کی حقیقت کا تصور و ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

مفعول بہ۔ (بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا) "با" حرف جر برائے سببیت، "ان ربك" "انّ" اور اس کا اسم، "اوحیٰ" محلاً مرفوع، انّ کی خبر ہونے کی وجہ سے، "لها" متعلق "اوحیٰ" کے، اور "ان" حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور، اور جار مجرور سے مل کر متعلق "تحدث" کے۔ (يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ) "یومئذ" "یصدر" کا ظرف "اشتاتا" حال، الناس، سے اور جملہ: "یصدر ......" مستانفہ، (لِّيُرَوْا) لام جارہ، بمعنی "کی" (تعلیل کے لئے) "یروا" فعل مجہول منصوب ان مقدرہ کی وجہ سے، اور ضمیر نائب فاعل، (اَعْمَالَهُمْ) مفعول بہ، چونکہ رویت بصری (آنکھوں سے دیکھنا) مراد ہے، اس لیے اس کو دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی، جو یہاں موجود ہے، ایک نائب فاعل ہے، جو پہلے مفعول بہ تھا، اور دوسرا "اعمالهم" ہے، اور جملہ: "يُرَوْا......" ان کا صلہ، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، ان اپنے صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق "یصدر" کے۔ (فمن يعمل مثقال ذرة خيرا) "فا" عاطفہ تفریعیہ، یا تفصیل کے لیے "من" اسم شرط جازم مبنی علی السکون، محلا مرفوع مبتدا ہونے کی وجہ سے "یعمل" فعل مضارع مجزوم من کی وجہ سے، اور ضمیر فاعل، جو راجع ہے من کی طرف (مثقال ذرة) مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ یعمل کا (خَيْرًا) تمیز "مِثْقَال" سے، "یرہ" فعل مضارع مجزوم، من شرطیہ کی جزاء ہونے کی وجہ سے، اور جملہ: "یرہ" چونکہ شرط جازم کا جواب ہے، اور جواب پر فا داخل نہیں ہے لہٰذا اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی تفصیل مقدمہ میں آچکی ہے، اور جملہ شرط: "یعمل" اپنے جواب "یرہ" سے مل کر محلا مرفوع "من" کی خبر ہونے کی وجہ سے، اور جملہ "من یعمل......" "فا" عاطفہ تفریعیہ کی صورت میں معطوف جملہ مستانفہ: "یصدر" پر لہٰذا معطوف علیہ کی طرح اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ اور "فا" کے برائے تفصیل ہونے کی صورت میں جملہ تفصیل "يُرَوْ......" کی (۱) اور جملہ تفصیلیہ کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے (۲) لہٰذا اس کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ (وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ) جملہ معطوف "من یعمل مثقال ذرة خيرا" پر اور باقی ترکیب معطوف علیہ کی طرح ہے (۳)۔

(۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ۝۱ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ۝۲ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ۝۳ پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ۝۴ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ۝۵ پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ

---

(۱) روح المعانی ۱۶/۳۷۹ (۲) زینی زادہ محل اعراب الکافیہ ص ۱۲ تحت قول ابن الحاجب: "فالمعرب ......"

(۳) ترکیب روح المعانی: ۱۶/۳۷۶ و اعراب القرآن محی الدین: ۸/۳۷۹ و اعراب القرآن و صرفہ: ۱۵/۳۸۲۔

لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ بیشک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ اور اس کو خود
بھی اس کی خبر ہے۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا
بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کیے جائیں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں۔
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ اور ظاہر ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَىِٕذٍ
لَّخَبِيْرٌ ۧ بیشک ان کا پروردگار ان سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

ربط: پہلی سورت میں خیر وشر پر جزا وسزا کو ذکر کیا گیا ہے اور اس سورت میں اس شخص کے تعنت (سرکشی) کو ذکر کیا گیا ہے، جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتا ہے، ظاہر ہے یہ اس کا بڑا شر ہے، جس پر اس کو سزا ملے گی(۱)۔

تفسیر: اس سورت کے شروع میں ان جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے، جو اپنے مالک کے اشارے پر اس کی سخت سے سخت خدمات میں بلکہ اس کی اطاعت کے لیے اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں، اور قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے، اور اس قسم کو جواب سے مناسبت ظاہر ہے کہ یہ جنگی گھوڑے، جنہیں ان کے مالک مجازی (انسان) نے پیدا نہیں کیا، اسی طرح ان کے دانے پانی اور دیگر ضروریات کو پیدا نہیں کیا، بلکہ خود ان گھوڑوں اور ان کی ساری ضروریات کا خالق مالک حقیقی (اللہ تعالیٰ) ہے، انسان نے صرف اتنا کیا کہ خدا تعالیٰ کا دیا ہوا دانہ پانی، ان کے آگے رکھ دیا، اس پر ان کی طرف سے اس شکر گزاری کا مظاہرہ ہوا کہ اپنے کو اس کی کامل اطاعت کے کھونٹے سے باندھ دیا، اور اس کے ساتھ وفاداری کو اپنا شعار بنا لیا۔

دوسری طرف کافر انسان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے ہر عضو کی تخلیق کی، اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل وشعور دیا، اور اس کی ضروریات اور اس کی آسائش وآرائش کی چیزوں کا اس کے لیے انتظام کیا، اور اپنے انعامات واحسانات کی اس پر بارش کر دی اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، اس کے باوجود وہ شکر کے بجائے ناشکری سے پیش آیا، اطاعت کے بجائے نافرمانی کو اختیار کیا، اگر وہ جنگی گھوڑوں کے سورت میں مذکور حالات میں غور کرے تو اس کا واضح اشارہ ملے گا کہ اس کا مذکورہ رویہ بالکل غلط ہے، اسے تو مالک حقیقی اور رب کائنات کا لمحہ لمحہ شکر گزار ہونا چاہئے، اور اس کی اطاعت سے تھوڑی دیر کے لیے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور جنگی گھوڑوں کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کیونکہ اہل عرب جنگ کے عادی تھے، لہٰذا ان کو ان سے مناسبت تھی، آگے ان آیات کی تشریح کی جاتی ہے جن میں مالک کے اشارہ پر جنگی گھوڑوں کی خدمات کو ذکر کیا گیا ہے۔

(وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا......) قسم ہے ان (جنگی) گھوڑوں (جو اپنے مالک کے حکم واشارہ پر) ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، یعنی تیز چلتے ہوئے ان کی آہنی نعل(۲) چٹان یا پتھریلی زمین پر پڑتی ہے تو آگ کی چنگاریاں جھڑتی ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں یعنی صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے اور جا پڑتے ہیں، عرب میں اکثر عادت یہ تھی کہ رات کے وقت دشمن پر حملہ کرنے کے لئے چلتے تھے تا کہ دشمن کو خبر نہ ہو، اور صبح ہوتے ہی دھاوا بول دیتے تھے، تا کہ

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۳۸۵۔ (۲) وہ آہنی (لوہے) کا حلقہ جو گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کے کھر میں لگایا جاتا ہے۔

جس کو قتل کرنا ہے، اور جو لینا ہے، اور جو چھوڑنا ہے، وہ نظر آ سکے(۱)۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں یعنی انتہائی تیزی سے چلتے اور دوڑتے ہیں کہ صبح کے وقت جبکہ گرد و غبار جما رہتا ہے، وہ بھی ان کی تیز دوڑ کی وجہ سے اڑنے لگتا ہے، اسی انتہائی تیز چلنے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے صبح کی قید لگادی گئی ہے، ورنہ گھوڑا جب بھی دوڑتا ہے، گرد و غبار اڑتا ہے۔ پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں (اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر) جا گھستے ہیں، بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، یہ جواب قسم ہے اور انسان سے مراد جنس انسان ہے اور یہ حکم اس کے بعض افراد (کافر انسان) کے اعتبار سے ہے(۲)۔ اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے یعنی وہ خدا کا ناشکرا ہے۔ اس کو وہ خود بھی جانتا ہے، ذرا تنہائی میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے سوچ کر دیکھے تو خود فیصلہ کر لے گا، کہ تیرا خدا تعالیٰ کے ساتھ موجودہ رویہ اس کی صریح ناشکری ہے۔ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔ یہ ناشکری کی علت کے درجہ میں ہے، کہ دنیا کے مال و زر کی محبت میں زیادہ انہماک اور غرق ہونے کی وجہ سے اس کے اندر خدا فراموشی، ناشکری کی بات پیدا ہوئی ہے، مال سے محبت کا یہی درجہ شرعاً مذموم ہے، کہ اتنی محبت ہو جائے، کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے، اور حلال و حرام کی پرواہ نہ رہے، باقی مال سے اتنا تعلق کہ اس کو دنیاوی ضرورت پورا ہونے کا ذریعہ سمجھے، اور احکام خداوندی میں کوئی کوتاہی لازم نہ آئے، دل میں صرف خدا ہی کی محبت ہو، مال آجائے، تو شکر سے پیش آئے، نقصان ہو جائے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو یہ شرعاً مذموم نہیں ہے، اگلی آیت میں ناشکری اور مال کی مذکورہ درجہ میں محبت پر وعید ہے۔ (أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ......) کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کیے جائیں گے، جتنے مردے قبروں میں ہیں اور ظاہر ہو جاویگا جو کچھ دلوں میں ہے، یعنی وہ وقت آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کیے جاویں گے، اور دلوں میں جو چیز چھپی ہوئی ہیں، سب ظاہر اور کھول دی جاویں گی، اس وقت اس ناشکری اور دنیا کی محبت میں انہماک اور خدا فراموشی کی سزا کا پتہ چل جائے گا، اگر اس بے حیا کو اس کا علم و یقین ہوتا، تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر خدا فراموشی اور اس کی ناشکری نہ کرتا۔ بلاشبہ ان کا پروردگار ان سے اس روز پورا آگاہ ہے یعنی جس دن لوگوں کو زندہ کیا جاویگا، اس دن ان زندہ کیے جانیوالوں کی ذات اور احوال و صفات کا اس کو پوری طرح علم ہوگا، ذات کا علم یہ کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے، اور احوال و صفات کے علم سے ان کے اعمال و اخلاق مراد ہیں، یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو "جمیع ما کان و ما یکون" کا اس وقت بھی علم ہے، اُس دن علم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن بھی گرچہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ظاہر و باطن کا علم ہے، لیکن یہ علم لوگوں پر ظاہر نہیں ہے، اس دن ایسا علم ہوگا کہ ہر شخص پر یہ علم ظاہر ہو جائے گا، اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی(۳)۔

اللغة: (الْعَادِيَات) دوڑنے والے، اسم فاعل جمع مؤنث، اس کا واحد "الْعَادِيَة" ہے(۴) عَدَا (ن) عَدْوًا و عُدُوًّا و عَدَوَانًا: دوڑنا، (ضَبْحًا) مصدر، ضَبَحَ الخيلُ (ف) ضَبْحًا و ضُبَاحًا: دوڑنے کے وقت سانسوں کا پیٹ میں آواز کرنا(۵)

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۳۸۷۔ (۲) روح: ۱۶/۳۹۱۔ (۳) تفسیر عثمانی ص: ۸۰۰۔ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۸۸۔

(۵) روح المعانی: ۱۶/۳۸۶۔

جس کو اردو میں "ہاپنا" کہتے ہیں۔ (اَلْمُوْرِیَاتِ) آگ جھاڑنے والے، صیغہ جمع مؤنث، بحث اسم فاعل باب افعال سے، اس کا واحد "المورية" ہے۔ أَوْرَیٰ اِیْرَاءً: آگ نکالنا(۱)، (قَدْحًا) مصدر، قَدَحَ (ف) آگ نکالنے کے لیے چقماق(۲) کو چقماق پر یا پتھر کو پتھر پر یا لوہے کو لوہے پر مارنا، رگڑنا۔(۳) (اَلْمُغِيْرَاتِ) تاخت تاراج کرنے والے (حملہ کرنے والے) صیغہ جمع مؤنث، بحث اسم فاعل، باب افعال سے، واحد المغيرة۔ أَغَارَ على العَدُوِّ يُغِيْرُ إِغَارَةً (افعال): لوٹ یا قتل یا قیدی بنانے کے لیے دشمن پر اچانک گھوڑوں کو لے کر حملہ کرنا(۴)، اسی کو "تاخت تاراج کرنا" کہا جاتا ہے(۵)۔ (اَثَرْنَ) اڑاتے ہیں، صیغہ جمع مؤنث غائب. بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے، اصل میں "اَثْوَرْنَ" تھا، جیسے: "اَقَمْنَ" اصل میں اَقْوَمْنَ تھا بقاعدہ یَقَالُ واو کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دیدی، اس کے بعد واو کو الف سے بدل کر اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا گیا اَثَرْنَ ہو گیا، اَثَارَ (افعال) اِثَارَۃ: گرد و غبار وغیرہ اڑانا۔ (نَقْعًا) اسم جامد اڑتا ہوا غبار، جمع نِقَاع و نُقُوع۔ (وَسَطْنَ) بیچ میں جا گھستے ہیں، صیغہ جمع مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، وَسَطَ (ض) وَسْطًا، وَسِطَةً المكانَ او القومَ: بیچ میں جا گھسنا، سے (جَمْعًا) اسم جامد، جماعت، جمع جُمُوْعٌ۔ (كَنُوْدٌ) بڑا ناشکرا، بروزن "فَعُول" صیغہ مبالغہ، كَنَدَ النِّعْمَةَ (ن) كُنُوْدًا: نعمت کی ناشکری کرنا۔ (شَهِيْدٌ) خبر رکھنے والا، بروزن "فعیل" بمعنی فاعل، صفت مشبہ، شَهِدَ (س) شُهُوْدًا: حاضر ہونا، سے ماخوذ ہے، اور چونکہ حضور بول کر علم سے کنایہ ہوتا ہے، اس لیے کہ حضور علم کا سبب ہے، اس لیے یہاں عالم اور باخبر کے معنی میں ہے، مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔

(حُبّ) مصدر حَبَّ الإنسانُ او الشيءُ حُبًّا (ن) محبوب و پسندیدہ ہونا، و فُلَانًا: محبت کرنا۔ (الخير) مال، اور بعض نے مال کثیر کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے اور اس معنی میں اسم جامد ہے(۶)۔ (شَدِيْدٌ) قوی، مضبوط، فعیل بمعنی فاعل صفت مشبہ، اس معنی کی صورت میں "لحب الخير" کا لام بمعنی "فی" ہوگا: ای انه فی حب الخير لشديد، وہ مال کی محبت میں بڑا پکا ہے، پکا ترجمہ شَدِيْد کا اور "بڑا" لام تاکید کی وجہ سے ہے۔ شَدَّ الشيءُ (ض) شِدَّةً: قوی و مضبوط ہونا، (بُعْثِرَ) دیکھیے سورہ انفطار میں "بُعْثِرَتْ" (حُصِّلَ) آشکارا (ظاہر) کر دیا جائے گا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت مجہول، حَصَّلَ تَحْصِيْلًا (تفعیل) سے، جس کے اصلی معنی ہے: چھلکے سے گودا نکالنا، جیسے سونے کی کان کے پتھر سے سونا نکالنا، اور بھوسے سے گیہوں نکالنا، چونکہ اس کے لیے افراز (ممتاز و علیحدہ کرنا) اور ظاہر کرنا، لازم ہے، اس لیے یہ ظاہر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اسی لازمی معنی میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا مذکورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (خَبِيْرٌ) آگاہ، خبر رکھنے والا، فعیل کے وزن پر بمعنی فاعل صفت مشبہ، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، خَبَرَ الشيءَ وبِهٖ

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۳۸۶۔ (۲) ایک پتھر جس سے آگ نکلتی ہے۔ (۳) روح المعانی: ۱۶/۳۸۶، واعراب القرآن: ۸/۳۸۴۔)

(۴) روح المعانی: ۱۶/۳۸۷۔ (۵) جیسا کہ حضرت "تھانوی" نے بھی ترجمہ فرمایا ہے، اور حضرت "شیخ الہند" کا ترجمہ "غارت ڈالتے ہیں" بھی اسی مفہوم کی دوسری تعبیر ہے، اس لیے کہ غارت کے ایک معنی حملہ کرنا بھی آتے ہیں۔ (۶) روح المعانی: ۱۶/۳۹۲۔

(ن) خَبراً وخُبراً وخِبراً: حقیقت حال سے واقف ہونا، المعجم الوسیط ص: ۲۱۳، اور مصباح اللغات میں "فتح" اور "کرم" سے بھی ذکر کیا ہے۔

ترکیب: (وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا) "واو" حرف جر برائے قسم، "ال" موصولہ (عادیات) صیغہ اسم فاعل ضمیر "ھن" پوشیدہ محلاً مرفوع فاعل، "ضبحا" مفعول مطلق فعل محذوف "تَضْبَحُ" یا "يَضْبَحْنَ" کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر حال العادیات کی ضمیر فاعل سے، عادیات صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور حال سے ملکر صلہ "ال" کا "ال" موصولہ اپنے صلہ سے ملکر صفت موصوف مقدر (الخیل) کی، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا اُقْسِمُ فعل مقدر کا، اور جملہ: "(اقسم) و العادیات" ابتدائیہ۔ (فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا) "فا" عاطفہ برائے ترتیب "الموریات" پوری ترکیب "العادیات ضبحا" کی طرح ہوکر معطوف العادیات پر، فالمغیرات حسب سابق ترکیب ہوکر معطوف العادیات پر، "ضبحا" ظرف المغیرات کا، (فَأَثَرْنَ بِهِ) معطوف "مغیرات" پر چونکہ وہ "ال" کا صلہ ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا معطوف "اثرن" کے لیے بھی کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور چونکہ مغیرات معنی میں فعل کے ہے اس لیے کہ اسم فاعل فعل کے معنی میں ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ صلہ ہو لہٰذا المغیرات معنی میں التی اغرن کے ہوا، اس لیے پوری طرح فعل کا اسم پر عطف لازم نہیں آیا بلکہ معطوف اور معطوف علیہ میں صرف لفظی مخالفت ہے (۱)۔ (فَوَسَطْنَ) "فا" عاطفہ برائے ترتیب اور جملہ: "وسطن......" جملہ: "فاثرن......" پر معطوف "بہ" متعلق "وسطن" کے، "جمعا" مفعول بہ (ان الانسان لربہ لکنود) "لربہ" "کنود" کے متعلق، لام ابتدائیہ، جس کو لام مزحلقہ بھی کہا جاتا ہے، "کنود" خبر، اور جملہ: "ان الانسان......" جواب قسم، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، (وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ) "واو" عاطفہ "علی ذالك" متعلق "شھید" کے اور شھید خبر اور جملہ: "انه علی ذالك" معطوف جواب قسم (ان الانسان—) پر (وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ) پہلے جملہ کی طرح ترکیب ہوکر معطوف جواب قسم پر۔ (أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ) ہمزہ برائے استفہام انکاری "فا" عاطفہ، معطوف علیہ محذوف جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "ایفعل القبائح فلایعلم" "لایعلم" فعل ضمیر پوشیدہ (ھو) محلاً مرفوع فاعل، اور جملہ مقدرہ: "ایفعل......" مستانفہ، "اذا" مفعول بہ لایعلم کا، یہی ترکیب ترجمہ کے مطابق ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ لایعلم کا مفعول بہ محذوف ہو، اور تقدیری عبارت اس طرح ہو، أَفَلَا يَعْلَمُ الْآنَ مَآلَهُ إِذَا بُعْثِرَ، (کیا اس وقت وہ اپنے اس وقت کے انجام کو نہیں جانتا ہے جس وقت کہ زندہ کیا جاوے گا) اس وقت اذا کائنا کا ظرف ہوگا، اور کائنا حال ہوگا، مآله سے (۲)، اور جملہ: "بُعْثِرَ" محلاً مجرور، اذا کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، "ما" موصولہ، محلاً مرفوع نائب فاعل "فی القبور" یوجد یا اس کے مانند فعل کا ظرف مستقر ہوکر صلہ "ما" کا (وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ) واو عاطفہ جملہ "بعثر" کی طرح ترکیب ہوکر معطوف جملہ

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/ ۳۸۷۔ (۲) حاشیہ بیان القرآن۔

"خبر" ہے (ان ربھم بھم یومئذ لخبیر) "بھم یومئذ" دونوں خبیر کے متعلق، "خبیر" خبر ان کی، اور جملہ "ان
(بھم ...... مستانفہ ہے جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے (۱)۔

(۱۰۱) سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

اَلْقَارِعَۃُ ۙ وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔ مَا الْقَارِعَۃُ ۚ کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا
الْقَارِعَۃُ ؕ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ
الْمَبْثُوْثِ ۙ جس روز آدمی بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ
اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (۲)۔
فَهُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ اور جس شخص کا پلہ ہلکا
ہوگا۔ فَاُمُّهٗ هَاوِیَۃٌ ؕ اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ؕ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔
نَارٌ حَامِیَۃٌ ۠ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

ربط: اس کا ربط پہلی سورت سے ظاہر ہے (۳) کہ پہلی سورت میں آیت "افلا یعلم اذا بعثر" میں قیامت سے متعلق مضمون ہے، اور اس سورت میں بھی قیامت سے متعلق مضمون ہے۔

تفسیر: (القارعۃ ما القارعۃ...) وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ اس سے مراد قیامت ہے، جو دلوں کو گھبراہٹ اور کانوں کو سخت آوازوں سے کھڑکھڑا دیگی، اگلی آیت میں اس کے وقت کا بیان ہے۔ جس روز آدمی بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جاویں گے، بکھرے ہوئے پروانوں کے ساتھ تشبیہ چند چیزوں میں ہے، کثرت، ضعف، بےجائی اور حرکت کی بے انتظامی میں، یعنی اس دن لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، اس لیے کہ سارے اولین وآخرین انسان ایک میدان میں جمع ہوںگے، اور ضعیف و کمزور، اور بے تاب و پریشان ہوںگے، نیز بغیر کسی نظام و ترتیب کے ادھر ادھر پھریں گے (۴) لیکن بے تابی اور بے چینی کی کیفیت اللہ تعالی کے نیک بندوں میں نہیں ہوگی وہ اپنی قبروں سے مطمئن اٹھیں گے (۵)۔ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے، پہاڑوں کے رنگ مختلف ہیں، کوئی کالا، کوئی سفید، کوئی لال، کوئی ہرا اور کوئی اس کے علاوہ، قیامت کے دن جب ان کو ریزہ ریزہ کردیا جائے گا، اور وہ سب فضا میں اڑتے پھریں گے، تو ایسے لگیں

---

(۱) اعراب القرآن: ۸/۳۶۹، و اعراب القرآن و صرفہ: ۱۵/۳۹۔ (۲) موازین سے پہلے "کفۃ" بمعنی ترازو کا پلہ محذوف ہے، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ روح المعانی: ۱۵/۱۱۵۔ (۱) اعراف (۳) روح المعانی۔ (۴) روح المعانی: ۱۶/۳۹۲۔ (۵) تبیان القرآن: ۱۳/۱۱۵۔

کے، جیسے دھنکی ہوئی رنگین روئی ہوتی ہے، جس میں مختلف رنگ کے بال ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس روز اعمال انسانی تولے جائیں گے، جس کا اگلی آیت میں بیان ہے۔ پھر جس شخص کا (ایمان والا) پلہ بھاری ہوگا (یعنی وہ مؤمن ہوگا) تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا، اور جس شخص کا (ایمان والا) پلہ ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا، اور آپ کو کچھ معلوم ہے، کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے، (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ آخرت میں وزن اعمال برحق ہے، اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اور یہ دو بار ہوگا، پہلا مؤمن اور کافر کے درمیان امتیاز کے لیے ہوگا، جو شخص مؤمن ہوگا، خواہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، اس کا پلہ بھاری ہوگا، جس کے نتیجہ میں اس کو خاطر خواہ آرام ملے گا، خواہ شروع ہی سے، جب کہ وہ مؤمن کامل ہو، یا گنہگار ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے، یا سزا بھگتنے کے بعد آرام ملے گا، جب کہ وہ گنہگار ہو، اور ابتداءً اس کی معافی نہ ہو، اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا، یعنی وہ کافر ہوگا، اور پلہ کے ہلکا ہونے کی وجہ ایمان کی قلت نہیں ہے، بلکہ ایمان کا نہ ہونا ہے، یعنی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ایمان والا پلہ خالی ہوگا، تو اس شخص کا ٹھکانا، "ہاویہ" ہوگا، جس کی وضاحت دہکتی ہوئی آگ سے کی گئی ہے، مذکورہ آیت میں مؤمن اور کافر کی تول کو بیان کیا گیا ہے، جس پر قرینہ یہ ہے کہ سورہ "مؤمنون" میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے، "فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ" (۱) یہاں دوسرے فریق کے لیے فی جهنم خالدون کا لفظ بتاتا ہے، کہ "من خفت موازينه" سے مراد کافر ہے، اس لئے کہ کافر ہی ہمیشہ کیلئے جہنم میں جائیں گے اور جب اس سے مراد کافر ہے تو "من ثقلت" سے مراد مطلق مؤمن ہوگا۔

اور دوسری تول اہل ایمان کے اعمال کی ہوگی، یعنی مؤمنین کے اعمال تولے جائیں گے، جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا، تو وہ ابتداءً ہی سے جنت میں جائے گا، اور جس شخص کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا، وہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں، اس تول پر سورہ انبیاء رکوع: ۳ کی یہ آیت دلیل ہے "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ" (۲) "مثقال حبة" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ چھوٹے سے عمل تک کو تولا جائیگا (۳)۔

اللغۃ: (اَلْقَارِعَةُ) کھڑکھڑانے والی، اصلاً اسم فاعل واحد مؤنث ہے، قَرَعَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ (ف) قَرْعًا: کسی چیز کو کسی چیز سے زور سے مارنا، اردو میں اس کو کھڑکھڑانا کہتے ہیں، قیامت چونکہ دلوں کو گھبراہٹ اور کانوں کو سخت آوازوں سے

---

(۱) سورہ مؤمنون، رکوع: ۶، ترجمہ: سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا، تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے، اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا، تو یہ وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنا نقصان کیا، اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں۔

(۲) ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے، سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا، اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا، تو ہم اس کو حاضر کردیں گے، اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ (۳) از بیان القرآن۔ (سورہ اعراف، رکوع: ۱)

کھڑکھڑادے گی، اس لیے قارعۃ بعد میں قیامت کا علم وصفی ہوگیا(۱)۔ (اَلْفَرَاشِ) اسم جامد، فَرَاشَۃٌ، کی جمع: وہ پرندہ جو آگ میں گرتا ہے، اردو میں اس کو پروانہ اور پتنگا کہتے ہیں۔ بقول بعض "الفراش" اسم جنس جمعی ہے(۲)۔ (اَلْعِهْنِ) مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی اون۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے(۳)، اور ہمارا ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہے، اس کی جمع عُهُوْن آتی ہے۔ (المعجم الوسیط)(اَلْمَنْفُوْشِ) دھنکی ہوئی، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم مفعول، نَفَشَ القُطْنَ او الصوفَ (ن) نَفْشًا: روئی یا اون دھنکنا، اس لفظ کے اور بھی معانی آتے ہیں، ترجمہ کے مطابق جو معنی تھے، وہ بیان کیے گئے ہیں۔ (ثَقُلَتْ) بھاری ہوگا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، ثَقُلَ (ک) ثِقَلًا، وَثَقَالَۃً: بھاری ہونا، وزنی ہونا، (مَوَازِيْنُ) ترازو مِیْزَانٌ بروزن مِفْعَالٌ اسم آلہ بمعنی ترازو کی جمع ہے، اور اس سے پہلے كِفَّةُ (بمعنی پلہ یا پلڑا) مضاف پوشیدہ، تقدیری عبارت ہے: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ كِفَّةُ مَوَازِيْنِه (پھر جس شخص کی ترازو کا پلہ بھاری ہوگا)۔

مشہور اور صحیح قول یہی ہے، کہ میزان ایک ہوگی، اور ایک ہونے کے باوجود موازین (جمع) لانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس ترازو سے چوں کہ اتنا کام لیا جائے گا، جتنا بہت سی ترازو سے لیا جاتا ہے، اس لیے وہ ایک ترازو بہت سی ترازوؤں کے قائم مقام ہوگی(۴)۔ (عِيْشَةٍ) زندگی، گزران، عَاشَ کا مصدر، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے! سورہ "نبا" میں مَعَاشًا۔ (رَاضِيَةٍ) خاطر خواہ، من پسند، یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہے، اس لیے کہ اسم فاعل ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ معنی مصدری کا قیام بطور حدوث ہوتا ہے، ظاہر ہے رضا (خوش ہونا) کا قیام عِيْشَة کے ساتھ نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ذی روح کی صفت ہے، لہٰذا یہاں فاعل کا وزن نسبت کے لیے ہے، جیسے: "لَابِن" (دودھ والا) "تَامِر" (کھجور والا) لہٰذا راضیۃ کے معنی ہوئے، خوشی والی

---

(۱) بیان القرآن، و اعراب القرآن: ۸/۳۹۲۔

(۲) اسم جنس جمعی: وہ لفظ ہے جو جمع کے معنی یعنی تین یا تین سے زیادہ پر دلالت کرے، اور اس کا فرق اس کے واحد سے گول "ۃ" یا "ی" کے ساتھ ہوتا ہو، یعنی "ۃ" یا "ی" نسبتی کے ساتھ وہ واحد پر دلالت کرتا ہو، مثلاً نخل (بہت) کھجور کے (درخت) نخلۃ (کھجور کا ایک درخت) اسی طرح فراش اور فراشۃ ہے، اور "عرب" بہت سے عربی، اور "عربی" (عرب کا ایک رہنے والا ایک)۔ اس طرح کے لفظ کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ جمع تکسیر ہے، یا جمع نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل قسم ہے، "النحو الوافی" میں پہلی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ مذکورہ لفظ کے احکام میں سے ایک حکم ہے کہ اس کی صفت مفرد مذکر بھی لائی جاسکتی ہے، لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے اور واحد مؤنث بھی لائی جاسکتی ہے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے، اس لئے کہ جماعت کے معنی میں ہے، اور جمع مکسر اور جمع مؤنث سالم بھی۔ بالترتیب مثالیں: "نخل منقعر" "نَخْلٍ خاوِيَة" "السحاب الثقال" "النخل باسقات" یہی حکم اسم اشارہ اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر کا ہے (النحو الوافی ۱/۲۲۳ و ۴/۲۲۹، و حاشیہ جلالین ص ۴۳۰ تحت قوله تعالیٰ: جراد منتشر) اس تفصیل کی روشنی میں لفظ فراش کی "مبثوث" واحد مذکر صفت ہونے کی وجہ امید ہے کہ سمجھ میں آگئی ہوگی۔ (۳) روح المعانی: ۱۵/۲۶۸، و اعراب القرآن: ۸/۶۳، سورہ معارج۔ (۴) از روح المعانی: ۵/۱۳۵، سورہ اعراف رکوع: ۱۔

یعنی جس سے رضا وخوشی کا تعلق ہے بایں معنی کہ انسان اس سے خوش ہوگا[۱]۔ مزید لغات القرآن وصرفہ میں۔

(خَفَّتْ) ہلکا ہوگا، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، خَفَّ (ض) خفًّا وخِفَّةً: ہلکا ہونا، وزن میں کم ہونا۔ (اُمُّ) ٹھکانا، اسم جامد، گھبراہٹ کے وقت ماں بچہ کا ٹھکانا ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ معنی میں "ام" کا استعمال بطور تشبیہ کے ہوا ہے[۲]۔ (هَاوِيَةٌ) اسم جامد، اصل معنی گڑھا، اور مراد آگ ہے یہ آگ چوں کہ جس جگہ ہوگی، وہ انتہائی گہرا مقام ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: جہنمی لوگ گرنے کے ستر سال بعد اس کے نیچے کے حصہ میں جا کر گریں گے۔ اس لیے اس کو ھاویہ (گڑھا) کہا گیا ہے۔ (هِيَهْ) "هی" ضمیر مرفوع منفصل ہے، اور "ها" اس کے آخر میں سکتہ کی ہے، جو اکثر قراء کے نزدیک وصل ووقف دونوں حالتوں میں ثابت ہے[۳]۔ (حَامِيَةٌ) دہکتی ہوئی، تیز گرم، سورہ غاشیہ میں یہ لفظ گزر چکا ہے۔

ترکیب: (اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝) "القارعة" مبتدا "ما" اسم استفہام محلاً مرفوع مبتدا، "القارعة" خبر، یہ ترکیب "سیبویہ" کے مذہب کے مطابق ہے، اور یہی مشہور ہے، بعض حضرات اس کے برعکس ترکیب کرتے ہیں کہ "ما" خبر مقدم اور "القارعة" مبتدا مؤخر[۴] اور جملہ: "ما القارعة" محلاً مرفوع خبر القارعة کی، یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جملہ کے خبر واقع ہونے کی صورت میں مبتدا سے ربط کے لیے کسی رابطہ کا ہونا ضروری ہے، یہاں رابطہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رابطہ کی مختلف شکلیں ہیں، ایک یہ بھی ہے، کہ جملہ میں مبتدا کو اس کے لفظ کے ساتھ لوٹا دیا جائے، یہاں یہ شکل پائی جا رہی ہے[۵]۔ اور جملہ: "القارعة ......" ابتدائیہ۔ (يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ) "یوم" ظرف فعل محذوف (تَقْرَعُ) کا جس پر "القارعَة" دلالت کر رہا ہے، (کالفراش) محذوف (کائنین) کے متعلق ہو کر خبر (المبثوث) صفت، اور جملہ: "یکون الناس ......" محلاً مجرور یوم کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ) واو عاطفہ، اور جملہ محلاً مجرور جملہ: "یکون الناس ..." پر معطوف ہونے وجہ سے۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ "فا" استئنافیہ[۶] "اَمَّا" حرف شرط وتفصیل، "من" اسم شرط مبتدا، "ثقلت" محلاً مجزوم، شرط، اور جملہ: "هو فی عیشة ......" محلاً مجزوم شرط

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/ ۳۹۸، واعراب القرآن: ۸/ ۵۵ (سورہ حاقہ) و: ۸/ ۳۹۶۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/ ۳۹۹، ومثلہ فی حاشیہ جلالین: ۵۰۵۔ (۳) "ہائے سکتہ" کے لیے دیکھیے لغات القرآن وصرفہ۔ (۴) شرح جامی مع محرم آفندی: ۱/ ۲۰۶، (تقدیم مبتدا کا بیان) "محمود" آلوسی نے دوسری ترکیب کے بارے میں فرمایا ہے: "وَرُجِّحَ معنًى" روح المعانی: ۱۶/ ۶۸، (سورہ حاقہ) معنی راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی ترکیب میں معرفہ کے ہوتے ہوئے مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری ترکیب میں ایسا نہیں ہے۔

(۵) روح: ۱۶/ ۲۰۶۔ (۶) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/ ۳۹۴، اور صاحب روح نے "فا" برائے ترتیب قرار دیا ہے، اس وقت اس کا مابعد اس مضمون پر معطوف ہوگا، جو ماقبل سے سمجھا جا رہا ہے، ای: یتخوفون فاما من ثقلت موازینہ فی الروح: والفاء للدلالة على ترتب مابعدها على ما يُشير إليه ما قبلها (روح المعانی: ۱/ ۳۳۶، تحت قولہ: "فاما الذين آمنوا فيعلمون انه الحق" پارہ ۱، رکوع: ۳)۔

کا جواب، اور جملہ شرط وجزا سے مل کر خبر من کی، اور جملہ "من ثقلت..." مستانفہ۔ (وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ) واو عاطفہ اور جملہ "من خفت..." معطوف، جملہ: "من ثقلت" پر باقی ترکیب سابق جملہ کی طرح ہے۔ (وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ) "وما ادراك" سورہ انفطار میں بعینہٖ انہیں الفاظ کے ساتھ یہ جملہ آچکا ہے، وہاں ترکیب دیکھ لی جائے، "ما ھی" "ما القارعۃ" کی طرح۔ (نَارٌ حَامِيَةٌ) موصوف صفت سے مل کر خبر ھی مبتدا محذوف کی، اور جملہ: "(ھِیَ) نَارٌ......" مستانفہ بیانیہ (1)۔

آیاتها ۸ (۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶) رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ فخر کرنا تم کو غفلت میں رکھتا ہے۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو جلد معلوم ہو جائے گا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ پھر ہرگز نہیں تم کو جلد معلوم ہو جائیگا۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ پھر واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔

ربط: اس سے پہلی سورت میں آخرت میں کامیاب اور ناکام دو طبقوں کا ذکر آیا ہے، اس کو سن کر عقل مند آدمی کا کام یہ ہے کہ آخرت کی فکر کرے، اور اس کے لیے تیاری پر اپنا پورا دھیان رکھے، لیکن اس کے باوجود لوگوں کا ایک طبقہ ہے، جو آخرت سے غافل ہو کر اپنا انہماک واشتغال دنیا اور اس کے ساز وسامان میں رکھتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی مذکورہ بالا سورت میں مذمت ہے۔

تفسیر: (اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ......) فخر کرنا تم کو غفلت میں رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ یعنی مال واولاد اور دنیاوی ساز وسامان پر فخر کرنا (کہ میرے پاس اتنا مال ہے، میرا مکان ایسا، میری گاڑی ایسی اور میرے پاس ساز وسامان اتنا اور ایسا ہے) تم کو آخرت سے غافل کیے رکھتا ہے، اس لیے کہ دنیا اور اس کے سامان پر فخر دنیا سے محبت اور اس کی طلب ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے لہٰذا آخرت سے غفلت لازم ہے، اور آخرت سے غفلت کا یہ سلسلہ اس وقت تک رہتا ہے کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو جلد معلوم ہو جائیگی، یعنی دنیا اور اس کا ساز وسامان، ہرگز اس لائق نہیں کہ اس پر فخر کیا جائے، اور آخرت سے غفلت برتی جائے، عنقریب (مرنے کے بعد) تم کو اس کا پتہ چل جائے گا، کہ دنیا اور

---

(1) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۹۵۔

اس کی چیزیں ہرگز فخر کے لائق نہیں تھیں، اگلی آیت "ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" میں بھی بطور تاکید کے یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ (كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ) ہرگز نہیں، اگر تم یقینی طور پر جان لیتے، یہ تیسرا "كلا" بھی پہلے "كلا" کے مضمون کی تاکید ہے، اور "لو تعلمون علم اليقين" کی جزا محذوف ہے: لَشَغَلَكُمْ عَنِ التَّكَاثُرِ (۱) یعنی اگر تم آخرت کو (دلائل صحیحہ واجب الاتباع سے) یقینی طور پر جان لیتے (جیسا کہ یہی یقین مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہوگا) تو یہ (یقین) تمہیں تکاثر (تفاخر) سے باز رکھتا، اور تم آخرت سے غفلت کے بجائے اس پر پورا دھیان دیتے، لیکن اس وقت تمہیں آخرت کا یقین نہیں ہے۔ اس لیے غفلت میں پڑے ہو۔ (لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ○) یہ پہلی وعید کی تاکید اور تہدید (دھمکی) کی تشدید (۲) ہے کہ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ دیکھو گے (پھر مکرر تاکید کے لیے کہا جاتا ہے کہ) واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے، جو کہ خود یقین ہے، ایک رویت استدلالی ہوتی ہے، جس پر یقین کا ترتب کبھی دیر میں ہوتا ہے، اور ایک رویت مشاہدہ والی ہے، جس پر فوری یقین کا ترتب ہوتا ہے، چونکہ اس پر فورا یقین کا ترتب ہوتا ہے، نیز اس میں انکشاف ۔ -لال سے زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس کو "عين اليقين" (نفس یقین) فرمایا گیا، واضح ہو کہ شروع سورت سے لے کر یہاں تک کے تمام صیغوں کے مخاطب کفار ہیں، اس کا قرینہ ایک تو ردع وزجر ہے۔ دوسرے جہنم کا دیکھنا ہے (۳)۔ (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ) پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔ یعنی قیامت کے روز تم سب سے اللہ تعالی کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی کہ ایمان، اطاعت کے ذریعہ ان کا شکریہ ادا کیا یا کفر و معصیت کے ساتھ زندگی گزار کر ان کی ناشکری کی، یہ خطاب کفار کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے، اہل ایمان سے بھی سوال ہوگا، اور دلیل اس کی حضور ﷺ کا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو یہ فرمانا ہے: "لَتُسْئَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ" (تم لوگوں سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا)۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز بندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے سوال ہوگا، وہ تندرستی ہے، اس کو کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں تندرستی نہیں دی تھی؟ اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا (۴)۔

اللغة: (أَلْهٰى) غافل کر دیا، مراد چونکہ استمرار ودوام ہے، اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "غافل کیے رکھتا ہے" صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، باب افعال سے۔ أَلْهٰى يُلْهِيْ إِلْهَاءً: غفلت میں ڈالنا، غافل بنانا۔ (التَّكَاثُرُ) مصدر، باب تفاعل کا، مال واولاد کی کثرت پر فخر کرنا۔ (۵) (زُرْتُمْ) تم چلے جاتے ہو، صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، زَارَ (ن) زِيَارَةً، وَزَوْرًا ومَزَارًا: دیکھنا، کسی کے پاس انس حاصل کرنے یا کسی اور ضرورت سے جانا (۶)

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۴۰۳۔ اس کے مانند کوئی اور جواب بھی مانا جاسکتا ہے۔ (۲) وعید کو سخت کرنا۔ (۳) بیان القرآن۔

(۴) رواه الترمذی عن ابی هریرةؓ (ابن کثیر: ۴/۵۴۶) (۵) روح المعانی ۱۵/۲۵۸ (ملتان)۔ (۶) از لغات القرآن: ۲/۱۳۲، والمعجم الوسیط ص: ۴۰۶۔

(مَقَابِرَ) قبرستانوں، مَقْبَرَةٌ بروزن "مَفْعَلَةٌ" کی جمع، جو اسم ظرف برائے مکان ہے، اور تا اس میں مبالغہ کے لیے ہے، قَبَرَ (ن) قَبْرًا: دبانا، دفنانا، سے۔ (۱) (اَلْيَقِيْنَ) یقینی چیز، بروزن "فَعِيْل" صفت مشبہ (۲) يَقِنَ الشَّيْءُ (س) يَقْنًا وَيَقِيْنًا: واضح ہونا، ثابت ہونا، یقینی ہونا، وَالشَّيْءَ وَبِهٖ: جاننا، یقین کرنا، (لازم ومتعدی دونوں استعمال ہوتا ہے) "يقين" فعیل بمعنی فاعل بھی ہوسکتا ہے اس وقت یہ لازم سے ماخوذ ہوگا (۳)، اور فعیل بمعنی مفعول بھی ہوسکتا ہے، اس وقت یہ متعدی سے ہوگا، اور مُتَيَقَّن (جس کا یقین کیا جائے) کے معنی میں ہوگا صاحب "روح" نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور علم کی یقین کی طرف اضافت موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ اصل میں "العلم اليقين" تھا، اس کے بعد موصوف کی اضافت صفت کی طرف کردی گئی، یہ رائے ابوحیان کی ہے۔ علم کا اطلاق چونکہ غیر یقین، ظن، شک وغیرہ پر بھی ہوتا ہے اس کو خارج کرنے کے لیے علم کی اضافت صفت (يقين) کی طرف کی گئی ہے (۴) ہمارا ترجمہ (یقینی طور پر جاننا) اسی کے مطابق ہے۔ (لَتَرَوُنَّ) تم ضرور دیکھو گے، صیغہ جمع مذکر حاضر بحث لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، در فعل مستقبل معروف، راٰہ (ف) "رُؤْيَةً" مصدر ہے بمعنی دیکھنا سے۔ (عَيْنَ) اسم جامد بمعنی نفس (خود) جیسے: جَاءَ زَيْدٌ عَيْنُهٗ ای: نفسُه، اور اس کی اضافت یقین کی طرف، اضافت بیانیہ ہے، اور مرکب اضافی ہو کر صفت ہے، مصدر محذوف "رُؤْيَةً" کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: "لَتَرَوُنَّهَا رُؤْيَةً عَيْنَ الْيَقِيْنِ" تم اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو خود یقین ہے (۵) (النعيم) یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے، جن میں سے ایک معنی کثیر نعمت ہے۔ (مفردات القرآن ص۵۱۹) اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

ترکیب: (اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ) "الهى" فعل "كم" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب، مفعول بہ، "التكاثر" فاعل، حتی عاطفہ، یا جارہ، جارہ کی صورت میں اس کے بعد "اَن" پوشیدہ ہوگا۔ "زرتم" فعل "تم" ضمیر مرفوع متصل، محلاً مرفوع فاعل، فعل فاعل سے مل کر حتی کے جارہ کی صورت میں صلہ موصول حرفی (اَن مقدرہ) کا، موصول صلہ سے مل کر مجرور، اور جار مجرور سے مل کر متعلق اَلْهٰى فعل کے، اس وقت جملہ: "زُرْتُمْ" کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا، کیونکہ موصول حرفی کے صلہ کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، عاطفہ کی صورت میں جملہ معطوف ہوگا، "اَلْهٰكُمْ" پر جو جملہ ابتدائیہ ہے۔ (كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) جملہ: "سوف تعلمون" مستانفہ ہے، اور دوسرے جملہ: كلا سوف تعلمون، کا اس مستانفہ پر عطف ہے، تفصیلی ترکیب کے لیے دیکھیے سورہ "نبا" کے شروع میں "كلا سوف يعلمون ۝ ثم كلا سوف يعلمون" (كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ) "كلا" حرف ردع، "لو" حرف شرط "علم اليقين" مفعول مطلق برائے نوع، تعلمون کا، اور لو کا جواب محذوف ہے: "لَشَغَلَكُمْ عَنِ التَّكَاثُرِ" یا "لَمَا اشْتَغَلْتُمْ بِالتَّكَاثُرِ" (تو یہ تمہیں تکاثر سے باز رکھتا، یا تم تکاثر میں نہ پڑتے) اور اس جواب کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے، اس لئے کہ لو حرف

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۹۷۔ (۲) اعراب القرآن وصرفہ: ۳/۲۲۳۔ (۳) من المعجم الوسيط ص: ۱۰۶۶۔

(۴) روح المعانی: ۱۶/۳۰۳۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/۳۰۳۔

شرط غیر جازم ہے، جس کا یہ جواب ہے، اور جملہ: "لو تعلمون......" مستانفہ (لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ) "لام" قسم مقدر کے جواب میں ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے "واللہ القسم" اس کی ترکیب مشہور ہے، اور جملہ: (القسم......) مستانفہ ہے، اور جملہ "ترون الجحیم" قسم کا جواب ہے، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، (ثم لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ) "ثم" حرف عطف، لام، حسب سابق قسم مقدر کے جواب میں "عَیْنَ الْیَقِیْنِ" صفت مصدر محذوف رؤیۃ کی، مصدر محذوف اپنی صفت سے مل کر مفعول مطلق ترون فعل کا، جملہ: "ترونها" قسم مقدر کا جواب اور جملہ (القسم) مقدر معطوف سابق جملہ قسم پر۔ یہ بھی ترکیب ہوسکتی ہے کہ جملہ "لترونها" کا "لترون الجحیم" پر عطف ہو۔ (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ) ثم حرف عطف، "لَتُسْئَلُنَّ" سابق جملہ کی طرح، "یَوْمَئِذٍ" ظرف لَتُسْئَلُنَّ کا "عَنِ النَّعِیْمِ" بھی، اسی کے متعلق، اور جملہ: "لَتُسْئَلُنَّ......" معطوف، جملہ: "ترونها" پر(۱)۔

(۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

وَالْعَصْرِ ۝ قسم ہے زمانہ کی۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے، وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ اور ایک دوسرے کو صبر کی فہمائش کرتے رہے۔

ربط: سابقہ سورت میں دنیا پر تفاخر کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور اس سورت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو تفاخر میں لگ کر آخرت سے غافل نہیں رہتے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو ان چار صفات کے ساتھ متصف ہیں، جو انسان کی فلاح کے لیے ضروری ہیں(۲) اور جن کا تذکرہ اس سورت میں ہے۔ تفصیل ان صفات کی تفسیر کے تحت آرہی ہے۔

تفسیر: انسان کی کامیابی کا نسخہ:- اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ تمام انسان خسارہ اور ٹوٹے میں ہیں اور وہ ٹوٹا اور نقصان یہ ہے کہ انسان آخرت میں نہ صرف یہ کہ جنت کی لازوال اور بیش بہا نعمتوں سے محروم ہوجائے، بلکہ جہنم میں جاکر اس کو اپنے جرائم کی ان سزاؤں کو بھی بھگتنا پڑے گا کہ ایسی سزاؤں کا دنیا میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ اتنا بڑا خسارہ اور نقصان ہے کہ ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی کا خسارہ اور نقصان نہیں ہوسکتا، اور اس خسارہ کا تو آخرت ہی میں ظہور ہوگا، لیکن دنیا میں بھی کبھی اللہ تعالیٰ اس طرح کے لوگوں کو خسارہ اور نقصان کے نمونے دکھلا دیتے ہیں، کہ عذاب اور آفت کو نازل کرکے ان کو تباہ و برباد کردیتے ہیں، جیسا کہ عاد، ثمود اور قوم لوط وغیرہ کی شکل میں اس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں بڑا عذاب نہ بھی آئے، تو بے چینی اور پریشانی سے تو ایسے لوگوں کی زندگی خالی ہوتی ہی نہیں

---

(۱) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۹۸، واعراب القرآن لمحی الدین: ۸/۳۹۸۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/۴۰۹۔

ہے، پھر اس خسارہ اور نقصان سے ان لوگوں کا استثناء کیا ہے، جن میں چار باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان چار باتوں میں سے پہلی دو کا تعلق اپنی اصلاح سے، اور دوسری کا تعلق دوسروں کی اصلاح سے ہے۔

پہلی دو باتیں جن کا تعلق اپنی اصلاح سے ہے، یہ ہیں:- (۱) "ایمان" جس کا تذکرہ "الذین آمنوا" میں آیا ہے، ایمان کا مطلب ہے، اللہ کے نبی ﷺ کو ان باتوں میں سچا جاننا اور ماننا، جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، محمد عربی ﷺ کی رسالت، اور قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان کے ساتھ تمام عقائد حقہ پر ایمان آ گیا (۲) "عمل صالح" عمل صالح میں ہر وہ عمل داخل ہے، جس کا قرآن یا حدیث میں حکم دیا گیا ہے، حقوق اللہ سے اس کا تعلق ہو، جیسے نماز، روزہ، وغیرہ تمام عبادات، یا حقوق العباد سے ہو، جیسے ماں باپ، پڑوسی وغیرہ کے حقوق، یا معاملات سے ہو۔ جیسے بیع شرا وغیرہ سے متعلق احکامات کی پابندی، یا معاشرت (ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے) سے ہو، یا اخلاق سے ہو۔ پھر ان اعمال کا حکم وجوبی طور پر ہے، تو نفس اصلاح ان پر موقوف ہوگی، اور اگر اعمال مسنون یا مندوب ہیں، تو اصلاح کامل ان سے متعلق ہوگی، یہ بھی واضح رہے، عمل صالح میں معاصی اور گناہوں سے اجتناب (بچنا) بھی داخل ہے، اس لیے کہ گناہ عمل صالح نہیں ہے، حاصل دونوں باتوں کا یہ ہوا کہ اپنی اصلاح کے لیے، اعتقاد صحیح اور عمل صالح کا ہونا ضروری ہے (۱)۔

اور وہ دو باتیں جن کا تعلق دوسروں کی اصلاح سے ہے یہ ہیں:۔ (۱) "تواصی بالحق"۔ تواصی کے معنی ہے، ایک دوسرے کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنا، اور "حق" سے مراد شریعت سے ثابت بات ہے، جس میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ دونوں داخل ہیں، لہٰذا "تواصی بالحق" کا مطلب ہوا، عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی دوسروں کو مؤثر انداز میں نصیحت کرنا، اور ان کی ہدایت کرنا، جس کا حاصل امر بالمعروف نکلا۔

(۲) "تواصی بالصبر" "صبر" کے معنی ہے، روکنا ہے، اور مراد اس سے گناہوں سے نفس کو روکنا ہے، لہٰذا تواصی بالصبر کا حاصل نہی عن المنکر نکلا، واضح ہو کہ حق کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے، اس میں صبر بھی داخل ہے، پھر الگ سے اس کا تذکرہ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہے (۲)۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت:- زمانہ کی قسم کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح انسان کو دنیاوی کاروبار و تجارت کے لیے روپے پیسے کی شکل میں سرمایہ کی ضرورت ہے، ایسے ہی اخروی کاروبار کے لیے اس کو ایک سرمایہ کی ضرورت ہے، اور وہ سرمایہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وقت اور ٹائم کی شکل میں دیا ہے، اس کا صحیح استعمال اگر وہ کر لے، تو آخرت کے بڑے بڑے منافع حاصل کر سکتا ہے، اور اگر غلط استعمال کرے، تو یہ اس کے لیے خسارہ اور تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) معارف القرآن: ۸/۸۱۳۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/۴۱۱۔ (۳) از معارف القرآن: ۸/۸۱۲۔

اللغة: (العصر) اسم جامد، زمانہ، جمع أعصار، وعُصُورٌ، وأعصُر۔(۱) مزید تفصیل درکار ہو تو احقر کی کتاب ''لغات القرآن وصرفہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔ (الانسان) انسان، مذکر و مونث، دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، کبھی عرب اس میں تائے تانیث داخل کر کے مؤنث ''إنسانة'' بھی استعمال کرتے ہیں(۲) اور ال اس میں استغراق کے لیے ہے۔ (خُسر) خسارہ، نقصان، گھاٹا، مصدر، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے! سورہ ''نازعات'' میں ''تِلْكَ اذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ'' میں خاسرة۔ (آمَنُوْا) دیکھئے سورہ بروج میں ان یومنوا۔ (الصّٰلِحَات) شریعت کی نظر میں جائز اور اچھے کام، اصلاً ''صالحة'' اسم فاعل مونث کی جمع ہے، صَلُحَ (ک) صَلَاحًا وصُلُوحًا: ٹھیک ہونا (خرابی دور ہونا) اس کا موصوف الْخَلَّة(۳) محذوف ہے(۴) بعد میں شریعت کی نظر میں جائز اور اچھے کاموں کے لیے اس کا استعمال غالب ہو گیا، اور کسی کی صفت واقع نہ ہونے میں اس کی حیثیت جامد جیسی ہو گئی(۵) اور ''ال'' ''الصالحات'' میں اسم موصول نہیں ہے، کیونکہ اسم فاعل اپنے معنی پر باقی نہیں ہے، بلکہ حرف تعریف ہے اور جنس کے لیے ہے، استغراق کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ سارے صالح کام کرنا کہ ایک کام بھی چھوٹ نہ پائے، مؤمن کی استطاعت سے باہر ہے۔(۶) (تواصوا) سورہ ''بلد'' میں گزر چکا ہے۔ (الْحَقّ) ثابت شدہ بات، ٹھیک، درست، (باطل کی ضد) اصلاً مصدر ہے، اور یہاں صفت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، حَقَّ الشَّيْءُ (ض) حَقًّا، وحُقُوقًا وَحَقَّةً: ثابت ہونا، صحیح و درست ہونا، واجب ہونا، سچا ہونا، حق سے مراد شریعت میں ثابت بات ہے، وہ اعتقاد ہو یا عمل(۷)۔ یا اعتقاد برحق ہے (بیان القرآن) (الصبر) سورہ ''بلد'' میں گزر گیا۔

ترکیب: (وَالْعَصْرِ ○ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ) واو حرف جر برائے قسم، اپنے مجرور ''العصر'' سے مل کر متعلق، اقسم فعل محذوف کے، اور جملہ: ''(أُقسِمُ) والعصر...... '' ابتدائیہ (ان الإنسان لفي خسرٍ) ''لفي خسر'' لام مزحلقہ(۸) ''في خسر'' إِنَّ کی خبر اور جملہ: ''ان الانسان......'' قسم کا جواب، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، (الا الذين آمنوا وعملوا الصٰلِحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر) ''الا'' حرف استثناء، ''الذين'' مستثنیٰ، (مستثنیٰ منہ ''الانسان''

(۱و۲) اعراب القرآن: ۸/۴۰۱۔ (۳) ''خا'' کا فتحہ اور لام کی تشدید بمعنی عادت خصلت۔ القاموس الوحید: ۱/۴۷۱۔

(۴) اسی موصوف کے اعتبار سے ''صالحۃ'' میں تانیث کی ''تا'' آتی ہے، یہ ''تا'' وصفیت سے اسمیت کی طرف انتقال پر دلالت کرنے کے لیے نہیں ہے، جیسا کہ ''کافیۃ'' وغیرہ کی ''تا'' ہے، اس لیے کہ صالحۃ اسم نہیں ہوا ہے، بلکہ اسمیت کا غلبہ ہوا ہے۔ روح المعانی: ۱/۳۲۲ (پ: ۱، ع: ۳)

فائدہ: غلبہ اسمیت کے معنی یہ ہے کہ لفظ اصل وضع کے اعتبار سے عام ہو، پھر کثرت استعمال کے سبب اپنے افراد میں کسی ایک میں اس طرح مشہور ہو جائے کہ اس پر دلالت کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہ ہو جیسے: ابن عباس'' حضرت عباس کے ہر بیٹے کو شامل ہے، لیکن حضرت عبداللہ کے لیے مشہور ہو گیا ہے (رضی: ۱/۱۱۳)

(۵) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱/۸۲، والروح: ۱/۳۲۲۔ پارہ ۱، رکوع: ۳۔ (۶) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے! روح المعانی: ۱/۳۲۲۔

(۷) روح المعانی: ۱۶/۴۱۱۔ (۸) مقدمہ اور سورہ نازعات میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

ہے)(۱) "امنوا" صلہ، "وعملو الصلحت" صلہ پر عطف ہو "وتواصوا بالحق" صلہ یا "عملوا" پر معطوف "وتواصوا بالصبر" ابعد (امنوا) یا اقرب (وتواصوا بالحق) پر معطوف، تفصیل والنازعات غرقا کی ترکیب کے تحت حاشیہ میں آچکی ہے۔

آیاتها ۹ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲) ۱۰۴ ركوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ ۝۱ بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا، اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو۔ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ ۝۲ جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗۚ ۝۳ وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اسکے پاس سدا رہے گا۔ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِۖ ۝۴ ہرگز نہیں، واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا، جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ ڈالے۔ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُؕ ۝۵ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ ۝۶ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے۔ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِؕ ۝۷ جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌۙ ۝۸ وہ ان پر بند کر دی جائے گی۔ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹ بڑے لمبے لمبے ستونوں میں۔

ربط: پہلی سورت میں مخصوص صفات کے لوگوں کا استثناء کر کے یہ بات بیان کی گئی ہے، کہ تمام انسان خسارہ میں ہیں، اور اس سورت میں بعض خاسرین کی بعض قبیح صفات کو بیان کیا گیا ہے(۲)۔

شان نزول: ان آیات کا نزول "ابی بن خلف" اور بعض روایات کے مطابق "امیہ بن خلف" جُمحی کے بارے میں ہوا ہے، جو حضور ﷺ پر عیب لگاتا اور آپ ﷺ کی غیبت کرتا تھا، اور بعض روایات میں ولید بن مغیرہ اور بعض میں اخنس بن شریک کا اور بعض میں عاص بن وائل کے بارے میں نزول کا تذکرہ آیا ہے، اور ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے، سب کے بارے میں نزول ہوسکتا ہے (روح المعانی:۱۶/۴۱۴) لیکن اعتبار چونکہ خصوص مورد کا نہیں ہے، بلکہ الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، اس لیے جو بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہوگا، وہ اس سورت میں مذکور وعید کا مستحق ہوگا۔

تفسیر: اس سورت میں تین سخت گناہوں پر بڑی خرابی (جس کی تفسیر توڑنے والی آگ سے کی گئی ہے) کی وعید سنائی گئی ہے، یہ تین گناہ گرچہ ہر حال میں سخت اور انتہائی برے کام ہیں، لیکن عذاب شدید کی وعید اسی صورت میں ہے، جب کہ ان کا مرتکب کافر بھی ہو، گرچہ دیگر نصوص میں مطلق وعید اس صورت میں بھی وارد ہوئی ہے، جبکہ کوئی مؤمن ان کاموں کو کرے (۳)۔ وہ تین گناہ یہ ہیں:-(۱) "ہمز" (۲) "لمز" (۳) جمع مال۔

---

(۱) اعراب القرآن:۸/۴۰۳۔ (۲) روح المعانی:۱۶/۴۱۳۔ (۳) بیان القرآن:۱۲/۱۱۷۔

ھمز: اکثر مفسرین کے یہاں "ہمز" کے معنی کسی کے پس پشت (پیٹھ پیچھے) عیب نکالنا ہے، جس کو غیبت کرنا، کہا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ عیب اس کے اندر موجود ہو، ورنہ بہتان ہوگا، جو غیبت سے بھی سخت اور بدتر ہے

کسی کی غیبت کرنا کتنی دناءت اور خست کا کام ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے کسی کی غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے جیسا قرار دیا ہے، (۱) اور احادیث میں بھی اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

لمز: دوسرا گناہ لمز ہے، اکثر مفسرین کے مطابق "لمز" کے معنی ہے: آمنے سامنے کسی کو طعنہ دینا (برا کہنا، عیب نکالنا) یہ بھی بڑا جرم ہے، اس لیے کہ کسی کے روبرو اس کو برا کہنا۔ اس کا عیب نکالنا، اس کی انتہائی توہین وتذلیل کے ساتھ اس کو شدید ایذا پہنچانا ہے۔

تیسرا گناہ مال کو جمع کرنا، اور اس کو بار بار گننا ہے، یہاں "جمع مال" سے مراد غایت حرص سے مال کو جمع کرنا، اور بار بار گننے سے مراد غایت محبت اور اس پر فخر کے سبب بار بار گننا ہے۔ (۲) بلا حرص کے ضروریات پوری کرنے کے لیے مال کو جمع کیا جائے، اور حقوق واجبہ بھی ادا ہوں، نیز بھول چوک کے عارضہ کی وجہ سے بار بار مال کو گنا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لہٰذا مذموم صفت مال کی حرص اور اس سے ایسی محبت ہے کہ آخرت سے آدمی غافل ہو جائے۔

(یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ) وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اسکے پاس سدا رہے گا، یعنی مال کی محبت میں اس کا ایسا انہماک ہے، جیسے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ خود بھی زندہ رہے گا، اور اس کا مال بھی ہمیشہ یوں ہی رہے گا، اگر یہ حقیقت اسکے پیش نظر رہتی کہ وہ خود بھی فانی اور اس کا مال بھی فنا ہونے والا ہے، تو مال کی محبت میں ایسا گرفتار نہ ہوتا، اگلی آیات میں اس کے برتاؤ سے لازم آنے والے اس کے مذکورہ خیال پر زجر ہے۔ (کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ......) ہرگز نہیں یعنی جیسا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا، ہرگز ایسا نہیں ہے، اس کے بعد "ویل" (خرابی) کی تفصیل ہے کہ واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائیگا، جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے (آگے اس کی ہولناکی اور عظیم ہونے کو بتلانے کے لیے سوال ہے کہ) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے، اللہ کی طرف اس آگ کی اضافت اسکی تہویل (ہولناکی اور سخت ہونے کو بیان کرنے کے لیے ہے)۔ (اور وہ) ایسی ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی، یوں تو ہر آگ کا خاصہ یہی ہے کہ جو چیز اس میں پڑے، اس کے بھی اجزاء کو جلا دیتی ہے، انسان اس میں ڈالا جائے گا۔ تو اس کے سارے اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائے گا، جہنم کی آگ کی خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اس میں اتنا سرعت نفوذ (۳) ہوگا کہ بدن کو لگتے ہی دل تک پہنچ جائے گی، اور چونکہ اس کو وہاں موت نہ آئے گی، لہٰذا اس کی انتہائی ایذاء وتکلیف اس کو محسوس ہوگی، آگ کہیں بھی لگے، اس کی تکلیف انتہائی شدید ہوتی ہے، دل تو انتہائی نازک اور حساس ہے اس پر آگ لگے گی تو کتنی تکلیف ہوگی؟ اندازہ سے باہر ہے، دنیا کی آگ میں یہ بات

---

(۱) حجرات رکوع: ۲۔ (۲) بیان القرآن۔ (۳) جلدی اور تیزی سے سرایت کرنا، اور پہنچنا۔

نہیں ہے، وہ بدن کو لگتے ہی فوراً دل تک نہیں پہنچتی ہے، بلکہ دل تک پہنچنے میں اس کو وقت لگتا ہے، اور دل تک پہنچنے سے پہلے ہی آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے، اس لیے مرجانے کی وجہ سے اس کے دل تک پہنچنے کے بعد آدمی کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے، اگر شدتِ نفوذ سے بھی قطع نظر کرلیا جائے، تو اس آگ کی یہ خصوصیت ہے کہ دل تک پہنچنے کے بعد موت نہ آنے کی وجہ سے اس کو تکلیف محسوس ہوگی، اور دنیا کی آگ کے دل تک پہنچنے کے بعد بوجہ موت تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے (۱)۔

(اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ) وہ (آگ) ان پر بند کردی جائے گی یعنی دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازہ بند کردیا جائے گا۔ کیونکہ خلود کی وجہ سے نکلنا تو ملے گا ہی نہیں، اور ان کو آگ میں اس طرح بند کیا جاویگا، کہ وہ آگ کے بڑے لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوں گے، "بڑے لمبے لمبے ستونوں" سے مراد بڑے لمبے لمبے ستونوں کے مانند آگ کے شعلے ہیں، ان کے درمیان یہ لوگ گھرے ہوں گے، اور اوپر سے جہنم کا دروازہ بند ہوگا۔ (۲)

اللغۃ: (هُمَزَة) کثرت سے پس پشت عیب نکالنے والا (غیبت کرنے والا) (لُمَزَة) کثرت سے رُودَررُو طعنہ دینے والا (برا بھلا کہنے والا) دونوں بروزن فُعَلَة ("فا" کلمہ کے ضمہ اور "عین" کلمہ کے فتحہ کے ساتھ) فاعل میں مبالغہ کے صیغے ہیں (۳)۔

اول هَمَز (ض) هَمْزًا: توڑنا، اور دوسرا لَمَزَ (ض) لَمْزًا: نیزہ وغیرہ چبھونا، نیزہ مارنا، سے ماخوذ ہے، مذکورہ معنی ان کے اصلی ہیں، بعد میں بطور استعارہ لوگوں پر عیب لگانے، ان کی آبروریزی کرنے، اور غیبت کرنے کے معنی میں ان کا استعمال ہونے لگا، اور اس معنی میں یہ حقیقت عرفیہ ہوگئے (۴)۔ (جَمَعَ) جمع کیا، اکٹھا کیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، جَمَعَ (ف) جَمْعًا: اکٹھا کرنا، سمیٹنا، سے، (عَدَّدَ) بار بار گنا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، عَدَّدَ تَعْدِيْدًا: بار بار گننا، خوب شمار کرنا، اس میں باب تفعیل کی خاصیت "تکثیر" پائی جارہی ہے، اور تکثیر سے نفس فعل میں زیادتی مراد ہے، یعنی گننے اور شمار کرنے کے عمل کو زیادہ کرنا، جس کی تعبیر بار بار گننا سے کی گئی ہے۔ مجرد میں عَدَّ (ن) عَدًّا: گننا، شمار کرنا۔ (أَخْلَدَه) اس نے اس کو ہمیشہ رکھا، فاعل کی ضمیر حاسب کی طرف، اور مفعول کی مال کی طرف راجع ہے (کما قالہ عصام الدین) اور مراد مستقبل ہے، مبالغہ کے پیش نظر ماضی سے تعبیر کیا ہے (کما فی الروح) لہٰذا لفظی ترجمہ ہوگا: کہ وہ (گمان کرنے والا انسان) اس (مال) کو ہمیشہ رکھے گا۔ اسی کا بامحاورہ ترجمہ ہے، وہ مال اس کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ ضمیر کے مرجع میں اور بھی احتمال ہے (کما فی الروح) لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ترجمہ پر جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، یہی توجیہ زیادہ چسپاں ہے۔ أَخْلَدَه (افعال) اِخْلَادًا: ہمیشہ رکھنا، ہمیشگی دینا۔ (۵) مجرد میں خَلَدَ (ن) خُلُوْدًا: ہمیشہ رہنا۔ (لَيُنْبَذَنَّ) اس کو ضرور بالضرور ڈالا جائے گا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، در فعل مستقبل مجہول، نَبَذَ الشَّيْءَ (ض) نَبْذًا:

---

(۱) از بیان القرآن: ۱۲/ ۱۱۸۔ (۲) از تفسیر عثمانی ص: ۸۰۲، وروح المعانی: ۱۶/ ۴۱۷۔ (۳) اور "فُعْلَة" (فا کلمہ کے ضمہ اور عین کے سکون کے ساتھ) کا وزن مفعول میں مبالغہ کے لیے ہوتا ہے، جیسے: "لُعْنَة" وہ شخص جس پر زیادہ لعنت کی جائے "ضُحْكَة" وہ شخص جس پر زیادہ ہنسا جائے۔ (۴) روح المعانی: ۱۶/ ۴۱۳۔ (۵) "أَخْلَدَه" وَخَلَّدَه بمعنی ای: ترکه خالدا الخ: روح المعانی: ۱۶/ ۴۱۵۔

ڈالنا، پھینکنا، سے (الحُطَمَة) توڑنے پھوڑنے والی، فاعل کے معنی میں "فُعَلَة" کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ، حَطَمَ الشیئ (ض) حَطْمًا: توڑنا، اس کے بعد اتنا توڑنا کہ چورہ چورہ ہو جائے، کے معنی میں استعمال ہونے لگا(۱)۔ (المُوْقَدَة) سلگائی ہوئی، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول أَوْقَدَ يُوْقِدُ إِيْقَادًا (افعال) جلانا، سلگانا، سے۔ (تَطَّلِعُ) اوپر چڑھ جائے گی، چھا جائے گی، پہنچ جائے گی، جھانک لے گی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف اِطَّلَعَ عَلَيْهِ (افتعال) اِطِّلَاعًا: اوپر چڑھنا، اوپر سے دیکھنا جس کو جھانکنا، کہا جاتا ہے، دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔(۲) (الأَفْئِدَة) وسط دل(۳)، اسم جامد، فُؤاد کی جمع۔ (مؤصدة) سورہ "بلد" میں گزر چکا ہے۔ (عَمَد) ستون اکثر حضرات کے نزدیک اسم جمع ہے، اور مفرد "عماد" بمعنی ستون ہے، جیسے: إِهَابٌ (بغیر دباغت دی ہوئی کھال) اور أَهَبٌ اور بعض نے "عَمُود" کو اس کا مفرد قرار دیا ہے لیکن راجح اسم جمع ہونا ہے(۴) مُمَدَّدَة: دراز، لمبے، صیغہ واحد مؤنث، بحث اسم مفعول، مَدَّدَ تمدیدًا: (تفعیل) دراز کرنا، لمبا کرنا۔

ترکیب: (ویل لکل هُمَزَة لُمَزَة) "ویل" مبتدا(۵) (لکل همزة) کائن محذوف کے متعلق ہو کر خبر، اور جملہ "ویل......" ابتدائیہ "لمزة" صفت ہمزۃ کی، اور اگر دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہے، جیسا کہ بعض کی رائے ہے کہ ہمز اور لمز دونوں کے معنی غیبت کرنے کے ہیں، تو تاکید لفظی بالمرادف همزة کی "الذی جمع" موصول صلہ سے مل کر بدل کل یا بدل بعض "همزة لمزة" سے (وعدّده) معطوف "جمع" پر (یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ) جملہ: "یحسب......" مستانفہ، "مَالَه" "اَنَّ" کا اسم "اَخْلَدَهٗ" فعل، ضمیر پوشیدہ هُوَ محلا مرفوع فاعل(۶)، "ها" ضمیر منصوب متصل محلا منصوب مفعول بہ اور جملہ: "اَخْلَدَهٗ" محلا مرفوع خبر اَنَّ کی، اور جملہ "اَنَّ مَالَهٗ......" محلا منصوب یَحْسَبُ کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے (کَلَّا لینبذن فی الحطمة) "کَلَّا" حرف ردع لام قسم مقدر (واللہ) کے جواب میں، اور جملہ: "لَيُنْبَذَنَّ......" قسم کا جواب، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (وما ادراك ما الحطمة) اس کی ترکیب سورہ "القارعة" میں "وما ادراك ما القارعة" کی طرح ہے۔ (نَارُ اللّٰهِ) خبر (هی) مبتدا محذوف کی، اور جملہ "(هی) نار الله" مستانفہ بیانیہ، "المُوْقَدَة" صفت نار کی، "التی" صفت ثانی، "تطلع" صلہ "عَلَى الأَفْئِدَة" متعلق، (اِنَّهَا عَلَيْهِم مُؤْصَدَة) "علیهم" "مؤصدة" کے متعلق(۷) "مؤصدة" اِنَّ کی خبر اور جملہ "اِنَّهَا عَلَيْهِم......" مستانفہ، "فی عَمَد"

---

(۱) روح: ۱۶/۳۱۶۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/۳۱۶، و ۱۰/۱۱۹، تحت قولہ تعالیٰ: "لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلٰهِ مُوسَىٰ" (قصص)

(۳) حاشیہ جلالین ص: ۵۰۶، والروح: ۱۶/۳۱۶۔ (۴) روح المعانی: ۸/۱۳۳، (سورہ رعد، رکوع: ۱) و: ۱۶/۳۱۷۔

(۵) نکرہ کے مبتدا ہونے سے متعلق تفصیلی گفتگو سورہ "مطففین" میں "ویل للمطففین" کے تحت آ چکی ہے۔

(۶) مرجع کی تفصیل "اللغة" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (۷) اور سورہ "بلد" میں محذوف کے متعلق ہے (حاشیہ جمال القرآن، وروح المعانی)

محذوف کَائِنِیْنَ یا مُوَثَّقِیْنَ، (بمعنی جکڑے ہوئے) کے متعلق ہو کر عَلَیْہِمْ کی ضمیر سے حال (۱) "مُمَدَّدَۃ" صفت عمد کی۔

آیاتہا ۵ — سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹) — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② کیا ان کی تدبیر کو سرتا پا غلط نہیں کر دیا۔ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے۔ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④ جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

ربط: پہلی سورت میں انسان کے اخلاق رذیلہ کی مذمت اور اس پر آخرت میں ہونے والے عذاب کا ذکر تھا، اس سورت میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ خدا کی نافرمانی، اس کے احکام کی بے احترامی اور اس کے دین کی دشمنی اور مقابلہ پر دنیا میں بھی تباہی اور بربادی آ سکتی ہے، جیسا کہ "ابرہہ" اور اس کے لشکر پر آئی (۲)۔

اصحاب فیل کا مختصر قصہ

تفسیر سے پہلے اصحاب فیل کا قصہ مختصراً سمجھ لینا چاہئے، اور وہ "روح المعانی" اور "تفسیر ابن کثیر" میں مختصراً اس طرح ہے کہ بادشاہ "حبشہ" کی طرف سے "یمن" میں ایک حاکم "ابرہہ" نامی تھا، اس نے دیکھا کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں، کیونکہ وہ عیسائی تھا، اس لیے "صنعاء" میں (جو یمن کا ایک بڑا شہر ہے) ایک عالیشان کنیسہ (۳) بنایا، تاکہ کعبہ کا حج کرنے والے لوگ کعبہ کو چھوڑ کر یہاں آیا کریں اور اس کا اعلان بھی کر دیا۔ عرب خصوصاً قریش کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی، اس لیے کسی نے غصہ میں رات کے وقت اس میں جا کر پاخانہ کر دیا، اور "مقاتل" کے بقول بعض عرب نے وہاں آگ جلائی تھی، ہوا سے اڑ کر اس عمارت میں آگ لگ گئی، اور وہ سارا جل گیا، اس پر "ابرہہ" کو بہت غصہ آیا اور بڑا لشکر لے کر جس میں ہاتھی تھے، خانہ کعبہ کو منہدم کرنے چلا، جب وہ وادی "مُحَسِّر" میں (جو مزدلفہ کے قریب ہے) پہنچا، تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے اور سائز میں کبوتر سے کچھ چھوٹے پرندوں کی ٹکڑیاں نظر آئیں، جن میں سے ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چنے اور مسور کے برابر کنکریاں تھیں، انہوں نے وہ کنکریاں "ابرہہ" اور اس کے لشکر پر برسانا شروع کی، خدا کی قدرت سے وہ کنکر بندوق کی گولیوں سے زیادہ کام کر رہی تھیں، جس کو لگتی تھیں، ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف کو نکل جاتی تھیں

---

(۱) اس کے علاوہ بھی ترکیب ممکن ہے، لیکن ترجمہ کے مطابق یہی ترکیب ہے۔ (۲) معارف القرآن ادریسی: ۵۴۲/۸۔

(۳) گرجا گھر (عیسائیوں کا عبادت خانہ)

اور ایک طرح کا سمی (زہریلا) مادہ اس کے بدن میں چھوڑ جاتی تھیں، بہت سے تو اس عذاب سے وہیں ہلاک ہوگئے، اور بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے، اور بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے "ابرہہ" کو چونکہ سخت سزا دینا تھی، اس لیے یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا، لیکن اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کرگیا کہ اس کے جسم کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو "یمن" واپس لایا گیا، اور دار الحکومت "صنعاء" پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہہ گیا، اور مر گیا۔

اس واقعہ کی تاریخ: یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ سے پچاس روز پہلے پیش آیا ہے، آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی ہے، اور یہ واقعہ محرم میں پیش آیا ہے۔ (۱)

تفسیر: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس سوال سے مقصود اس واقعہ کے بڑے اور ہولناک ہونے پر تنبیہ کرنا ہے، یعنی وہ بڑا اور ہولناک واقعہ ہے۔ آگے جواب اور اس معاملہ کا بیان ہے: اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ کیا (کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے) ان کی تدبیر کو سرتاپا (پوری طرح) غلط نہیں کر دیا (یہ استفہام تقریری ہے، یعنی واقعہ کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے، جو ان لوگوں پر پتھر کی کنکریاں پھینک رہے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر دیا۔ کھائے ہوئے بھوسہ کے ساتھ تشبیہ انتشار، ابتذال وضیاع، بدصورتی، نکما اور چورا چورا ہونا، وغیرہ باتوں میں ہے۔ یعنی ان کو پراگندہ منتشر مبتذل وضائع، بدصورت نکما اور چورا چورا کر دیا، اگر بعض منہزمین (شکست خوردہ لوگوں) پر کنکریوں کا نہ پڑنا ثابت ہو تو یہ مضمون اکثر کے اعتبار سے ہوگا۔

اللغة (الفیل) ہاتھی، اسم جامد جمع اَفْيَال، فِيَلَة، فُيُوْل، مؤنث فِيْلَة ہے، (كَيْد) سورہ طارق میں گزر گیا، (تَضْلِيْل) باب تفعیل کا مصدر، ضَلَّ عَنْهُ (ض) ضَلَالًا (ضائع ہونا) سے ماخوذ ہے، اور تضلیل کے معنی ہے، ضائع کرنا یہاں "تضلیل" بطور استعارہ ابطال (غلط اور کالعدم کرنا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۲)۔ (طَيْرًا) پرندے، اسم جنس، مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (۳) (اَبَابِيْل) غول کے غول (جماعت کی جماعت) اِبَّالَة بتشدید الباء اور بقول "فراء" اِبَالَة (بتخفیف الباء) کی جمع ہے، اصلی معنی لکڑی کا گٹھر۔ یہاں بطور تشبیہ غول (جماعت) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے بڑے گٹھر میں لکڑیاں ایک دوسرے میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں، اسی طرح پرندوں کی یہ جماعت ایسی تھی، جو کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے میں گھسی ہوئی معلوم ہو رہی تھی (۴)۔ (تَرْمِيْ) پھینک رہی تھی، برسا رہی تھی، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف رَمَى الشَّيْءَ وَبِهٖ (ض) رَمْيًا: پھینکنا، سے۔ (حِجَارَة) اسم جامد، حَجَرٌ بمعنی پتھر کی جمع کثرت اور جمع قلت "احجار" ہے (۵)۔ (سِجِّيْل) پکائی ہوئی مٹی، اردو میں اس کو کنکر کہتے ہیں، یہ "سنگِ گل" کا معرب

---

(۱) بیان القرآن، وتفسیر عثمانی، ومعارف القرآن مختصراً۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/ ۳۲۵۔ (۳) اعراب القرآن: ۸/ ۴۱۳۔

(۴) روح المعانی: ۱۶/ ۳۲۵ واعراب القرآن: ۸/ ۴۱۳۔ (۵) روح المعانی: ۱/ ۲۶۷، پارہ: ۱ رکوع: ۳۔

(عربی بنایا ہوا) ہے، اور "سنگ گل" فارسی لفظ ہے، جو سنگ بمعنی پتھر اور گل بمعنی گارا اور گیلی مٹی سے بنا ہے(۱)۔ (عَصْف) بھوسہ، "قرطبی" نے اس کو عَصْفَة، عُصَافَة اور عَصِيْفَة کی جمع قرار دیا ہے(۲)۔

ترکیب: (اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ) ہمزہ برائے استفہام تقریری(۳) "لم تر" فعل با فاعل اور رویت بصری سے ہے، اور مجازاً علم مراد ہے، یا ابتداء ہی سے لم تعلم کے معنی میں ہے، جب کہ رویت قلبی کو مراد لیا جائے۔ لیکن "روح المعانی" میں اول احتمال کو ابلغ قرار دیا ہے، "کیف" مفعول مطلق "فَعَلَ" کا، اس لیے کہ "کیف فعل" کے معنی ہے: "اَیَّ فِعْلٍ فَعَلَ رَبُّكَ" اور جملہ: "كَيْفَ فَعَلَ......" محلاً منصوب لم تر کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے، "بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ" "فَعَلَ" کے متعلق، اور جملہ: "لم تر......" ابتدائیہ۔ (اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ) ہمزہ برائے استفہام تقریری "كَيْدَهُمْ" مفعول بہ اول "فِيْ تَضْلِيْلٍ" کائناً محذوف کے متعلق ہوکر مفعول بہ ثانی، اور جملہ "لم یجعل......" مستانفہ۔ (وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا) معطوف جملہ "یجعل......" پر "ابابیل" صفت طیرا کی "ترمیھم" صفت ثانی طیرا کی، "بحجارة" متعلق ترمی کے "من سجیل" صفت حجارة کی (فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ) "هم" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ اول، "کعصف" کائنین محذوف کے متعلق ہوکر مفعول ثانی "ماکول" صفت عصف کی، اور جملہ "جعلھم......" معطوف جملہ: "ارسل" پر۔

آیاتها ۴ (۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹) رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ چونکہ قریش خوگر ہوگئے ہیں(۴)۔ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہوگئے ہیں۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ تو ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ جس نے بھوک میں ان کو کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

ربط: سابقہ سورت میں اہل مکہ پر خداوند عالم کے اس خاص انعام وکرم کا ذکر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں اور بیت اللہ کو "ابرہہ" کے حملہ سے محفوظ رکھا، اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس لیے تھی کہ نبی آخر الزماں کا ظہور قدسی ہونے والا تھا، اب اس سورت میں مزید اس انعام کو بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سردی اور گرمی کے سفروں

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۳۲۶، و: ۸/۱۶۸، (پارہ: ۱۳، وجلالین ص: ۱۸۶)۔ (۲) لغات القرآن: ۴/۳۳۰۔ (۳) کمافی الروح واعراب القرآن، اور "اعراب القرآن وصرفه" کے حاشیہ میں ہے کہ استفہام برائے تعجب بھی ہوسکتا ہے، اور حضرت تھانوی کی جو تفسیر اوپر آئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استفہام برائے تہویل (ہولناک ہونے کو بتلانا) کے لیے ہے۔ (۴) "چونکہ" "لام" تعلیل کا اور "یعنی" بدل کا ترجمہ ہے۔

میں سہولت عطا فرمائی ہے، جس کی تفصیل تفسیر سے معلوم ہوگی (۱)۔

تفسیر: مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا ہے، اس لیے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو سفر کرتے تھے، جاڑوں میں یمن کا، کہ وہ گرم ملک ہے، اور گرمیوں میں شام کا، جو سرد اور شاداب ملک ہے، اور لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے اور خدمت کرتے، اور ان کے جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے، اس طرح ان کو خاطر خواہ نفع ہوتا، پھر امن چین سے بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے، جبکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور ڈکیتی کا بازار گرم تھا، لیکن کعبہ کے ادب کی وجہ سے کوئی چور، ڈاکو، قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا، اسی انعام کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یاد دلایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اے قریش! جس بیت اللہ کے سبب تمہارا یہ احترام ہو رہا ہے، اور خیال کیا جا رہا ہے، اس کے مالک کی عبادت کر کے تمہیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے، اور کفر وشرک اور اس کے رسول سے دشمنی وغیرہ معاملات جن میں تم مبتلا ہو؛ اس کی انتہائی ناشکری ہے۔

اللغة: (إيلاف) ألِفَ يُؤلِفُ (افعال) کا مصدر، کسی چیز یا جگہ کا خوگر ہونا (۲) یعنی عادی ہونا، مانوس ہونا، مانوس بنانا، لازم ومتعدی دونوں استعمال ہوتا ہے، ہمارے ترجمہ میں جو حضرت تھانوی کا ترجمہ ہے، لازم کی رعایت ہے، اور یہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے، اصل میں ”إءْ لَافٌ“ تھا ہمزہ ثانیہ کو ”ایمان“ کے قاعدہ سے (۳) ”یا“ سے بدل لیا گیا، إيلاف ہوگیا۔ (قُرَيْش) اصح قول کے مطابق (جس کو بعض حضرات نے فقہاء کی بھی رائے قرار دیا ہے) اس قبیلہ کا نام ہے جو ”نضر بن کنانہ“ کی اولاد سے چلا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ سے معلوم کیا گیا: مَنْ قُرَيْش؟ قریش کون ہیں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: ”نضر“ کی اولاد سے۔ حضور ﷺ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے ہیں، جو اس قبیلہ کی تمام شاخوں میں افضل ہے (۴) ”نضر بن کنانہ“ حضور ﷺ کے اجداد میں سے ہے۔

قریش کی وجہ تسمیہ: لفظ ”قُرَيْش“ ”قَرْش“ (بفتح القاف) (۵) کی تصغیر ہے، اور قَرْش دریائی جانوروں میں سب سے طاقتور جانور ہے، جو چھوٹے دریائی جانوروں کو کھا جاتا اور سب پر غالب رہتا ہے، کیونکہ یہ قبیلہ سب قبیلوں پر غالب ہے اور دیگر قبائل اس کے سامنے مغلوب ہیں، اس لیے اس کا نام ”قُرَيْش“ رکھا گیا ہے (۶)۔

اور لفظ کے انصراف (منصرف ہونا) پر اس موقعہ پر اجماع ہے، اور انصراف کی وجہ یہ ہے کہ حی کی تاویل میں ہے، اور اس کو غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، اس وقت قبیلہ کے اسم کی تاویل میں ہوگا، لہٰذا دو سبب ہوں گے، علمیت اور تانیث معنوی (۷)۔

(رِحْلَة) رَحَلَ (ف) کا مصدر، رَحْلٌ، رَحِيْلٌ وَتَرْحَالٌ بھی مصدر آتے ہیں۔ اصلی معنی: کجاوہ کسنا، اور یہ چونکہ سفر اور

---

(۱) معارف القرآن ادریسی: ۸/۵۵۱۔ (۲) حاشیہ بیان القرآن۔ (۳) ایمان کے قاعدے سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ ساکنہ کو جو ہمزہ متحرکہ کے بعد ہو ما قبل والے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف علت سے بدلنا ضروری ہے۔ (۴) روح المعانی: ۱۶/۴۲۹۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/۴۲۹، اور اعراب القرآن میں اس کو قاف کے کسرہ کے ساتھ قِرش لکھا گیا ہے، المعجم الوسیط میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حضرت تھانوی نے صاحب روح کی نقل (قرش بفتح القاف) کو اختیار فرمایا ہے۔ (۶) روح المعانی ۱۶/۴۳۰ (۷) روح المعانی: ۱۶/۴۲۹۔

کوچ کے وقت ہوتا ہے، اس لیے یہ لفظ سفر کے معنی میں استعمال ہونے لگا(۱)۔ (الشتاء) اسم جامد، جاڑا، سردی، جمع أشتیة، بعض نے شتاء کو "شتوۃ" کی جمع بتلایا ہے(۲)۔ (الصیف) موسم گرما، (آمن) امن دیا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف آمنَه إیمانًا (افعال) امن دینا، سے، مادہ امن ہے۔

ترکیب: لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ إِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۚ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيٓ أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ ۙ وَّآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۚ لام جارہ اور جار مجرور سے مل کر متعلق فَلْيَعْبُدُوا کے، اور فلیعبدوا پر "فا" اس لیے ہے کہ یہاں شرط کے معنی میں ہے، کیونکہ معنی یہ ہے: إنّ نِعَمَ اللّٰہِ تعالیٰ غیرُ محصورةٍ فإن لم یَعبُدوا لِسائرِ نِعَمِہ سُبحانَہٗ فَلْیَعبُدوا لِہٰذِہِ النِّعمَةِ الجَلیلَةِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اگر وہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تمام نعمتوں کی وجہ سے عبادت نہیں کر رہے ہیں، تو اس نعمت عظیمہ کی وجہ سے ان کو عبادت کرنا چاہیے)۔ لیکن چونکہ "یہ فا" شرط محقق کے جواب میں نہیں ہے، اس لیے حقیقۃً زائدہ ہے، لہٰذا اس کے معمول (لایلاف قریش) کی تقدیم اس پر ممنوع نہیں ہوگی(۳)۔ (ایلافهم) بدل ایلاف قریش سے بدل کل من الکل، (رحلة الشتاء) مفعول بہ "ایلاف" مصدر کا، (فلیعبدوا) "فا" فصیحیہ، شرط مقدر کے جواب پر ای: إن لم یعبدوا لسائر النعم فلیعبدوا، اور جملہ "یعبدوا" محلاً مجزوم، شرط مقدر کا جواب ہونے کی وجہ سے، (رب هذا البیت) "رب" مفعول بہ "ها" برائے تنبیہ، "ذا" اسم اشارہ مبنی علی السکون محلاً مجرور "رب" کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، (البیت) صفت، یا بدل یا عطف بیان(۴) "الذی" صفت رب کی، "اطعمهم" صلہ،

---

(۱) لغات القرآن: ۳/ ۶۰۔ (۲) مذکورہ: ۳/ ۲۶۴۔

(۳) روح المعانی: ۱۶/ ۴۳۰۔ اس کی اور بھی ترکیبیں کی ہیں، مثلاً پچھلی سورت سے معنوی تعلق کی بنا پر بعض حضرات نے فرمایا کہ "لایلاف قریش" (اهلکنا اصحاب الفیل) فعل محذوف کے متعلق ہے، یعنی ہم نے "اصحاب فیل" کو اس لیے ہلاک کیا کہ قریش سردی اور گرمی کے دو سفر کے عادی تھے، لہٰذا ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، اور بعض حضرات نے فرمایا یہ (اِعْجَبُوْا) فعل محذوف کے متعلق ہے، یعنی قریش کے سردی اور گرمی کے سفر کے عادی ہونے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کے ترک کرنے پر تعجب کرو، حالانکہ اسی نے ان کو یہ نعمت عظیمہ عطا فرمائی ہے۔ (روح المعانی: ۱۶/ ۴۳۱)۔ لیکن ہماری تفسیر کے مطابق وہ ترکیب ہے جو اوپر متن میں آئی ہے۔

(۴) صاحب کافیہ کے یہاں پہلی ترکیب ہے، اور "ابن مالک" نے شرح تسہیل میں عطف بیان کی ترکیب کو درست قرار دیا، اور "ابن ہشام" نے "مغنی اللبیب" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، "زینی زادہ" میں "مررت بهذا الرجل" کی ترکیب کے تحت مذکور ہے: "الرجل" مجرور صفة هذا، وهو قول المحققین، کما فی "تحفة الغریب" علی "مغنی اللبیب" للدمامینی، وقیل بدل من هذا بدل الکل، وقیل عطف بیان له، وصوّبه "ابن مالك" فی شرح "التسهیل" وارتضاه "ابن هشام" فی "مغنی اللبیب" "زینی زادہ" لحل اعراب الکافیة ص: ۱۸۷۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ مشار الیہ کے مشتق ہونے کی صورت میں صفت کی جیسے: "هذا العالم بارع" اور جامد ہونے کی صورت میں بدل یا عطف بیان کی ترکیب "النحو الوافی" کے محشی کے بیان کے مطابق افضل اور ابن ہشام کے بیان کے مطابق واجب ہے۔ (حاشیہ النحو الوافی: ۳/ ۴۳۹ و مغنی اللبیب: ۲/ ۵۷)۔

"من جوع" "متعلق" "وامنهم من خوف" "معطوف" "اطعمهم" ہے۔

(۱۰۷) سُورَةُ المَاعُونِ مَكِّيَّةٌ (۱۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۝ سو وہ شخص ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ہے۔ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں؛ اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، اور اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں، جو ان کے لیے دین و دنیا کی سعادت سے محرومی کا سبب بنے (۱)۔

سورت کا مضمون: اس سورت میں بعض قبیح اور مذموم افعال کا ذکر ہے، اور یہ دو طرح کے ہیں:-(۱) وہ افعال جن کا تعلق بندوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے ہے، جیسے، یتیم کے ساتھ سنگ دلی کے ساتھ پیش آنا، جس کو قرآن نے دھکا دینے سے تعبیر کیا ہے۔(۲) وہ افعال جن کا تعلق اللہ کے حقوق کے ضائع کرنے سے ہے، جیسے: نماز کو چھوڑنا وغیرہ اس کے بعد تفسیر ملاحظہ ہو۔

تفسیر: اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا (بدلہ کے دن) کو جھٹلاتا ہے، یعنی سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا، اور اللہ کی طرف سے نیکی اور بدی کا بدلہ نہ ملے گا۔ اور یہ استفہام تشویق اور تعجیب دونوں کے لیے ہے، یعنی مخاطب کو اس مکذب کے جاننے کا شوق دلایا جا رہا ہے، تاکہ جان کر اس کے رویہ اور طریقہ سے بچا جائے، اور تعجیب کا مطلب مخاطب کو تعجب دلاتا ہے، کہ بڑا عجیب آدمی ہے کہ بدلہ کے دن کو جھٹلاتا ہے، حالانکہ عقل بھی کہتی ہے، کہ بدلہ کا دن ہونا چاہئے اس لیے کہ دنیا کے اندر یا تو بدلہ نہیں مل پاتا، یا پورا نہیں مل پاتا، بلکہ دنیا میں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے ظالم اور پاپی بے مہار و آزاد پھرتے رہتے ہیں، کبھی اپنی ظاہری شان و شوکت اور طاقت و قوت کے بل بوتے پر، تو کبھی سفارش اور کبھی رشوت کے ذریعہ وہ بچ جاتے ہیں، اور ظالم و بدکار کو سزا اور نیک و مظلوم کو اس کی نیکی اور اس پر کیے گئے ظلم کا بدلہ تو ملنا چاہئے اور دنیا میں ایسا نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف و بدلہ ہونا چاہیے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) معارف القرآن ادریسی: ۸/۵۴۔

"یوم الدین" (بدلہ کا دن) مقرر کیا ہے، اس لیے جو اس کو جھٹلائے گا، وہ ضرور عقل سے پیدل اور اس کا یہ عمل قابل تعجب ہوگا۔ شوق دلانے کے بعد اگلی آیت میں اس کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۙ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۞ سو (آپ اس کا حال سننا چاہتے ہیں تو سنئے کہ[۱]) وہ شخص وہ ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو) ترغیب نہیں دیتا ہے یعنی وہ بڑا سنگ دل آدمی ہے، خود بھی یتیم کے ساتھ احسان کا معاملہ نہیں کرتا، کہ نہ صرف یہ کہ یتیم کو نہیں دیتا ہے، بلکہ توہین آمیز سلوک بھی اس کے ساتھ کرتا ہے کہ اس کو دھکے دیتا ہے، اور دوسروں کو مسکینوں اور غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور انہیں کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ہے، حاصل دونوں باتوں کا یہ ہوا کہ وہ بندوں کے حقوق ضائع کرتا ہے۔ واضح ہو کہ مذکورہ دو باتیں:۔ قدرت کے باوجود احسان نہ کرنا، اور احسان کی ترغیب نہ دینا، مطلقاً مذموم ہے، لیکن وعید شدید جس کا بیان "ویل" کے لفظ سے ہوا ہے، اسی صورت میں ہے، جبکہ ایسا کرنے والا مکذب بالدین (بدلہ کا جھٹلانے والا یعنی کافر) ہو اسی لیے ان افعال کے ذکر کرنے سے پہلے اس شخص کا ذکر فرمایا، جو بدلہ اور قیامت کا منکر ہے، البتہ اس میں اس طرف ضرور اشارہ ہے کہ مذکورہ کام مؤمن کی شان سے بعید سے بعید تر ہیں، کوئی کافر اور قیامت کا منکر ہی مذکورہ کام کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو کافروں کی اقتداء وتقلید سے بچائے! ان آیات میں حقوق العباد کے، ضائع کرنے کی قباحت معلوم ہوئی، ظاہر ہے حقوق العباد سے حقوق اللہ کا درجہ بڑا ہے، اور جب حقوق العباد کا ضائع کرنا، جن کا درجہ چھوٹا ہے، برا اور قبیح ہے تو اس سے بڑی چیز حقوق اللہ کا ضائع کرنا یقیناً زیادہ برا اور قبیح ہوگا، اگلی آیات میں اسی کا بیان ہے چنانچہ ارشاد ہے: فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۙ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کردیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں) تو ریاکاری کرتے ہیں اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے ہیں۔ ان آیات میں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے، اور اس حال میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:۔ (۱) وہ اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں، بھلا بیٹھنے کا مفہوم ترک کرنا ہے، نماز کے اندر سہو ونسیان کا ہو جانا مراد نہیں ہے، جس سے کوئی مسلمان حتی کہ نبی ﷺ بھی خالی نہیں ہے، چنانچہ احادیث صحیحہ میں حضور ﷺ سے سہو کا واقع ہونا ثابت ہے، لہٰذا اس پر وعید نہیں ہوسکتی ہے۔ (۲) دوسرا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کہیں مجبوراً انہیں نماز پڑھنا ہوتا ہے، تو اس میں رضائے الٰہی پیش نظر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ریاکاری (لوگوں کو دکھلانا) ہوتا ہے۔ (۳) تیسرا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ زکوۃ بالکل نہیں دیتے، ریاکاری کے طور پر بھی نہیں، برخلاف نماز کے کہ اس کو ریاکاری کے طور پر کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کے لیے شرعاً یہ ضروری نہیں کہ سب کے سامنے ظاہر کرکے

---

[۱] "فذلك الذی" میں "فا" سببیہ ہے، جو مسبب پر داخل ہے کیونکہ کلام سابق "أرءیت الذی" سے مخاطب کو شوق دلانا اس کا سبب ہے کہ ایسے شخص کا حال بیان کیا جائے، لہٰذا تشویق جس پر کلام سابق دلالت کررہا ہے، سبب اور اس کا حال بیان کرنا مسبب ہے، بین القوسین کی عبارت اسی سبب ومسبب کی وضاحت کے لیے ہے۔

ادا کی جائے، اس لیے بالکل نہ دینے سے بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا، بخلاف نماز کے کہ وہ جماعت کے ساتھ علانیہ ادا کی جاتی ہے، اس کو اگر بالکل چھوڑ دیا جائے گا، تو سب پر نفاق ظاہر ہو جائے گا، اس لیے جہاں کہیں پھنس جاتے ہیں تو محض دکھلاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

اللغة: (اَرَءَيْتَ) کیا آپ نے دیکھا؟ کیا آپ نے پہچانا؟ رؤیۃ بمعنی معرفت سے بھی ہوسکتا ہے، جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے، اور رؤیۃ بصری سے بھی ہوسکتا ہے، اس لیے اوپر دو ترجمے کیے گئے ہیں(۱)۔ (يَدُعُّ) دھکے دیتا ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، دَعَّ (ن) دَعًّا: دھکے دینا، سے۔ (الْيَتِيْم) سورہ فجر میں آچکا ہے۔ لَا يَحُضُّ: ترغیب نہیں دیتا ہے، ابھارتا نہیں ہے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل مضارع منفی معروف، حَضَّهُ علی الأمر (ن) حَضًّا: کسی چیز پر ابھارنا، کسی چیز کی ترغیب دینا۔ (طَعَام) کھانا، اس سے پہلے مضاف پوشیدہ ہے، ای: لا یحض علی بذل طعام کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ہے(۲)۔ یا طعام اسم مصدر ہے بمعنی اطعام (کھانا کھلانا، کھانا دینا)(۳)۔ (الْمِسْكِيْن) سورہ بلد میں آچکا ہے۔ (المصلین) نماز پڑھنے والے لوگ، المصلی اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت جری، صَلّٰی (تفعیل) تَصْلِيَةً: نماز پڑھنا، سے، (صلاۃ) نماز صَلّٰی يُصَلِّي کا اسم مصدر، یا مصدر، اصل میں "صَلَوَةٌ" تھا، واو متحرک ما قبل مفتوح لہٰذا واو کو الف سے بدلا گیا، صلاۃ ہوگیا(۴)۔ (ساھون) اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی "نصر" سے اصل میں "(ساھِوُوْنَ)" تھا "دَاعُوْنَ" کی طرح تعلیل ہوئی ہے۔ سَهَا عنه (ن) سَهْوًا وَسُهُوًّا: کسی سے غافل ہونا، بے خبر ہونا وعن الصلاۃ: نماز چھوڑنا۔ (يُرَاءُوْنَ) وہ ریا کاری کرتے ہیں، دکھلاوے کے لیے کرتے ہیں، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، رَاءَاهُ يُرَائِيهِ مُرَاءَاةً (مفاعلہ): دکھلاوے کے لیے کام کرنا، ریا کاری کرنا۔ (يَمْنَعُوْنَ) روکتے ہیں، یعنی نہیں دیتے، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، مَنَعَهُ (ف) مَنْعًا: روکنا، سے۔ (الْمَاعُوْنَ): زکوۃ، اور ایسی چیز جو عادۃً ایک دوسرے کو عاریت(۵) پر دی جاتی ہے، اور اس کا لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے(۶)۔ جیسے ہانڈی، کلہاڑی، ماچس، سیڑھی، وغیرہ۔ "مَاعُوْن" کی اصل جس کو حضرت تھانویؒ نے "بیان القرآن" کے حاشیہ میں اختیار فرمایا ہے، یہ ہے کہ "ماعون" اَعَانَ يُعِيْنُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے(۷)۔ اصل میں "مَعْوُوْنٌ" تھا بروزن مفعول، اس

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۴۴۳۔ (۲) والتعبير بالطعام دون الإطعام مع احتياجه لتقدير المضاف كما أشرنا إليه، للإشعار بأن المسكين كأنه مالك لما يعطى له (روح المعانی: ۱۶/۴۴۵) (۳) مذکورہ (۴) اعراب القرآن وصرفہ: ۱/۲۷۔ پارہ: ۱، رکوع: ۲، والروح: ۱/۱۹۲۔ پارہ: ۱، رکوع: ۱۔ (۵) بلا عوض استعمال کے لیے کوئی چیز کسی کو دینا، عاریت کہلاتا ہے۔ (۶) معارف القرآن: ۸/۸۲۶۔

(۷) "اَعَانَ" سے اس لیے مانا گیا ہے، چونکہ مجرد میں اس معنی میں اس کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ باب افعال سے اسم مفعول مُعْوَنٌ بعد تعلیل کے بعد مُعَانٌ ہونا چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب افعال کا دوسرے وزن پر بھی اسم مفعول آسکتا ہے، جیسے: تَوَسَّلَ سے اسم مفعول وَسُوْلٌ بھی آتا ہے۔

کے بعد قلب مکانی کیا گیا، یعنی حروف کی جگہ تبدیل کردی گئی اور وہ یہ کہ واو اول کو جو عین کے بعد ہے، میم کے بعد کردیا گیا، مَوْعُون ہوگیا، اس کے بعد واو کو الف سے بدل لیا گیا(١)، ماعون ہوگیا(٢)۔

یہ سب اس کی اصل کا بیان ہے، بعد میں اس کا استعمال زکوۃ یا عاریت پر دی جانے والی چیز میں ہونے لگا، اور اس وقت یہ جامد کے حکم میں ہوگا۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے، کہ زکوۃ سے غریب کی مدد، اسی طرح عاریت سے اس کی مدد ہوتی ہے، جس کو عاریت پر دیا جا رہا ہے۔ (مزید تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں)

ترکیب: (اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ) ہمزہ برائے استفہام "رَاَیْتَ" فعل با فاعل(٣) "الذی" مفعول بہ "یکذب" صلہ اور جملہ "رایت" ابتدائیہ، (فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ) فا سببیہ(٤) یا شرط مقدر کے جواب میں تقدیری عبارت ہوگی: "إن طلبت علمہ" (اگر تم اسے جاننا چاہتے ہو تو......) "ذالك" مبتدا "الذی" خبر "یدع" صلہ "ولا یحض" معطوف یدع پر، اور جملہ "ذالك الذی" مسبب ماقبل کا جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، اور "فا" کے جزائیہ ہونے کی صورت میں جملہ "ذالك" محلاً مجزوم ہوگا، شرط مقدر (اِنْ طَلَبْتَ عِلْمَہٗ) کا جواب ہونے کی وجہ سے۔ (فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ) "فا" فصیحہ شرط مقدر (اِذَا کَانَ دَعُّ الْیَتِیْمِ بِهٰذِهِ الْمَعَابَةِ)(٥) "ویل" مبتدا، "للمصلین" خبر، اور جملہ "ویل" شرط غیر جازم (اذا) کا جواب، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے(٦) "الذین" صفت المصلین کی "هم" مبتدا "عن صلاتهم" ساهون، کے متعلق، اور "ساهون" خبر، اور جملہ: "هم عن......" صلہ۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ) "الذین" بدل پہلے الذین سے هم مبتدا، "یراء ون" خبر، اور جملہ: "هم یراء ون" صلہ۔ (وَیَمْنَعُوْنَ) معطوف یراء ون پر(٧)۔

(١٠٨) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (١٥)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔

---

(١) یہ واو کی تبدیلی الف سے خلاف قیاس ہے۔ اس لیے کہ واو متحرک ماقبل مفتوح کا قاعدہ یہاں نہیں پایا جا رہا۔ (٢) روح المعانی: ١٦/٤٣٧۔ اور اعراب القرآن وصرفہ میں مجرد سے اسم مفعول مانا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (٣) یہ استفہام تشویق کے لیے ہے، جیسا کہ تفسیر کے تحت آچکا ہے۔ (٤) تفصیل تفسیر کے تحت آچکی ہے۔ (٥) ترجمہ: جب یتیم کو دھکا دینا، اس درجہ میں ہے۔

(٦) روح المعانی: ١٦/٤٣٧۔ واعراب القرآن: ٨/٤٢٣، واختارہ التھانوی۔ اور اعراب القرآن وصرفہ میں اس "فا" کو استینافیہ قرار دیا ہے اس وقت جملہ: "ویل للمصلین" مستانفہ ہوگا۔ (٧) از اعراب القرآن: ٨/٤٢٣۔ والروح: ١٦/٤٣٣۔

ربط: یہ سورت سابقہ سورت کے مقابل کی طرح ہے، کیونکہ پہلی سورت میں منافق کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں:۔
۱۔ بخل جس کو ''فذالك الذی یدع الیتیم الخ'' میں بیان کیا گیا ہے۔ ۲۔ نماز چھوڑنا۔ ۳۔ ریاکاری۔ ۴۔ زکوۃ نہ دینا، اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بخل کے مقابلہ میں ''انا اعطینك الكوثر'' (ہم نے آپ کو خیر کثیر دی) کا اور ترک نماز کے مقابلہ میں ''فصل'' کا اور ریاکاری کے مقابلہ میں ''لربك'' (اپنے رب کی رضا کے لئے) کا اور زکوۃ نہ دینے کے مقابلہ میں ''انحر'' (قربانی کیجئے) یعنی قربانی کے جانور کے گوشت کا صدقہ کیجئے، کا تذکرہ کیا ہے(۱)۔

شان نزول: اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے، مکہ میں جب ان کا انتقال ہوگیا، تو ''عاص بن وائل سہمی'' اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکین نے یہ کہا کہ: آپ کی نسل منقطع ہوگئی، لہٰذا نعوذ باللہ! آپ ﷺ ابتر یعنی بے نام نشان ہیں، مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے دین کا چرچا چند روزہ ہے، پھر یہ سب بکھیڑے پاک ہوجائیں گے۔ اس پر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ سورت نازل ہوئی۔ (کذا فی الدر المنثور)(۲)

تفسیر: (اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ) بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے ''کوثر'' کے معنی ''خیر کثیر'' کے ہیں، اور اس لفظ کے تحت ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں، جو آپ ﷺ کو یا آپ ﷺ کے طفیل آپ ﷺ کی امت مرحومہ کو ملنے والی تھی، ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ نہر بھی ہے، جو ''حوض کوثر'' کے نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے، اور جس کے پانی سے آپ ﷺ اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے(۳)۔ (اے ارحم الراحمین! تو اس خطاکار روسیاہ کار کو بھی اس سے سیراب کیجئے!) لہٰذا ان روایات میں جن میں اس کی تفسیر ''حوض کوثر'' سے اور ان روایات میں جن میں اس کی تفسیر خیر کثیر سے آئی ہے؛ کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت کا مقصود: آیت سے مقصود آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے، کہ ہم نے آپ کو ہر طرح کی خیر عطا کردی ہے، (جس میں آپ کے دین کی بقاو ترقی اور آپ کے ماننے والوں کا زیادہ ہونا، اور آخرت میں خدا کا قرب وغیرہ سب نعمتیں داخل ہیں) لہٰذا آپ ﷺ کے بیٹے کے فوت ہونے پر آپ کے دشمن جو خوشی کا اظہار کررہے، اور آپ کو طعنہ دے رہے ہیں، اس کا آپ رنج نہ کیجئے، بلکہ ہماری نعمتوں پر نظر رکھئے، آگے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

(فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) سو آپ (ان نعمتوں کے شکر میں) اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے (کیونکہ سب سے بڑی نعمت کے شکر میں سب سے بڑی عبادت ہونی چاہئے، اور وہ نماز ہے، اور (شکر کی تکمیل کے لیے جسمانی عبادت کے ساتھ مالی عبادت بھی کیجئے یعنی اسی کے نام کی) قربانی کیجئے جیسا کہ دوسری آیتوں میں عموماً نماز کے ساتھ مالی عبادت زکوۃ کا حکم ہے، یہاں زکوۃ کے بجائے قربانی کا حکم شاید اس لیے دیا گیا ہو کہ اس میں مالی عبادت ہونے کے ساتھ مشرکین کی مشرکانہ رسوم کی عملی مخالفت

---

(۱) روح المعانی:۴۳۹/۱۶۔ (۲) بیان القرآن:۱۲۱/۱۲۔

(۳) تفسیر حقانی ص:۸۰۳۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مشہور ہے کما فی الروح اور حضرت تھانوی نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے۔

بھی ہے، کیونکہ مشرکین بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے۔ واضح ہو کہ نماز سے فرض نماز مراد ہے، جس پر آپ کا پہلے سے عمل تھا، لہٰذا "فَصَلِّ" سے مراد نماز پر مداومت وہمیشگی ہے (کذا فی الروح) اگلی آیت میں حضور ﷺ کے صاحبزادے قاسم کی بچپن میں وفات پر بعض مشرکین نے جو طعنہ دیا تھا، اس کا جواب ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بے نام ونشان نہیں ہیں بلکہ)۔ (اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ) بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے، یعنی آپ کو طعنہ دینے والا آپ کا دشمن عاص بن وائل، اور بعض روایات کے مطابق عقبہ بن ابی معیط اور بعض کے مطابق کعب بن اشرف، ہی بے نام ونشان ہوگا۔ خواہ ظاہری نسل اس کی چلے یا نہ چلے، لیکن دنیا میں بہر حال اچھا ذکر باقی نہ رہے گا، بخلاف آپ کے کہ آپ کی امت، اور آپ کی یاد، نیک نامی اور محبت وعقیدت کے ساتھ باقی رہے گی، چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کے ذکر کو کیسی عظمت ورفعت عطا فرمائی، کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پر آپ ﷺ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ میناروں پر پکارا جاتا ہے، اور آخرت میں آپ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہوگا، اس کے بالمقابل عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط اور کعب بن اشرف، پر بھی نظر ڈالئے کہ ان کی اولاد کہاں گئی؟ اور ان کے خاندان کا کیا ہوا؟ اور کیا عظمت واحترام کے ساتھ ایک بھی ان کا نام لینے والا باقی ہے؟ آخرت کی ناکامی اور ذلت ورسوائی کا تو کیا کہنا؟۔

اللغة: (الْكَوْثَر) خیر کثیر، فَوْعَل کے وزن پر "نَوْفَل" (۱) کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے، اور معنی ہے، وہ چیز جو انتہائی زیادہ ہو، اور اس کا موصوف "الخیر" محذوف ہے (۲)۔ لہٰذا اب اس کا ترجمہ ہوگا: "خیر کثیر"۔ كَثُرَ (ک) كَثْرَةً: زیادہ ہونا، (اِنْحَرْ) آپ قربانی کیجئے، صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف، باب فتح سے، اور مصدر نَحْرٌ ہے، اور یہ لفظ عام طور پر اونٹ کے ذبح کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک دست باندھ دیا جائے (۳)، اور وہ تین پیروں پر کھڑا ہو، ایسی حالت میں سینہ کے بالائی حصہ میں جہاں رگیں جمع رہتی ہیں، چھری ماری جائے، جس سے رگیں کٹ کر خون باہر ہو جائیگا۔ عرب میں چونکہ عموماً اونٹ کی قربانی ہوتی تھی، اس لیے یہاں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور بعض اوقات لفظ "نحر" مطلق قربانی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (۴)۔ (شَانِئَ) دشمن، بغض رکھنے والا، نفرت کرنے والا، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، شَنَأَهُ (ف، س) شَنْأً وشَنَآنًا: بغض رکھنا، نفرت کرنا، سے (۵)۔ (الْأَبْتَر) دم کٹا ہوا، بے نام ونشان، جس کی بعد میں نسل نہ چلے، صفت مشبہ واحد مذکر، بَتَرَ (ن) بَتْرًا: کاٹنا، وبَتِرَ (س) بَتَرًا: کٹنا سے (۶) مونث کے لیے "بَتْرَاءُ" آتا ہے۔ "ابتر" کے اصلی معنی تو "کٹا ہوا" ہے، بعد میں دم بریدہ (دم کٹا ہوا) کے معنی میں اس کا استعمال عام اور شائع ہو گیا، اور بطور استعارہ (۷)

---

(۱) بڑا فیاض "نفل" بمعنی زیادتی وعطیہ سے ماخوذ ہے۔ (۲) حاشیہ جلالین بحوالہ: "کمالین" ص: ۵۰۷ و روح المعانی: ۴۴۲/۱۶۔

(۳) اکثر حضرات کے مطابق دایاں دست اور بعض حضرات کے مطابق بایاں دست باندھا جائیگا (روح المعانی: ۲۳۱/۱۰، سورہ حج)

(۴) معارف القرآن۔ (۵) اعراب القرآن: ۴۲۶/۸۔ (۶) اعراب القرآن وصرفہ: ۴۱۴/۱۵۔

(۷) استعارہ: اس مجاز کو کہتے ہیں، جس میں معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو، جیسے "اسد" بولکر زید مراد لیا جائے۔

اس کے لیے بھی استعمال ہونے لگا، جو مقطوع النسل ہو، یا جس کا بعد میں اچھا ذکر باقی نہ رہے، ولد (اولاد) اور باقی رہ جانے والے ذکر کو "ذنب" بمعنی دم سے تشبیہ دی گئی ہے، گویا جس کی نسل نہ چلی یا جس کا ذکر خیر باقی نہ رہا، تو اس کی دم کٹ گئی، اس مناسبت سے اس لفظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا ہے(۱) حضرت تھانویؒ نے "اس مفہوم کی تعبیر بے نام ونشان سے کی ہے۔

ترکیب: (اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ) "اِنَّا" اِنَّ اور اس کا اسم، "اَعْطَيْنَا" فعل بافاعل، "کاف" ضمیر منصوب متصل محلاً منصوب مفعول بہ اول، اَلْكَوْثَرَ مفعول بہ ثانی، اور جملہ "اَعْطَيْنَا...... "محلاً مرفوع، خبر اِنَّ کی، اور جملہ: "اِنَّا اَعْطَيْنَا......" ابتدائیہ، (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) "فا" برائے ترتیب، "صَلِّ" فعل بافاعل، "لِرَبِّكَ" متعلق، اور جملہ: "صَلِّ" مستانفہ (۲)۔ (وَانْحَرْ) معطوف صل پر۔ (اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ) "اِنَّ شَانِئَكَ" اِن اور اس کا اسم، ھو مبتدا یا برائے فصل، اس وقت اس کے لیے محل اعراب نہیں ہوگا (۳) (الْاَبْتَرُ) خبر "ھو" کی، اور جملہ: "ھو الابتر" محلاً مرفوع خبر اِنَّ کی اور دوسری صورت میں الابتر خبر ان کی اور جملہ: "ان شانئك... "مستانفہ (۴)۔

(۱۰۹) سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۱۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ تم کو تمہارا بدلہ ملے گا، اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

ربط: سورہ "کوثر" میں جس اخلاص عبادت کا حکم دیا گیا ہے، اس میں اس کے اعلان کا حکم ہے (۵)۔

شانِ نزول: ابن اسحاق کی روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کرلیں، کہ ایک سال آپ ﷺ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ (قرطبی) اس کے علاوہ بھی واقعات شان نزول کے سلسلہ میں منقول ہیں، اور ان میں کوئی تضاد نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سبھی واقعات پیش آئے ہوں، اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو (۶) اس سورت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے ان کے مجمع میں یہ سورت پڑھ کر سنائی، جس کا حاصل

---

(۱) اعراب القرآن محی الدین: ۸/۴۲۶، والروح: ۱۶/۴۵۔ (۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ مقدرہ پر معطوف ہو، أی: اِنْتَبِهْ لهذا فَصَلِّ (اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۳۱۳۔) (۳) دونوں طرح ترکیب ممکن ہے۔ کمافی الکافیہ، ص: ۶۸۔

(۴) اعراب القرآن محی الدین: ۸/۴۲۷۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/۴۴۸۔ (۶) معارف القرآن: ۸/۸۳۳۔

اسکی مصالحت سے روکنا، اور مشرکین کے طور وطریقہ سے کلی بیزاری اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرنا ہے (۱)۔

تفسیر: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝...... آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا تمہارا طریقہ ایک نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ) نہ (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ (آئندہ) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تم کو تمہارا بدلہ ملے گا، اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا، یہ شرک پر وعید سنائی گئی ہے، کہ موجودہ طریقہ نہیں چھوڑوگے، تو اس کی سزا تمھیں بھگتنی پڑیگی۔

بعض کلمات کے تکرار کی توجیہ: اس سورت کے بعض کلمات مکرر ہیں، جیسا کہ شروع میں ہے: "لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ۝" اس کے بعد پھر اسی طرح کلمات ہیں "وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْۙ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ۝" اس کی "بخاریؒ" نے بہت سے مفسرین سے جو توجیہ نقل کی ہے، وہ یہ ہے کہ دو جملے "**لااعبد ماتعبدون**" اور "**ولاانتم عابدون مااعبد**" کا تعلق حال سے اور بعد والے دو جملے "**ولاانا عابد ماعبدتم**" اور "**ولاانتم عابدون مااعبد**" کا تعلق استقبال سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ فی الحال نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ آئندہ کروں گا، اسی طرح فی الحال تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ آئندہ کروگے (۲) ہم نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، اس لیے تفسیر کے دوران، فی الحال اور آئندہ کی قید کا اضافہ بین القوسین کیا گیا ہے۔

ایک سوال: یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے، کہ مشرکین کے بارے میں کہا گیا ہے، کہ تم آئندہ میرے معبود کی عبادت نہیں کروگے، حالانکہ کفار ومشرکین میں سے بہت سے مؤمن وموحد ہوگئے تھے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بقرینہ مقام یہ ایک قید کے ساتھ مقید ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، "**ولاانتم عابدون مااعبد وانتم عابدون ماتعبدون**" یعنی تم اپنے معبودوں کی عبادت کرتے ہوئے میرے معبود کی عبادت نہیں کروگے، یعنی مشرک ہوتے ہوئے موحد (ایک خدا کے ماننے والے) نہیں ہوسکتے، اسی طرح میں موحد ہوتے ہوئے مشرک نہیں ہوسکتا، حاصل یہ کہ توحید اور شرک دونوں جمع نہیں ہوسکتے (۳)۔

اللغۃ: (الکافرون) "**الکافر**" اسم فاعل کی جمع مذکر سالم بحالت رفعی، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، سورہ "نبا" میں "**یقول الکافر**" (**عبدتم**) عبادت کی تم نے، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے، سورہ "بَيِّنَة" میں "**لیعبدوا اللّٰہ**" (دِيْنِ) میرا بدلہ، اصل میں "دینی" تھا، یائے متکلم کو تخفیفاً حذف کردیا گیا، سورہ انفطار میں یہ لفظ آچکا ہے۔

ترکیب: (قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ) "قل" جملہ ابتدائیہ، "یا" حرف ندا، "أیُّ" منادی مبنی علی الرفع، محلاً منصوب فعل

---

(۱) تفسیر عثمانی۔ (۲) معارف القرآن: ۸/۸۳۳۔ اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے۔ (۳) یہ توجیہ حضرت تھانوی نے فرمائی ہے، اور فرمایا: "**ھذا من المواھب**" اس کے علاوہ بھی مفسرین نے توجیہ کی ہے۔

مقدر (ادعو) کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، "ھا" حرف تنبیہ، "الکافرون" بدل، یا عطف بیان (۱) یا صفت "ایّ" کی، لفظا میں تابع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے (۲) اور جملہ ندا (یایھا الکافرون) محلا منصوب قول کا مقولہ ہونے کی وجہ سے۔ (لا اعبد ما تعبدون) جملہ "لا اعبد" جواب ندا، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے "ما" موصولہ محلا منصوب مفعول بہ، (تعبدون) صلہ، (ولا انتم عابدون ما اعبد) "واؤ" عاطفہ لا نافیہ مہملہ (غیر عاملہ) "انتم" مبتدا، "عابدون" (۳) خبر "ما" موصولہ محلا منصوب مفعول بہ "اعبد" صلہ، اور جملہ "لا انتم ...... " معطوف، جواب ندا پر، (ولا انا عابد ما عبدتم) "وا" عاطفہ، "لا" نافیہ، "انا" مبتدا، "عابد" خبر، ما موصولہ، مفعول بہ "عبدتم" صلہ، اور جملہ معطوف، جواب ندا پر، (ولا انتم عابدون ما اعبد) سابق کی طرح ترکیب ہوکر معطوف جواب ندا پر (لکم دینکم) "لکم" ثابت کے متعلق ہوکر خبر مقدم، "دینکم" مبتدا موخر، اور جملہ "لکم ...... " تعلیلیہ (ولی دین) "لی" خبر مقدم، "دین" مرکب اضافی ہوکر مبتدا موخر، اور جملہ معطوف، جملہ "لکم دینکم" پر (۴)۔

(۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچے۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ﴿۲﴾ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجیے، اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجیے۔ بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ربط: سابقہ سورت میں شرک وبت پرستی سے بالکلیہ برأت اور کلی بیزاری کا اعلان تھا، اور اس سورت میں شرک وبت پرستی کے مضمحل وکمزور ہونے اور ہمیشہ کے لیے دین اسلام کے غلبہ کی بشارت ہے (۵)۔

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۱۶۔ (۲) کذا فی الکافیۃ، ص: ۳۰۔

(۳) **فائدہ:** اسم فاعل اور ان تمام اسمائے مشتقات میں جن میں ضمیر مستتر ہوسکتی ہے، اسم ضمیر کو رفع دینے کی صورت میں ہمیشہ غائب کی ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے، کیوں کہ اسم فاعل اور اسماء مشتقہ کی ضمیر ہمیشہ غائب ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، پس "أَنَا ظَانٌّ مُحَمَّدًا قَائِمًا" میں تقدیری عبارت ہوگی: أَنَا رَجُلٌ ظَانٌّ.. (النحو الوافی: ۳/۳۵۲) لہذا "وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ" کی تقدیری عبارت ہوگی: وَلَا أَنْتُمْ أُنَاسٌ عَابِدُوْنَ... عابدون میں ھم ضمیر پوشیدہ ہے۔

(۴) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۱۷۔ اور روح المعانی میں جملہ: "لکم ...... " کو مستانفہ بھی قرار دیا ہے، خواہ لفظ "دین" طریقہ کے معنی میں ہو، اور خواہ بدلہ کے معنی میں۔ (۱۵/۲۹۳۔) (۵) روح المعانی: ۱۶/۴۵۹، ومعارف القرآن ادریسی: ۸/۵۶۵۔

تفسیر: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ الخ: (اے محمد ﷺ) جب خدا کی مدد یعنی دشمن پر آپ کو غالب کرنا، جس کو عطف تفسیری کے ذریعہ فتح سے بیان کیا گیا ہے) اور (مکہ کی) فتح (اپنے آثار کے ساتھ) آ پہنچے، (اور اس پر مرتب ہونے والے آثار یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں، یہ فتح مکہ کے آثار میں سے، اس لیے ہے کہ عام لوگ اسلام میں داخل ہونے کے لئے مکہ کی فتح کے منتظر تھے، اب تک ایک ایک دو دو مسلمان ہوتا تھا، فتح مکہ کے بعد قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہونے لگے، بہر حال جب ایسا ہو تو اس وقت سمجھئے کہ دنیا میں رہنے اور آپ کی بعثت کا مقصود جو تکمیل دین تھا، وہ پورا ہو گیا، اور اب سفر آخرت قریب ہے، لہٰذا اس کے لیے تیاری کیجئے، اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے، اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے، یعنی ایسے امور جو خلاف اولیٰ ہو گئے، ان سے مغفرت مانگئے) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یہ مغفرت کی درخواست کرنے کی علت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کے نزول کے بعد آپ ﷺ کا عمل

حضرت "صدیقہ عائشہؓ" فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا، وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ (ابوداؤد) اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: اس سورت کے نزول کے بعد اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے، ہر وقت یہ دعا پڑھتے تھے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" اور فرماتے تھے کہ "مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے" اور دلیل میں اذا جاء نصر اللہ پڑھتے تھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اس کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں ورم کر گئے (قرطبی)(۱)۔

اللغۃ: (نَصْر) مدد، باب (ن) کا مصدر ہے، مزید دیکھئے لغات القرآن و صرفہ۔ (الفتح) " فَتَحَ يَفْتَحُ " کا مصدر ہے، جس کے اصلی معنی إِزَالَةُ الْاِنْغِلَاقِ (بندش کو دور کرنا یعنی کھولنا) ہے، دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً "فتح البلاد" (کسی شہر کو فتح کرنا یعنی اس پر قبضہ اور غلبہ کا ہو جانا) اور اصلی معنی سے مناسبت یہ ہے کہ جب تک شہر پر غلبہ اور قبضہ نہیں ہوا تھا تو گویا وہ شہر اس کے حق میں بند تھا(۲)۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ (يَدْخُلُوْنَ) داخل ہوتے ہیں وہ، صیغہ جمع مذکر غائب، بحث فعل مضارع مثبت معروف، دَخَلَ (ن) دُخُوْلًا: داخل ہونا، سے، (اَفْوَاجًا) سورہ "نبأ" آیت: ۱۸، میں گزر گیا، (سَبِّحْ) تسبیح کیجئے، یہاں تسبیح سے مراد تنزیہ ہے یعنی ایسے ذکر سے اللہ کے عیوب و نقائص سے پاک ہونے کو بیان کرنا ہے، جو تنزیہ (عیوب و نقائص سے پاک ہونے) پر دلالت کرے، صرف سبحان اللہ کہنا، مراد نہیں ہے(۳) صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف، باب تفعیل سے، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ "اعلیٰ" میں " سبح اسم ربك " (حَمْدِ) حَمِدَ يَحْمَدُ

---

(۱) از معارف القرآن: ۸/۸۳۶۔ (۲) روح المعانی: ۱۴/۱۲۶۔ تحت قولہ تعالیٰ: "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" (پارہ ۲۶)

(۳) روح المعانی: ۱۶/۳۶۲۔

کا مصدر، لغوی معنی: زبان سے کسی کا اچھا تذکرہ کرنا، اصطلاحی معنی: تعظیم کے مقصد سے اختیاری خوبی پر کسی کا زبان سے اچھا ذکر کرنا خواہ وہ خوبی انعام کے قبیل سے ہو یا اس کے علاوہ۔ (مختصر المعانی ص:۵)

تسبیح اور حمد میں فرق:- تسبیح میں ذات باری کے عیوب ونقائص سے پاک ہونے کو بیان کرنا ہوتا ہے، اور حمد میں صفات کمال کا اثبات ہوتا ہے (۱)۔ (اِسْتَغْفِرْهُ) گناہوں سے معافی چاہیئے صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف "استغفار" گناہ سے معافی چاہنا سے، مادہ "غفر" ہے۔ (تَوَّابًا) صیغہ مبالغہ، واحد مذکر، بڑا توبہ قبول کرنے والا، بار بار توبہ قبول کرنے والا، بڑا معاف کرنے والا، یہ معنی اس وقت ہے جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہو، اور اگر بندہ کی صفت ہو تو معنی ہوتے ہیں، بڑا توبہ کرنے والا، بڑا باز آنے والا (۲) مزید تفصیل کے لیے سورہ "بروج" میں "ثم لم یتوبوا" دیکھیے۔

ترکیب: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا...... "اذا" اسم ظرف برائے استقبال، متضمن معنی شرط مفعول فیہ سبح کا، اور "فسبح" کی "فا" اس کی تقدیم کے لیے مانع نہیں کماھو عند الجمہور اور "ابوحیان" کے نزدیک اذا کا مابعد یعنی جاء فعل اس میں عامل ہے، اور وہ مضاف الیہ نہیں ہے (۳)۔ یہ اس وقت ہے جب کہ اذا کو استقبال کے لیے مانا جائے (کماھو الاکثر) اور اگر ماضی کے لیے مانا جائے تو عامل محذوف ہوگا، "کَمُلَ اَمْرُ الدِّیْنِ" یا اس کے مانند (۴)۔ "نصر اللہ" فاعل جاء کا "والفتح" معطوف نصر اللہ پر، "ورایت" معطوف جاء پر، لہٰذا معطوف علیہ کی طرف یہ بھی محلا مجرور ہوگا۔ (الناس) مفعول بہ "یدخلون" محلا منصوب، حال الناس سے، اگر رویت بصری مراد ہے، یا مفعول ثانی "رایت" کا اگر رویت علمی مراد ہے، فی دین اللہ" متعلق یدخلون کے، "افواجا" حال یدخلون کی ضمیر سے، "فَسَبِّحْ" "فا" جزائیہ، سبح فعل با فاعل، (بِحَمْدِ رَبِّكَ) متلبسا کے متعلق ہو کر سبح کی ضمیر سے حال، اور جملہ جواب اذا کا، جس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، "وَاسْتَغْفِرْهُ" معطوف جواب پر، (اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا) "توابا" خبر کان کی، اور جملہ "کان توابا" محلا مرفوع خبر ان کی، اور جملہ: "انہ کان..... "تعلیلیہ (۵)۔

(آیاتها ۵) (۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (۶) (رکوعها ۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/۴۶۲۔ (۲) لغات القرآن: ۲/۲۰۲، وروح المعانی: ۱/۳۷۷۔ تحت قولہ تعالیٰ "فتاب علیہ"۔

(۳) اذا کے عامل وغیرہ کے سلسلہ میں تفصیل لغات القرآن وصرفہ میں سورہ انفطار کے شروع میں ملاحظہ کریں۔ (۴) سبح کے متعلق نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس وقت کلام اِضْرِبْ زَیْدًا اَمْسِ (کل گزشتہ زید کو مار) کی طرح ہو جائیگا، (وھو ظاہر البطلان) روح المعانی: ۱۶/۴۶۰۔ (۵) من الروح: ۱۶/۴۶۰، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۰۔

كَسَبَ ۝۲ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۝۳ وہ عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ اور اس کی بیوی بھی، جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

ربط: سابقہ سورت میں لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اور اس سورت میں ان لوگوں کے خسارہ اور تباہی کو بیان کیا گیا ہے، جو مذہب اسلام میں داخل نہیں ہوئے مثلاً ابولہب اور اس کی بیوی(۱)۔

شان نزول: "صحیحین" میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ"(۲) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے کوہ "صفا" پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی، اور بعض روایات میں ہے کہ "یا صباحاہ!" کہہ کر یا عبد مناف! اور یا بنی عبد المطلب! وغیرہ ناموں کے ساتھ آواز دی، (اس طرح آواز دینا عرب میں خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا)۔ سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر چڑھا آیا ہے، اور صبح شام میں تم پر لوٹ پڑنے والا ہے تو کیا آپ لوگ میری تصدیق کرو گے؟" سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ: "ہاں! ہم ضرور تصدیق کریں گے اس لئے کہ ہم نے آپ کی طرف سے صدق کے سوا کسی چیز کا تجربہ نہیں کیا ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں" (جو کفر و شرک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سن کر "ابولہب" نے کہا: "تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْاَيَّامِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" ہمیشہ تیرے لیے بربادی ہو، کیا اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟(۳) اور "روح المعانی" میں بعض سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی، جس میں اس کے ساتھ اس کی بیوی ام جمیل بھی شریک تھی۔ اس سورت میں دونوں کا انجام بد بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے، کہ جو بھی مرد و عورت حق کی عداوت پر کمر باندھے گا، وہ آخر ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہے گا(۴)۔

تفسیر: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے! دونوں جملے بددعائیہ ہیں، اور مقصود ان دونوں سے ہلاک ہونے کی خبر دینا ہے، لہٰذا دونوں جملوں کا حاصل نکلا کہ وہ ہلاک و برباد ہوگا، چنانچہ غزوۂ بدر کے سات روز بعد اس کو ایک زہریلی قسم کا دانہ نکلا، جس کو طاعون کی گلٹی کہا جاتا ہے، اور عرب اس کو "عدسہ" کہتے ہیں اور دوسروں کو مرض لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ اسی بے کسی کی حالت میں مر گیا، اور تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوا دیا، انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر دھکیل دیا، اور اوپر سے پتھر بھر دیے(۵)۔ یہ تو حق کے دشمن اور رسول اللہ کے باغی کی رسوائی اور بربادی دنیا میں ہوئی

---

(۱) روح المعانی: ۱۶/ ۳۶۶۔ (۲) پ: ۱۹، ع: ۱۵، ترجمہ: اور آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے۔ (۳) از معارف القرآن: ۸/ ۸۳۹۔ وروح المعانی: ۱۶/ ۳۶۷۔ (۴) تفسیر عثمانی: ۸۰۶، وروح المعانی: ۱۶/ ۳۶۷۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/ ۳۷۱۔

(ولَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ) واضح ہو کہ دونوں ہاتھ سے ذات مراد ہے(۱) لہٰذا دوسرا جملہ "وتب" پہلے جملہ کی تاکید ہوگا، اور ذات کو ید کے علاوہ کسی اور جز سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، لیکن ہاتھوں سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو ہاتھوں سے تکلیف پہنچاتا تھا، چنانچہ "طارق محاربی" سے روایت ہے کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ "سوق ذی المجاز" میں آگے آگے دعوت اسلام کرتے ہوئے چلے جارہے ہیں، اور پیچھے پیچھے ابولہب پتھر مارتا ہوا آرہا ہے، جس سے آپ ﷺ کی پنڈلی اور قدم لہولہان ہوگئے(۲)۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ...... نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، "ماضی" سے مراد مستقبل ہے، اور مال سے مراد اصل سرمایہ اور کمائی سے مراد اس کا نفع ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہلاکت وتباہی کے وقت کسی بھی قسم کا اس کا مال اس کو ہلاک و بربادی سے نہیں بچاسکے گا۔ تو دنیا کی سزا ہوئی، اگلی آیت میں اس کی اخروی سزا کا بیان ہے۔ وہ عنقریب (قیامت کے دن یا مرتے ہی) ایک شعلہ زن (ڈیگ اور لپٹیں مارنے والی) آگ میں داخل ہوگا، شاید اسی مناسبت سے "قرآن" نے اس کی کنیت "ابولہب" قائم رکھی، دنیا تو اس کو ابولہب اس لیے کہتی تھی کہ اس کے رخسار آگ کے شعلہ کی طرح چمکتے تھے، مگر "قرآن" نے بتلادیا کہ وہ اپنے اخروی انجام کے اعتبار سے بھی ابولہب کہلانے کا مستحق ہے(۳)۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے، شان نزول کے تحت یہ بات آچکی ہے کہ جس طرح ابولہب کو رسول اللہ ﷺ سے سخت نفرت، بغض اور دشمنی تھی، اسی طرح اس کی بیوی کو بھی تھی، آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے میں یہ اس کی مدد کرتی تھی، یہ ابوسفیان کی بہن "اروی" بنت "حرب" ہے، حسن جمال کی زیادتی کی وجہ سے اس کو ام جمیل کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے بتلایا کہ یہ بدبخت بھی اپنے شوہر کے ساتھ جہنم میں جائے گی، اور اس کی جو یہ صفت بیان کی گئی کہ یہ لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے تو اس سے مراد خاردار لکڑیاں ہیں، جنہیں وہ جنگل سے لاکر حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لیے آپ کے راستہ میں ڈال دیتی تھی۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔ یہ دوزخ میں اس کے حال کو بیان کیا گیا ہے، اور رسی سے مراد طوق وزنجیر ہے، اور خوب بٹی ہوئی یہ تشبیہ شدت، سختی اور مضبوطی میں ہے، یعنی جہنم میں اس کے گلے میں انتہائی مضبوط اور سخت طوق اور زنجیر ہوگی(۴)۔

اللغة: (تَبَّتْ) ٹوٹ جائے، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، تَبَّ فُلَانٌ (ض) تَبًّا وَتَبَابًا، وَتَبَبًا، وَتَبِيبًا: ہلاک ہونا، برباد ہونا، خسارہ (ٹوٹے) میں ہونا، "ہاتھ ٹوٹ جائے" یہ اردو کا ایک محاورہ ہے جس کا مفہوم ہاتھوں کی بربادی ہے۔ (اَبِىْ لَهَبٍ) یہ عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کا لقب ہے، جو رشتہ میں حضور ﷺ کا حقیقی چچا تھا، اس کا چہرہ چونکہ آگ کے شعلہ کے مانند چمکدار تھا، اس لیے "ابولہب" لقب پڑا۔ لہب کے معنی آگ کے شعلہ کے ہے(۵) اور قرآن کریم نے اصلی نام (عبدالعزیٰ) اس لیے چھوڑا کیونکہ یہ مشرکانہ تھا، نیز اس لقب کو لہب جہنم سے بھی

---

(۱) یہ مجاز اور کنایہ دونوں ہوسکتا ہے، تفصیل اللغۃ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/ ۲۶۷۔ (۳) تفسیر عثمانی: ص: ۸۰۶۔

(۴) از بیان القرآن۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/ ۲۶۷۔ وبیان القرآن: ۱۲/ ۱۲۴۔

مناسبت ہے(۱)۔ (مَا اَغْنٰی عَنْهُ) اس کے کام نہیں آیا، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ "لیل" میں "ما یغنی عنه ماله" (ما کسب) جو اس نے کمایا، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف، کَسَبَ لاهله (ض) کسبًا: اہل وعیال کے لیے کمائی کرنا۔ ہے۔ (لَهَبٍ) بے دھویں کی آگ کا شعلہ، مصدر، لَهِبَتِ النَّارُ (س) لَهْبًا، وَلَهَبًا، ولهيبًا، وَلُهَابًا وَلَهَابًا: آگ کا بھڑکنا، بغیر دھویں کے صاف شعلہ اٹھنا۔ (امْرَأَتُهُ) اس کی عورت (اس کی بیوی) امرأۃ بمعنی مرد کا مونث، جسکی تحقیق سورہ "عبس" میں "لکل امرئ منهم" کے تحت آچکی ہے۔ (حَمَّالَةَ) بہت اٹھانیوالی، بہت لاد کر لانے والی، اسم مبالغہ واحد مؤنث، حَمَلَ فلانٌ علٰی ظهره، (ض) حَمْلًا: اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھانا (جس کو لاد کر لانا بھی کہا جاتا ہے)۔ (اَلْحَطَبِ) لکڑی، ایندھن، اسم جامد، چونکہ یہ جنس ہے، جس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے، اس لیے ترجمہ "لکڑیاں لاد کر لانے والی" سے کیا گیا ہے۔ (جِيْدِ) گردن کا اگلا حصہ، گردن کا وہ حصہ، جہاں ہار پڑا رہتا ہے، اسم جامد جمع: اَجْيَادٌ، وجُيُوْدٌ. (حبل) رسی، اسم جامد، جمع حِبَال (مَسَد) مضبوط بٹی ہوئی رسی، احقر کے خیال میں اصلاً یہ "فَعَل" بمعنی مفعول ہے(۲)۔ مَسَدَ الحبلَ (ن) مَسْدًا: رسی کو مضبوط باٹنا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے لغات القرآن وصرفہ۔

ترکیب: (تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ) (یدا) فاعل (ابی لهب) مضاف الیہ، اور جملہ "تبت" دعائیہ یا ابتدائیہ "وتبَّ" معطوف "تبت" پر (مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ) "ما" نافیہ اور جملہ: "ما اغنی عنه...... " مستانفہ، اور اگر "ما" کو استفہامیہ مانا جائے، تو "ما" اغنی کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا، ای: اَیَّ شیئٍ اغنی عنهُ مالُه(۳) البتہ جملہ اب بھی مستانفہ ہوگا۔ (وَمَا كَسَبَ) واو عاطفہ، "ما" اسم موصول ہے تو "کسب" موصول اسمی کا صلہ اور اگر یہ مصدریہ ہے تو موصول حرفی کا صلہ، اور ان دونوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔ (سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ) (نَارًا) مفعول بہ یا مفعول فیہ "ذات لهب" نَارًا کی صفت اور جملہ: سیصلی "مستانفہ"، (وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) واو عاطفہ "امرأته" معطوف یَصْلٰی کی ضمیر مرفوع متصل پر جو پوشیدہ ہے(۴) "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" منصوب علی الذم ہے، یعنی "اَذُمُّ" فعل محذوف ہے، جس کا یہ مفعول بہ ہے، "فِیْ جِيْدِهَا" خبر مقدم "حَبْلٌ" مبتدا مؤخر (من مسد) کائن محذوف کے متعلق ہو کر صفت، اور جملہ: "فی جیدها...... ": مستانفہ(۵)۔ یا محلاً منصوب حمّالة کی ضمیر، یا امرأته سے حال ہونے کی بناء پر(۶)۔

---

(۱) معارف القرآن: ۸/۸۳۹۔ (۲) روح المعانی میں ہے: المسد: ما مسد ای: فتل من الحبال فتلا شدیدا. اس عبارت سے احقر کے خیال کی تائید واضح طور پر ہوتی ہے۔

(۳) اعراب القرآن: ۸/۴۳۱۔ (۴) چونکہ ضمیر مرفوع متصل اور اس کے معطوف کے درمیان فصل ہے، لہٰذا عطف جائز ہے۔

(۵) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۲۔ (۶) روح المعانی: ۱۶/۴۷۳۔

(۱۱۲) سُورَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ اللہ بے نیاز ہے۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ اس کے اولاد نہیں، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

ربط: صاحب روح نے اس رائے کو اولیٰ قرار دیا ہے، کہ یہ سورت معنی سورہ کافرون سے مربوط ہے، اسی لیے ان دونوں سورتوں کا نام "مُقَشْقِشَتَان "(۱) ہے، اور یہ مناسبت نفی اور اثبات میں ہے کہ سورہ کافرون میں شرک سے برأت کا اظہار اور اس کی نفی کا بیان ہے، اور اس سورت میں توحید کا اثبات ہے، لیکن بیچ میں دو سورتوں کا فصل اس وجہ کی بناء پر کیا گیا ہے، جو ان کے ربط کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہے (۲)۔

شان نزول: ترمذی، حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اس کے علاوہ واقعات بھی شانِ نزول کے سلسلہ میں منقول ہیں۔

تفسیر: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ آپ (ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔ لفظ "قل" میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں تک کوئی بات پہنچانے کا حکم ہوتا ہے، وہ اس کا نبی اور رسول ہوتا ہے، اور لفظ اللہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام نقائص وعیوب سے پاک ہونے کے ساتھ تمام صفات کمال کو جامع ہے۔ اور "احد" (ایک) کے مفہوم میں ایک تو یہ بات داخل ہے کہ وہ کمال ذات اور کمال صفات میں ایک ہے۔ کمال ذات یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے، یعنی اس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور کمال صفات یہ ہے کہ علم وقدرت وغیرہ اس کی صفات قدیم اور محیط ہیں، یعنی یہ صفات ہمیشہ سے اس کے لیے ثابت ہیں، نیز اس کی قدرت اور علم سے کوئی باہر نہیں ہے، اس سے جیسے مذکورہ سوال کرنے والوں کا جواب ہوا، اسی طرح مجوس کے عقیدہ کا رد بھی ہو گیا، جو کہتے ہیں کہ: خالق دو ہیں: خیر کا خالق "یزداں" اور شر کا خالق اَهْرَمَنْ، نیز "ہنود" کی تردید ہوئی، جو تینتیس، کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں، اسی طرح ان دہری قسم کے لوگوں کا رد ہوا، جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں نیز ان لوگوں کا بھی رد ہو گیا، جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں، مگر کمال صفات کے منکر ہیں، اسی طرح ان لوگوں کا بھی رد ہوا، جو وجود اور کمال دونوں کے

---

(۱) تَقَشْقَشَ المریض: بیمار کا ٹھیک ہونا۔ ان دونوں سورتوں میں چونکہ شرک اور نفاق کی بیماری کا علاج ہے، اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے (روح المعانی ۱۶/۴۴۸) (۲) روح المعانی: ۱۶/ ۴۷۸۔

قائل ہیں مگر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس مختصر سے جملہ میں ذات وصفات کے سب مباحث آگئے، اور لفظ "قل" میں نبوت ورسالت کا مسئلہ آگیا، غور کیجیے تو یہ مختصر سا جملہ ان عظیم الشان مباحث کو حاوی ہے، جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں لکھے جاتے ہیں(۱)۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کی تردید ہوگی جو عبادت میں تو کسی کو خدا کا شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی سمجھتے ہیں، یعنی شرک فی الاستعانت کے مرتکب ہیں، اسی طرح آریوں کے عقیدۂ مادہ وروح کی بھی تردید ہوگی، کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تعالیٰ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے، لیکن یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہیں(۲)۔ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اس میں ان لوگوں کا رد ہے، جو حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، نیز جو لوگ حضرت مسیح یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں، ان کی تردید "لم یولد" میں ہوئی، اس لیے کہ حضرت مسیح ایک پاک باز عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے، یعنی اس کا کوئی جوڑ نہیں، اس میں ان اقوام کا رد ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں، حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس کی صفات سے اعلیٰ صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں، یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ان میں لکھا ہے کہ ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہوئی، اور یعقوبؑ نے خدا کو پچھاڑ دیا (العیاذ باللہ) كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا(۳) اَسْاَلُ اللّٰهَ الْاَحَدَ الصَّمَدَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ وَیُعَافِیَنِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اللغة: (اللہ) صحیح قول کے مطابق عربی لفظ ہے(۴) اور اصح قول کے مطابق علم ہے، ایسی ذات کا جو واجب الوجود(۵) ہے اور صفات کمال کی جامع ہے، اور تفصیلی کلام کے لیے دیکھیے احقر کی کتاب لغات القرآن وصرفہ۔ (اَحَدٌ) ایک، اکیلا، اسم جامد، اصل میں "وَحَدٌ" تھا، "واؤ" کو "ہمزہ" سے بدل لیا گیا، احد ہوگیا(۶)۔ (الصَّمَدُ) وہ سردار اور بزرگ ہستی جو سب سے اوپر ہو اور اس سے اوپر کوئی نہ ہو، اور جس کی طرف لوگ حاجتوں، ضرورتوں، اور معاملات کے سلسلہ میں قصد کرتے ہوں بالفاظ دیگر جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو(۷) اس کی مختصر تعبیر "بے نیاز" سے کی جاتی ہے، بروزن "فَعَلٌ" صفت مشبہ ہے، اسم مفعول مَصْمُوْدٌ یعنی مقصود کے معنی میں(۸) جیسے: قبض مقبوض کے معنی میں۔ صَمَدَهٗ وَلَهٗ وَاِلَیْهِ

---

(۱) از بیان القرآن، ومعارف القرآن: ۸/۸۴۳، وتفسیر عثمانی ص: ۸۰۷۔ (۲) از بیان القرآن، وتفسیر عثمانی۔ (۳) تفسیر عثمانی ص: ۸۰۷۔

(۴) بعض نے عجمی لفظ (عبرانی یا سریانی) مانا ہے، اور اصل لاہا تلائی ہے، بمعنی قدرت والا، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (روح: ۱/۹۷)

(۵) واجب الوجود: وہ ذات جس کا وجود ضروری ہو یعنی اس پر عدم کا طاری ہونا محال ہو۔

(۶) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے لغات القرآن وصرفہ۔ (۷) روح المعانی: ۱۶/۴۸۹۔

(۸) روح المعانی: ۱۶/۴۹۰، واعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۵

صَمَدًا (ن) قصد کرنا۔ (لم یلد) دیکھیے سورہ "بلد" میں "ووالد وما ولد" "(کفوا) مرتبہ میں برابر، اسم جامد مہموز اللام ہے اور واو ہمزہ کے بدلہ میں ہے(۱)۔

ترکیب: (قل هو الله احد) "قل" جملہ ابتدائیہ "ھو" ضمیر شان، جس کی تفسیر اگلا جملہ کر رہا ہے، (الله) مبتدا "احد" خبر اور جملہ "الله احد" محلاً مرفوع خبر ھو کی(۲) اور یہ ترکیب بھی ممکن ہے کہ ھو مبتدا اور لفظ جلالہ بدل اور "احد" خبر۔ (۳) حضرت تھانوی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے(۴) اور ہمارے ترجمہ کے مطابق یہی ترکیب ہے۔ (الله الصمد) مبتدا خبر سے مل کر جملہ مستانفہ یا مؤکدہ(۵)۔ (لم یلد) پہلے جملہ "الله الصمد" کی طرح مستانفہ یا مؤکدہ (لم یولد) معطوف (ولم یکن له کفوا احد) "واؤ" عاطفہ "له" متعلق کفوا(۶) کے (کفوا) خبر (احد) اسم(۷) اور جملہ "لم یکن له ــــ" معطوف جملہ مستانفہ "لم یلد" پر لہٰذا اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا(۸)۔

(۱۱۳) سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ (۲۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ آپ کہیے! کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ تمام مخلوق کے شر سے۔ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے۔

---

(۱) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۶۔ (۲) چونکہ یہ جملہ عین مبتدا ہے اس لیے یہاں رابطہ کی ضرورت نہیں ہے (روح المعانی: ۲۶/۴۸۳)

(۳) واجاز "ابو البقاء" أن يكون الاسم الأعظم بدلا من "هو" واحد خبره. (روح المعانی: ۲۶/۴۸۵)

(۴) حاشیہ بیان القرآن۔ (۵) روح المعانی: ۱۶/۴۹۲۔

(۶) اس لیے کہ یہ مماثل ومساوی کے معنی میں ہے، گرچہ خود جامد ہے، لہٰذا معنی فعل اس ظرف میں عامل ہوئے۔ وفی الروح: ۱۵/۴۶۹، (ملتان) والأصل أن يؤخر الظرف إلا أنه قدم للاهتمام، لأن المقصود نفي المكافأة عن ذاته عز وجل وللاهتمام أيضاً قدم الخبر مع ما فيه من رعاية الفواصل.

(۷) یہی ترکیب ظاہر اور معمول بہ ہے۔ (شرح شذور الذہب لابن ہشام ص: ۴۳۔)

(۸) فی اعراب القرآن: ۸/۴۳۶: ارتبطت هذه الجمل الثلاث دون الثلاث الأولى ' لأن قوله " الله الصمد" محقق ومقرر لماقبله ' وكذالك ترك العطف في قوله "لم يلد" لأنه مؤكد للصمدية، لأن الغنيّ عن كل شيء المحتاج إليه كل ماسواه لا يكون والداً ولا مولوداً...... ووصل بين الثلاث المتاخرة؛ لأنها سيقت لغرض ومعنىً واحدٍ وهو نفي المماثلة و المناسبة عنه تعالىٰ بوجه من الوجوه لأن المماثل إما ولد او والد اونظيرٌ غيرهما فلتغاير الاقسام واجتماعها في المقسِم لزم العطف فيها بالواو؛ كماهو مقتضى قواعد المعاني. (روح المعانی: ۲۶/۴۹۲۔)

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ اور گرہوں پر پڑھنے والیوں کے شر سے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۚ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

ربط: سابقہ سورت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے، اس کے بے نیاز ہونے اور اس بات کا ذکر تھا کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نیز اس کا کوئی برابر نہیں ہے، اس سورت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی جائے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ماویٰ و ملجا نہیں ہے (۱)۔

شانِ نزول: ان دو سورتوں کا جو ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، شانِ نزول یہ ہے کہ حضور ﷺ پر "لبید بن اعصم" یہودی اور اس کی بیٹیوں نے جادو کر دیا تھا، جس سے آپ کو ایک مرض سا لاحق ہو گیا تھا، اور اس دوران کبھی اپنے دنیا کے معاملہ میں آپ کو یہ خیال ہوتا کہ میں نے یہ کام کر لیا ہے، حالانکہ وہ نہیں کیا ہوتا تھا، اور کبھی کوئی چیز کر لی، مگر خیال ہوتا تھا کہ نہیں کی، آپ ﷺ نے حق تعالیٰ سے دعا کی، اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ایک میں پانچ آیتیں اور ایک میں چھ آیتیں ہیں، اور مجموعہ گیارہ آیتیں ہیں۔ آپ کو وحی سے جیسے جادو کرنے والے کا نام بتلا دیا گیا تھا ایسے ہی یہ بھی بتلا یا گیا تھا کہ جادو ایک کنگھے اور اس کے دندانوں میں کیا گیا ہے، اور وہ کھجور کے اس غلاف میں ہے، جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے اور یہ سب سامان بیر "ذروان" میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، چنانچہ آپ ﷺ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے آپ نے وہ سامان نکالا، جس میں ایک تانت (۲) کا ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ گرہ لگائی گئی تھیں، آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے، اور ہر آیت پر ایک گرہ کھل جاتی تھی، اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا، گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا ہے، اور آپ بالکل تندرست ہو گئے (۳)۔

فائدہ: سحر کا بھی اسباب طبعیہ کی طرح اثر ہوتا ہے، جیسے آگ سے جلنا، یا گرم ہونا، پانی سے سرد ہونا، اور بعض اسباب طبعیہ سے بخار آجانا، یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہو جانا، ایک امر طبعی ہے، جس سے پیغمبر و انبیاء بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے۔ اس لیے کوئی بعید نہیں ہے (۴)۔ رہا یہ سوال کہ اس قسم کے سہو ہوتے ہوئے آپ کی وحی اور آپ ﷺ کی باتوں پر العیاذ باللہ کیسے یقین کیا جائے، تو مذکورہ قصہ کی تفصیل کی روشنی میں یہ سوال احمقانہ ہے اس لیے کہ اس سحر کا مذکورہ اثر صرف دنیاوی معاملات تک تھا (۵)۔

---

(۱) مناسبتها لما قبلها انه تعالىٰ لما بين امر الألوهية فى السورة قبلها بين ههنا ما يستعاذ منه بالله تعالىٰ لأنه لا ملجا سواه. (حاشیہ جلالین ص: ۵۰۸، ومثلہ فی الروح: ۱۶/ ۴۹۸)۔ (۲) تانت: بھیڑ، بکری، یا گائے وغیرہ کی وہ انتڑی جو بٹ کر کمان اور سارنگی وغیرہ میں لگاتے ہیں۔ (فیروز اللغات ص: ۳۴۰۔) (۳) مسند احمد و بخاری شریف وغیرہ میں اس سلسلہ میں مفصل روایات موجود ہیں، ہم نے بقدر ضرورت خلاصہ بیان کر دیا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے ابن کثیر: ۴/ ۵۷۴۔ ومعارف القرآن: ۸/ ۸۴۶، ومعارف القرآن ادریسی: ۸/ ۵۷۸۔ (۴) معارف القرآن: ۸/ ۸۴۷۔ (۵) من الروح: ۱۶/ ۵۰۵۔

تفسیر: ان دونوں سورتوں میں مختلف شرور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنے، اور سب امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا، حکم ہے پہلی سورت میں دنیاوی مضرتوں سے، اور دوسری سورت میں مضرت دینی سے پناہ چاہنے کا حکم ہے، یہ حاصل ہے دونوں سورتوں کا، پس ارشاد ہے: (اے نبی ﷺ) آپ (اپنے استعاذہ یعنی اللہ سے پناہ مانگنے کے لیے اور دوسروں کو بھی یہ استعاذہ سکھانے کے لیے جس کا حاصل اللہ تعالیٰ پر توکل اور مکمل بھروسہ کی تعلیم ہے یوں) کہیئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے (رات میں شرور و آفات کا احتمال ظاہر ہے)۔ اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے، اس کے موصوف عورتیں بھی ہوسکتی ہیں، اور نفوس بمعنی جانیں جو مرد و عورت دونوں کو شامل ہے۔ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے، حسد کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا، اور اس سے اس کے زوال کی تمنا کرنا، یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور سب سے پہلا وہ گناہ ہے، جو آسمان اور زمین میں کیا گیا، کیونکہ آسمان میں ابلیس علیہ اللعنۃ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، اور زمین پر ان کے بیٹے "قابیل" نے اپنے بھائی "ہابیل" سے کیا، حسد سے ملتا جلتا لفظ غبطہ ہے، جس کے معنی ہے: کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا، کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادے، اور دوسرے سے زوال کی تمنا نہ ہو، یہ جائز بلکہ مستحسن ہے حدیث شریف "لَاحَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَیْنِ رَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ مَالاً وَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا النَّاسَ"[1] میں یہی معنی مراد ہے[2] اور "اِذَا حَسَدَ" (جب وہ حسد کرنے لگے)۔ کا مطلب یہ ہے کہ حاسد اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کرسکے، اور حسد کے مقتضی پر عمل کرنے لگے، یعنی نقصان کے درپے ہوجائے، تو اسکی بدی سے پناہ مانگنی چاہیئے اور اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہوا مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسود کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے، تو وہ اس سے خارج ہے، اس لیے کہ اس سے محسود کا کوئی نقصان نہیں ہے، البتہ حاسد کا نقصان ہے، کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر جلتا اور کڑھتا ہے۔

فائدہ: "من شر ما خلق" میں تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کے ذکر کے بعد مذکورہ بالا خاص خاص چیزوں کا ذکر، شاید مقام کی مناسبت سے اس لیے ہو کہ اکثر سحر کی ترتیب اور ترکیب رات کو ہوتی ہے (کذا فی الخازن) تاکہ کسی کو اطلاع نہ ہو، اطمینان سے اس کی تکمیل کرسکیں۔ اور گنڈہ پر دم کرنے والی جانوں یا عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ پر سحر اسی طرح ہوا تھا، خواہ مرد نے کیا ہو، یا عورتوں نے اس لیے کہ "نَفّٰثٰتِ" کا موصوف جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا گیا ہے، نفوس بھی ہوسکتے ہیں، جو مرد و عورت کو شامل ہے، اور عورتیں بھی اس کا موصوف ہوسکتی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ پر سحر کا منشا حسد تھا، کیونکہ یہود اور منافقین آپ اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور ظاہری جنگ وجدال میں

---

(۱) از مشکوۃ شریف (کتاب العلم) ترجمہ:- حسد نہیں ہے مگر دو شخصوں میں: ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہو۔ اور دوسرا وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و علم دیا ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲) از معارف القرآن: ۸/ ۸۴۹، و تفسیر عثمانی: ۸۰۷۔

آپ پر غالب نہ آسکے، تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ بجھانا چاہا، اس وجہ سے حسد کا ذکر ہوا ہے، اس طرح سحر کے متعلق جتنی چیزیں تھیں، سب سے استعاذہ ہوگیا، اور باقی شرور وآفات کو شامل کرنے کے لیے ”من شر ما خلق“ فرمادیا۔ اور آیت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفت ”رب الفلق“ یعنی صبح کا مالک ذکر کی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ صبح وشام اور سبھی چیزوں کا مالک ہے تو اس تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ رات کی اندھیری کا ازالہ کرکے صبح کی روشنی نکال دیتا ہے، اسی طرح سحر کا بھی ازالہ کرسکتا ہے۔ از بیان القرآن۔

اللغة: (أعُوْذُ) میں پناہ لیتا ہوں، صیغہ واحد متکلم، بحث فعل مضارع مثبت معروف عَاذَ بِه (ن) عَوْذًا وَعِيَاذًا: کسی کی پناہ میں آنا، کسی سے بچ کر کسی کی حفاظت میں آنا، سے۔ (رَبِّ) سورہ ”نبا“ رکوع دوم میں گزر چکا ہے۔ (الْفَلَقِ) اصلاً فَعَلٌ بمعنی مفعول صفت مشبہ ہے، یعنی پھاڑی ہوئی چیز جیسے قَصَصٌ بمعنی مقصوص(۱) اور عرف میں یہ لفظ صبح کے ساتھ خاص ہے کیونکہ رات کو پھاڑ کر صبح کو نکالا جاتا ہے۔ فَلَقَ (ض) فَلْقاً: پھاڑنا، کہا جاتا ہے: فَلَقَ اللّٰهُ الصبحَ: اللہ تعالیٰ نے رات کو پھاڑ کر صبح کو نمودار کیا۔ (شر) سورہ ”زلزال“ میں گزر گیا۔ (غَاسِقٍ) اسم فاعل واحد مذکر، رات جب اس کا اندھیرا سخت ہوجائے، یعنی سخت اندھیری رات۔ غَسَق کے اصلی معنی بھرنے اور بہنے کے ہے، کہا جاتا ہے:- غَسَقَتِ العینُ دَمْعًا: (ض) غَسْقًا: آنکھ آنسو سے بھر گئی ہو غَسَقَ الجُرْحُ: زخم سے پیلا پانی بہا، پھر بطور استعارہ رات کے تاریک ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اس مناسبت سے کہ رات جب تاریک ہوتی ہے، تو اس کا اندھیرا گویا ہر چیز پر بہتا اور برستا ہے۔(۲) (وَقَبَ) داخل ہو، آجائے، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ وَقَبَ اللَّيْلُ (ض) وَقْبًا، وقُوبًا: رات کا داخل ہونا۔ (النّفّٰثٰتِ) پڑھ کر پھونک مارنے والیاں، نفاثة کی جمع جو نفّث صیغہ مبالغہ کا مؤنث ہے، نَفَثَ (ن، ض) نَفْثًا وَنَفَاثًا: ایسی پھونک مارنا کہ اس کے ساتھ تھوک بھی ہو(۳)۔ (الْعُقَدِ) گرہیں، اسم جامد، عُقْدَةٌ بمعنی گرہ کی جمع۔ (حَاسِدٍ) حسد کرنے والا، یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کرنے والا، اسم فاعل واحد مذکر حَسَدَ (ن) حَسَدًا: کسی سے زوال نعمت کی تمنا کرنا(۴)۔

ترکیب: قل اعوذ برب الفلق ○ من شر ما خلق جملہ: قُل ابتدائیہ اور جملہ ”أعُوْذُ“ محلاً منصوب قول کا مقولہ (بِرَبِّ الْفَلَقِ، مِنْ شَرِّ) دونوں اَعُوْذُ کے متعلق ”ما“ موصولہ محلاً مجرور مضاف الیہ (خَلَقَ) ما کا صلہ (وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ) معطوف ”شر ما خلق“ پر حرف جر کے اعادہ کے ساتھ، (إذَا وَقَبَ) ”إذَا“ برائے ظرفیت محضہ، مفعول فیہ، ”شَرِّ غَاسِقٍ“ میں شَرِّ مصدر کا اور جملہ ”وَقَبَ“ محلاً مجرور مضاف الیہ إذا کا، (وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ) معطوف شر ما خلق پر، (اذا حسد) ”إذا“ ظرف شر مصدر کا، ”شر حاسد“ میں اور جملہ: ”حسد“ محلاً مجرور مضاف الیہ اذا کا(۵)۔

---

(۱) بیان کی ہوئی بات یعنی قصہ۔ (۲) روح المعانی: ۱۶/۵۰۲۔ (۳) قاله الزمخشری وهو الأصح. (روح: ۱۶/۵۰۴۔)

(۴) روح: ۱۶/۵۰۵۔ (۵) از اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۷۔

آیاتہا ۶ (۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ۝ آپ کہہ دیجئے میں آدمیوں کے مالک۔ مَلِكِ النَّاسِ ۙ۝ آدمیوں کے بادشاہ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ۝ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ۝ وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ۝ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۧ۝ خواہ وہ جن ہو یا آدمی۔

ربط: پہلی سورت میں دنیاوی مضرتوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، اور اس سورت میں دینی مضرتوں سے پناہ چاہنے کا ذکر ہے۔

تفسیر: آپ (خود پناہ چاہنے اور دوسروں کو استعاذہ کی تعلیم کے لیے یوں) کہئے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں:- (۱) اللہ تعالیٰ تو ساری مخلوق کا رب، بادشاہ اور معبود ہے، پھر انسان کی طرف نسبت کیوں کی گئی ہے؟ (۲) رب الناس صفت کے بعد باقی دو صفتوں (ملك الناس، اور إله الناس) کا کیوں اضافہ کیا گیا؟۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں وسوسۂ شیطان سے پناہ چاہنے کا ذکر ہے، جو انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے الناس کی طرف ان صفات کی اضافت کردی گئی ہے⁽¹⁾۔ اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ ان دو صفتوں کا اضافہ اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ لفظ رب جب کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو، تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے، جیسے رب الدار (گھر کا مالک) رب المال (مال کا مالک) اور ہر مالک چونکہ بادشاہ نہیں ہوتا ہے، اس لیے "ملك الناس" صفت کا اضافہ کیا گیا ہے، اور چونکہ ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا ہے، اس لیے "إله الناس" صفت کا اضافہ کیا ہے، اور ان تینوں صفتوں کے جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کی داعی ہے، اس لیے کہ ہر مالک اپنے مملوک کی اور ہر بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے، اور معبود کا اپنے عابد کی حفاظت کرنا تو اظہر ہے، اور یہ صفتیں چونکہ صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں، اس لیے اس کی حفاظت و پناہ سب سے بڑی حفاظت و پناہ ہوگی⁽²⁾ آگے اس چیز کا بیان جس سے پناہ چاہی جارہی ہے چنانچہ ارشاد ہے:- (میں پناہ چاہتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا انسان۔ شیاطین جیسے جنات میں ہیں، ایسے انسانوں میں بھی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ"⁽³⁾ (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے کچھ جن اور کچھ آدمی) (بیان القرآن) اس لیے

---

(۱) مظہری بحوالہ بیضاوی: ۱۰/۳۷۹۔ (۲) از معارف القرآن: ۸/۸۵۱۔ (۳) سورہ انعام رکوع: ۱۴۔

ان دونوں قسم کے شیطان سے اس آیت میں پناہ چاہی گئی ہے، اور شیطان کی دو صفتیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) دلوں میں گناہوں اور برائیوں کے وسوسے ڈالنا، جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور اپنی عاقبت خراب کر لیتے ہیں، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وسوسہ جناتی شیطان کی طرف سے ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ مخفی طور پر انسان کے دل میں کوئی بات ڈالدے، مگر انسانی شیاطین تو کھلم کھلا سامنے آکر بات کرتے ہیں، انکا وسوسہ سے کیا تعلق؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی شیاطین بھی اکثر ایسی باتیں کسی کے سامنے کرتے ہیں جن سے اس کے دل میں کسی معاملے کے متعلق ایسے شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو وہ صراحۃً نہیں کہتے ہیں (۱)۔ واضح ہو کہ وسوسہ سے مراد وہ وسوسہ ہے جو مفضی الی المعصیت ہو جائے، اور اس کا دینی مضرت ہونا ظاہر ہے۔ (۲) دوسری صفت (پیچھے ہٹ جانے والا) ذکر کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہر انسان کے قلب میں دو گھر ہیں، ایک میں فرشتہ رہتا ہے، اور دوسرے میں شیطان (فرشتہ اس کو نیک کام کی ترغیب کرتا ہے اور شیطان برے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جب تک وہ اللہ کے ذکر میں مشغول نہیں ہوتا ہے، تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ اس میں برائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے (۳) اور یہ ہٹنا شیطان الجن میں تو ظاہر ہے، اور "شیطان الانس" کا ہٹنا حسب تقریر "کبیر" اس طرح ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا اپنے کو مشفق ناصح کی شکل میں ظاہر کرتا ہے، لیکن اگر اس کو زجر کر دیا جائے تو پھر وسوسہ سے باز آجاتا ہے (۴)۔

قرآن کریم کے فاتحہ اور خاتمہ میں مناسبت

قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے سورہ فاتحہ سے شروع فرمایا ہے، جس کا حاصل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اس کی مدد حاصل کرنا، اور اس سے صراط مستقیم کی توفیق مانگنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور صراط مستقیم ہی وہ دو چیزیں ہیں جن میں انسان کی دین ودنیا کی کامیابی مضمر ہے، لیکن ان دو چیزوں کے حصول میں اور حصول کے بعد ہر قدم پر شیطان لعین کے مکر وفریب اور وسوسوں کا جال بچھا رہتا ہے، اس جال کو پاش پاش کرنے کی مؤثر تدبیر اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنا ہے؛ جس پر قرآن کریم کو ختم کیا گیا ہے (۵)۔

اللغة: (الناس) سورہ "مطففین" میں گزر چکا ہے۔ (مَلِك) صاحب اقتدار، بادشاہ، صفت مشبہ۔ (۶) مَلَكَ (ض) مُلْكًا: کسی چیز کا مالک ہونا، بااختیار ہونا۔ (إله) معبود بروزن فعال صفت مشبہ ہے، مفعول (مالوہ) یعنی معبود کے معنی میں جیسے کتاب مکتوب کے معنی میں مزید تفصیل کے لیے دیکھئے اعراب القرآن وصرفہ میں سورہ "اخلاص" میں لفظ جلالہ (اللہ) (الوسواس) زمخشری کی رائے کے مطابق بالفتح وسوسہ کے معنی میں اسم مصدر ہے، اور بالکسر (وِسْوَاس) مصدر ہے،

---

(۱) از معارف القرآن: ۸۵۲/۸۔ (۲) بیان القرآن۔ (۳) رواہ ابو یعلی عن انس مرفوعا مظہری: ۳۸۰/۱۰۔ (۴) از بیان القرآن۔

(۵) از معارف القرآن: ۸۸۸تا۵۵۔ ملتقطا۔ (۶) روح المعانی: ۱۴۲/۱۔ (سورہ فاتحہ)

اور بعض ائمہ کے بقول بالفتح بھی مصدر ہی ہے، اور لفظ وسوسا اصلاً لازم ہے چنانچہ کہا جاتا ہے، ”وَسْوَسَتْ نَفْسُهٗ“ وَسْوَسَةً وَوَسْوَاساً: (رباعی مجرد) اس کے دل میں براخیال آیا ہے، اور الی یا لام یا فی صلہ کے ساتھ متعدی بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے: وَسْوَسَ اِلَيْهِ وَلَهٗ وَفِي صَدْرِهِ الشَّيْطَانُ: شیطان نے اس کے دل میں براخیال ڈالا، اور ”وسواس“ مصدر کا اطلاق شیطان پر یا تو مبالغۃً ہے یا اس لیے کہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے یا اس سے پہلے ذو مضاف پوشیدہ ہے، یعنی ذو وسواس (۱) (الخَنَّاس) پیچھے ہٹنے والا، صیغہ مبالغہ، یا لَبَّان (دودھ والا) تَمَّار (کھجور والا) کی طرح نسبت کا صیغہ ہے (۲) خَنَسَ (ن) خُنُوْسًا: پیچھے ہٹنا۔ (صُدُوْرِ) صدر بمعنی سینہ کی جمع ہے اور اسم جامد ہے یہاں محل بول کر مجازاً حال (دلوں) کو مراد لیا گیا ہے، کمافی الروح۔ (الجِنَّةِ) جِن اور جِنَّة ایک ہی معنی میں ہیں، اور جنس ہیں، یعنی قلیل وکثیر پر ان کا اطلاق ہوتا ہے، البتہ جنۃ میں تا مبالغہ کے لیے ہے اور اگر جن کا اطلاق واحد پر ہو، تو جِنَّة جِن کی جمع ہوگی، اور یہ ان جمعوں میں سے ہوگا، جن کا اپنے مفرد سے تا کے ذریعہ فرق ہوتا ہے یعنی واحد کے لیے بغیر تا کے استعمال ہوتا ہے، اور جمع کیلئے تا کے ساتھ جیسے: كَمْءٌ (سانپ کی چھتری) کی جمع كَمْأَةٌ ہے (۳)۔

ترکیب: (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) جملہ: ”قل“ ابتدائیہ اور جملہ: ”اعوذ“ محلاً منصوب قول کا مقولہ، (برب الناس) اعوذ کے متعلق (مَلِكِ النَّاسِ، اِلٰهِ النَّاسِ) دونوں رب الناس کا عطف بیان (۴) صفت اور بدل کا بھی احتمال ہے (۵)۔ (مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ) اعوذ کے متعلق (الخناس) صفت (الذی) محلاً مجرور صفت ثانی الوسواس کی (يُوَسْوِسُ) صلہ (فِي صُدُوْرِ النَّاسِ) متعلق (مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ) الوسواس کا بیان (۶) حسب معمول جار مجرور سے مل کر كَائِنًا کے متعلق ہو کر الوسواس سے حال ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ يُوَسْوِسُ کی ضمیر سے حال ہو (۷)۔

لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ آج مؤرخ ۱۷ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء بروز شنبہ بعد نماز مغرب کمرہ ۳ مسجد رشید تحتانی میں ”دروس القرآن“ (پارہ عم) کے مبارک وعظیم کام کی تکمیل ہوئی۔ الٰہی! اس بے بضاعت وکم علم پر آپ کا یہ بے پناہ فضل واحسان ہے، جس کا میں شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں، رب کریم اس کو قبول فرما کر عوام وخواص سب کے لیے مفید بنا اور قبولیت عامہ عطا فرما!

العبد مزمل حسین غفرلہ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۲۷/۱۱/۱۷ھ

---

(۱) من الروح: ۵/۱۴۶۔ (اعراف رکوع ۲) و: ۹/۳۹۸۔ تحت قولہ تعالیٰ ”فوسوس الیہ الشیطان“ پارہ ۱۶ رکوع: ۱۴۔ و: ۱۶/۵۱ (سورہ ناس) (۲) روح المعانی: ۱۶/۵۱۱۔ (۳) روح المعانی: ۷/۱۶۵۔ تحت قولہ تعالیٰ ”لاملأن جہنم من الجنۃ“: ۱۲/۱۰۔ (۴) اختارہ الزمخشری (روح المعانی: ۱۶/۵۰۹۔ (۵) اعراب القرآن: ۸/۴۵۶۔ (۶) حاشیہ بیان القرآن۔ (۷) اعراب القرآن وصرفہ: ۱۵/۴۲۹۔

مصادر و مراجع

١-	جلالین شریف	
٢-	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسیؒ
٣-	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی
٤-	تفسیر مظہری	علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ
٥-	بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
٦-	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
٧-	معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
٨-	تفسیر عثمانی	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
٩-	الاتقان للسیوطی	
١٠-	علوم القرآن	مولانا محمد تقی عثمانی
١١-	اعراب القرآن	شیخ محی الدین درویشؒ
١٢-	اعراب القرآن وصرفہ	علامہ محمود صافیؒ
١٣-	المفردات فی غریب القرآن	شیخ راغب اصفہانیؒ
١٤-	المعجم الوسیط	لجماعۃ من الاساتذہ
١٥-	لغات القرآن	مولانا عبد الرشید نعمانی
١٦-	غیاث اللغات فارسی	مولانا غیاث الدینؒ
١٧-	مصباح اللغات	
١٨-	رضی شرح کافیہ	علامہ رضی الدین استر آبادی
١٩-	شرح جامی	ملا عبد الرحمن جامیؒ
٢٠-	محرم آفندی شرح شرح جامی	
٢١-	غایۃ التحقیق شرح کافیہ	
٢٢-	الفوائد الشافیہ لحل اعراب الکافیہ لزینی زادہ	
٢٣-	مغنی اللبیب	ابن ہشام انصاریؒ
٢٤-	الاشمونی شرح الفیہ	شیخ نور الدین اشمونی
٢٥-	اوضح المسالک	
٢٦-	حاشیۃ الصبان	
٢٧-	جامع الغموض شرح کافیہ	
٢٨-	مختصر المعانی	سعد الدین تفتازانی
٢٩-	دروس البلاغۃ	
٣٠-	تفریح الاذکیاء فی احوال الانبیاء	
٣١-	المعجم المفصل فی الصرف	
٣٢-	علم الصیغہ	مفتی عنایت احمد

مؤلف کی دیگر تالیفات

① لغات القرآن وصرفہ (پ: عم): قرآن کریم کی لغت اور صرف کے موضوع پر سورتوں اور آیات کی ترتیب کے مطابق اردو زبان میں اپنے انداز کی ایک منفرد کتاب ہے جس میں اساتذہ اور تحقیق کے طالب طلبہ کے لئے قرآنی کلمات کی لغوی تحقیق اور صرفی حیثیت کو میانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا کام پورے قرآن کریم پر کرنے کا مؤلف کا پروگرام ہے، فی الحال مذکورہ پارہ سے متعلق حصہ پیش ہے۔ کتاب کی افادیت واہمیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

② دروس القرآن (ق: وپ: ٢٧) زیر طبع۔ ③ لغات القرآن وصرفہ (ق: وپ: ٢٧) زیر طبع۔

”دروس القرآن“ اکابر کی نظر میں

محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند

”جناب مولانا مزمل حسین مظفرنگری نے لمبے تجربہ کے بعد پارۂ عم کی تفسیر لکھی ہے، میں نے مختلف جگہ سے اس کو دیکھا ہے، ماشاءاللہ طلبہ کی تمام ضروریات اس میں موجود ہیں۔“ اور آخر میں تحریر فرماتے ہیں مختصر یہ کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ جب قاری یہ ”دروس القرآن“ ملاحظہ کریگا، تو خود ہی اسکی خوبیاں واضح ہونگی۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیو بند

”جناب مولانا مزمل حسین مظفرنگری نے دروس القرآن کے نام سے قرآن کی تفسیر کا شاندار کام شروع کیا ہے، موصوف کی یہ محنت اس درجہ (درجۂ سوم) کے لئے انشاءاللہ فائدہ مند ہوگی“۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی زید مجدہم استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیو بند

”جناب مولانا مزمل حسین حفظہ اللہ ایک کامیاب مدرس اور طلبہ میں مقبول ہیں، تقریباً دس سال سے ترجمۂ کلام پاک ان سے متعلق ہے، اسی تدریسی تجربہ کی روشنی میں موصف نے نہایت سلیقہ اور پوری کاوش کے ساتھ یہ کتاب تیار کی ہے۔ انشاءاللہ یہ کتاب طلبہ کی استعداد سازی میں نہایت مفید ثابت ہوگی اور انکے ذوقِ تحقیق کو مہمیز دے گی۔“

حضرت مولانا محمد علی صاحب بجنوری زید مجدہم استاذ تفسیر وسابق نگراں شعبۂ تدریب المعلمین دار العلوم دیو بند

”کتاب کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے اسکی تالیف وترتیب میں انتھک محنت فرمائی ہے، کتاب لائق توجہ، اساتذہ وطلبہ سب کیلئے مفید، مستند اور تحقیقی کتاب ہے۔“

مؤلف کی دیگر تالیفات

① **لغات القرآن وصرفہ (پ: عم)**: قرآنِ کریم کی لغت اور صرف کے موضوع پر سورتوں اور آیات کی ترتیب کے مطابق اردو زبان میں اپنے انداز کی ایک منفرد کتاب ہے جس میں اساتذہ اور تحقیق کے طالب طلبہ کے لیے قرآنی کلمات کی لغوی تحقیق اور صرفی حیثیت کو میانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا کام پورے قرآنِ کریم پر کرنے کا پروگرام ہے، فی الحال مذکورہ پارہ سے متعلق حصہ پیش ہے۔ کتاب کی افادیت و اہمیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

② **دروس القرآن (ق وپ: ۲۷) زیرِ طبع**

③ **لغات القرآن وصرفہ (ق وپ: ۲۷) زیرِ طبع**

RAFEEQ BOOK DEPOT, DEOBAND-247554
Mob.: 09528187792, 09368173429

989 786 9314